تاریخ

دعوت و عزیمت

حصّہ چہارم

تذکرہ مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی مفصل سوانح حیات، ان کا عہد اور ماحول، ان کے عظیم تجدیدی اور انقلابی کارنامے کی اصل نوعیت کا بیان، ان کا اور ان کے سلسلے کے مشائخ کا اپنی اور بعد کی صدیوں پر گہرا اثر اور ان کی اصلاحی تربیتی خدمات۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔ کے ۔۳ ناظم آباد مینشن ۔ ناظم آباد ۔ کراچی ۱۸

جملہ حقوق طباعت واشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ • رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ • صدر مجلس انتظامی ومجلس علمی دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق • رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ • رکن مجلس مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ • صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب ——— "تاریخ دعوت وعزیمت" (حصہ چہارم)
تصنیف ——— مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت ——— احمد برادرز پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ——— ۳۳۹ صفحات

ٹیلیفون: ٦٦٠٠٩٨٤

اشاعت: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

تاریخ دعوت وعزیمت

(حصہ چہارم)

اردو ——— لکھنؤ، کراچی
انگریزی ——— لکھنؤ
عربی ——— کویت وبیروت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ
مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۳۲

(سورۃ فاطر ۔ ۳۲)

فہرست عناوین

تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ چہارم)

عرض مدعا ۱۱

باب اوّل ۲۳
عالم اسلام دسویں صدی میں ۶۹

دسویں صدی ہجری کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت ۲۳
سیاسی حالت ۲۴
مذہبی و روحانی حالت ۳۰
علمی حالت ۳۹
ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال ۴۴
مہدویت ۵۲
بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب ۵۷

دسویں صدی کا فتنۂ کبریٰ

• الف ثانیؒ سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ ۶۱
الف ثانیؒ کا مغالطہ ۶۱

باب دوم ۷۰
اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور ۱۳۶

اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی ۷۰
اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی ۷۶
مذاہب کا تقابلی تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر ۷۸
اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علمائے دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری ۸۵
علمائے دربار ۸۷
ارکان سلطنت و مشیران دربار ۹۱
ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابو الفضل ۹۲
راجپوت رانیوں کا اثر ۱۰۱
محضر اجتہاد و امامت ۱۰۲
محضر پر ایک نظر ۱۰۳
مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال ۱۰۴
الف ثانیؒ کی تیاری اور دین الٰہی کا اجرا ۱۰۵
اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطۂ عروج ۱۰۸
آتش پرستی ۱۰۸

آفتاب پرستی ۱۰۹
گنگا جل ۱۱۰
تصویر کشی ۱۱۱
اوقات عبادت ۱۱۲
سجدۂ تعظیمی ۱۱۲
بیعت و ارشاد ۱۱۲
آداب ملاقات ۱۱۳
تاریخ ہجری سے تنفر ۱۱۳
غیر اسلامی تہوار و جشن نیا ۱۱۴
قربان عید بندش زکوٰۃ ۱۱۶
ہندو مقتدیا ۱۱۹
گوشت خوری ۱۱۹
تعزیہ ۱۲۰
شراب نوشی ۱۲۰
رسم جنید و الہ ۱۲۱
سنِ الٰہی کا اجرا ۱۲۱
دین اسلام کی تحقیر ۱۲۲
اسراء و معراج کا استہزاء ۱۲۳
مقام نبوت کی اہانت ۱۲۳
اسمائے نبوی سے وحشت و گرانی ۱۲۴
نماز کی عدم اجازت ۱۲۴
ارکانِ اسلام کی توہین و استہزاء ۱۲۵
ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ ۱۲۵

باب سوم

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حالاتِ زندگی از ولادت تا خلافت

۱۲۷—۱۵۱
خاندان ۱۲۷
حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد ۱۳۲
ولادت و حالات ۱۳۸
ولادت و تعلیم ۱۳۸
سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت و استفادہ ۱۴۱
حضرت شیخ عبد الباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہؒ) ۱۴۳
بیعت و تکمیل ۱۴۸
حضرت مجدد کے علو نسبت کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے ۱۵۰

باب چہارم

اہم واقعات و حالات ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وفات ۱۵۲ – ۱۸۴

سرہند کا قیام ۱۵۲
لاہور کا سفر ۱۵۳
تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات اور رجوع عام ۱۵۴
سلطان وقت جہانگیر کا رویہ ۱۵۶
گوالیار کی اسیری کے اسباب ۱۶۰
قلعہ گوالیار کی نظر بندی ۱۶۲
زندان گوالیار میں سنت یوسفی ۱۶۴
دوران اسیری کی نعمتیں اور لذتیں ۱۶۵
لشکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات و برکات ۱۶۷
جہانگیر پر اثر ۱۶۹
قرب سفر اور اس کے انتظامات ۱۷۰
عادات و معمولات ۱۷۴
حلیہ مبارک ۱۸۱
اولاد امجاد ۱۸۲

باب پنجم

حضرت مجدد کے دائرۂ تجدید کا مرکزی نقطہ نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید ۱۸۵ – ۲۶۰

حضرت مجدد کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟ ۱۸۵
نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر اعتماد کی بحالی ۱۸۹
عقل و حس تجربی اور مابعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہا ۱۹۲
بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ ۱۹۳
عقل محض اور کشف پر اصولی تنقید کا انقلابی کارنامہ ۱۹۵
عقل کا تجربہ صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں ۲۰۱
معرفت الٰہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں ۲۰۲
عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے ۲۰۸
نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے ۲۰۹
عقل کا خالص وہم سے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) ناقص ہے ۲۱۰
اہل اشراق و صفائی نفس ۲۱۴
شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول ۲۱۶
عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں ۲۱۸
کشف میں آمیزش ۲۱۹
فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد ۲۲۰

بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں ۲۲۳
انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا ۲۲۳
بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے ۲۲۵
اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہونا ۲۲۶
صحیح ترتیب ۲۲۷
انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اصحاب استدلال ہی سے ہیں ۲۲۷
انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے ۲۲۸
مخالفت عقل اور ماوراء عقل میں بڑا فرق ہے ۲۲۹
خدا کی تعلیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے ۲۲۹
جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے ۲۳۰
مقام نبوت ۲۳۰
انبیاء معجزے لے کر بھی آتے ہیں لیکن معجزہ [illegible] ۲۳۲
انشراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی۔ ۲۳۳
نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ ۲۳۴
اولیاء کی اتباع انبیاء کی اتباع سے بے نیاز کرنے کے تصور کی تردید ۲۳۴
انبیاء نے دعوت کو عام خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے ۲۳۵
نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے ۲۳۵
کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۲۳۶
علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ ۲۳۶
انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے ۲۳۷
ایمان بالغیب انبیاء اور ان کے اصحاب اور علماء و حکماء مومنین کا حصہ ہے ۲۳۸
انبیاء کی بازگشت کمال نہایت انتہا تک پہنچ جانے کی علامت ہے ۲۳۹
شریعت کی حمایت و نصرت اصلاح عقائد اور ردّ شرک و رسوم جاہلیت ۲۳۹
سنت کی ترویج اور بدعت حسنہ کی تردید ۲۵۲

باب ہشتم

وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود؟ ۲۶۱—۲۹۰

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تفصیل وتدوین ۲۶۱
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کی مخالفت وتنقید ۲۶۵
عقیدۂ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ وداعی اور ان کے اثرات ونتائج ۲۶۷
عقیدۂ وحدۃ الوجود ہندوستان میں ۲۷۰
شیخ علاء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت ۲۷۱
وحدۃ الشہود ۲۷۲
ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت ۲۷۴
مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ ۲۷۵
ذاتی تجربہ ومشاہدہ ۲۷۶
توحید شہودی ۲۸۰
شیخ اکبر کے بارے میں منصفانہ ومعتدل مسلک ۲۸۲
توحید وجودی کی مخالفت کی ضرورت ۲۸۳
مجدد صاحب کی انفرادیت وامتیاز ۲۸۷
مجدد صاحبؒ کے بعد توحید وجودی کے بارے میں
مشائخ وعلماء کا "مصالحانہ" رویہ ۲۸۸
حضرت سید احمد شہید مجدد صاحبؒ کے نقش قدم پر ۲۸۹

باب ہفتم

اکبر سے جہانگیر تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جدوجہد ۲۹۱/۳۵۴
عہد اکبری وجہانگیری کے جرأت مند اور حق گو علماء ومشائخ ۲۹۱
جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحبؒ کے اصلاح سلطنت کے کام کا آغاز ۲۹۵
صحیح طریقۂ کار ۲۹۷
ہر چہ از دل برخیزد بر دل ریزد ۳۰۲
امرائے سلطنت کے نام تحریضی ودعوتی خطوط ۳۰۳
گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے ۳۱۳
عقیدت مند ارکان سلطنت اور ان سے خط وکتابت ۳۱۵
اصلاح حال میں حضرت مجددؒ کا ذاتی اثر اور فیض ۳۱۶
جہانگیر کا تأثر ۳۱۷
شاہجہاں کا دور ۳۱۹
شاہزادہ دارا شکوہ ۳۲۲
محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حمیت وحمایت ۳۲۳
حضرت مجددؒ کی مخالفت وتضلیل کی تحریک اور اس کے نمایاں افراد ۳۳۵

باب ہشتم

حضرت مجدد کے دو خلفائے کبار اور ان کے منتسبین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی توسیع و تکمیل ۳۵۵–۳۸۸

مشاہیر خلفاء ۳۵۵
حضرت خواجہ محمد معصوم ۳۵۷
حضرت سید آدم بنوری ۳۵۸
سلسلۂ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار ۳۶۰
حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی ۳۶۰
خواجہ محمد زبیر سے مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی تک ۳۶۳
مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی ۳۶۶
مولانا خالد رومی ۳۶۸
حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء ۳۷۲
حضرت شاہ عبد الغنی ۳۷۳
سلسلۂ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار ۳۷۷
حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان ۳۷۸
شیخ سلطان بلیاوی ۳۸۰
حافظ سید عبد اللہ اکبر آبادی اور سلسلۂ ولی اللّٰہیہ ۳۸۰
حضرت سید احمد شہید اور ان کی جماعت ۳۸۲
حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل ۳۸۵
اشاریہ (انڈکس) ترتیب از محمد غیاث الدین ندوی ۳۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مدّعا

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان ودعا بدعوتہم إلی یوم الدین

غالباً ۱۹۳۵-۳۶ء کی بات ہے، میرے مربّی و ولی نعمت برادر معظم مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے مجھے ہدایت کی کہ میں مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا مطالعہ کروں، میری عمر اس وقت ۲۲، ۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی، اور تازہ تازہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات پر مامور ہوا تھا، معرفت و حقیقت کے گہرے مضامین کے مطالعہ سے ناآشنا اور تصوف و سلوک کی اصطلاحات سے یکسر نابلد تھا، ذہن و مذاق پر ادب (بالخصوص ادب عربی) اور تاریخ کی حکمرانی تھی، مصر و بیروت کے اعلیٰ مطابع کی خوبصورت چھپی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی عادت تھی، بھائی صاحب جن کے دامن عاطفت اور آغوش تربیت میں ذہنی و علمی نشو و نما ہوا تھا، اس حقیقت سے خوب واقف تھے لیکن شاید وہ اقبال کے الفاظ میں کہنا چاہتے تھے کہ ؎

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو　　ہے اس کا مذاق عارفانہ

کم سے کم تین سو برس سے ہمارے خاندان کو روحانی و فکری طور پر حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خانوادۂ عالی سے نسبت رہی ہے، والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ کتب میں جو گھر میں محفوظ تھا مطبع احمدی دہلی کا چھپا ہوا مکتوبات کا نسخہ تھا، جو تین دفتروں پر مشتمل تھا، بھائی صاحب کے احترام اور تعمیل ارشاد میں اس کا مطالعہ شروع کیا لیکن کئی بار ہمت نے جواب دے دیا، اور کتاب رکھ دی، خاص طور پر وہ مکاتیب جو اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں، اور جن میں اپنے روحانی تجربات اور واردات بیان کئے گئے ہیں سب سے زیادہ ہمت شکن ثابت ہوئے لیکن بھائی صاحب کی طرف سے برابر ہدایت رہی کہ میں کسی طرح مکتوبات، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفاء، حضرت سید احمد شہیدؒ کی صراط مستقیم اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی منصب امامت پڑھ لوں، آخر کمر ہمت باندھ کر اس ہفت خواں کو سر کرنے کے لئے تیار ہو گیا، غیرت بھی آئی اور جوش بھی آیا کہ ایک شفیق بھائی کی ہدایت پر عمل نہیں کرتا، اور ایک ایسی متبرک کتاب کے مطالعہ سے محروم ہوں جس کو بڑے بڑے علماء و مشائخ نے حرز جاں بنایا ہے توفیق الٰہی نے بھی یاوری کی جس قدر آگے بڑھتا گیا دل لگتا گیا، اور بقدر استعداد و توفیق کتاب بھی سمجھ میں آتی گئی، پھر تو کتاب خود دامن گیر ہو گئی اور اس کے پڑھنے میں ایسی حلاوت و لذت محسوس ہونے لگی جو اچھی اچھی ادبی کتابوں میں محسوس نہیں ہوتی تھی، یہ دور بعض حیثیتوں سے میری زندگی کا نازک ترین دور تھا بعض شدید آزمائشیں اور شدید قسم کی ذہنی کشمکش درپیش تھی کتاب نے اس مرحلہ پر ایک کامل مرشد کا کام دیا، صاف محسوس ہوتا تھا کہ قلب سکینت سے معمور بلکہ مخمور ہے، غالباً ایسی سکینت کا احساس اس سے پہلے نہیں ہوا تھا، یہ سفر جو محض سعادت و اطاعت میں شروع کیا گیا تھا، اور جس میں تعمیل ارشاد اور غیرت کا جذبہ کام کر رہا تھا، بڑی فرحت و بشاشت پر ختم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مکتوبات کو دوبارہ اس ارادہ سے پڑھنا شروع کیا کہ اس کے منتشر و مکرر مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کیا جائے اس کے لئے کتاب کے مضامین کا ایک انڈکس بنانے کے کام کی ابتدا کی، مثلاً توحید خالص اور رد شرک کا مضمون کہاں کہاں آیا ہے، مکتوبات کے نمبروں کے حوالے سے ان کے صفحات ایک جگہ نوٹ کر لئے، رسالت و نبوت پر کس کس جگہ کلام کیا گیا ہے، سنت و بدعت پر کن مکاتیب میں گفتگو ہے، یہ مضمون کتنے مقامات پر ہے کہ بدعت حسنہ کا وجود نہیں، وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود پر کن مکاتیب میں بحث کی گئی ہے، عقل خالص اور کشف خالص پر تحقیقی بحثیں کہاں کہاں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، ہفتوں کی محنت سے یہ پورا انڈکس تیار ہو گیا، اور وہ مکتوبات کے اسی نسخہ میں رکھ دیا گیا کہ پھر اس کی مدد سے مضامین کو علیحدہ علیحدہ عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے گا لیکن شاید وہ نسخہ کسی نے پڑھنے کے لئے لیا اور وہ واپس نہیں آیا، نسخہ کے ضائع ہونے سے (جس کا بدل مل سکتا تھا) زیادہ افسوس اس محنت و عرق ریزی کے ضائع ہونے کا تھا، جو اس انڈکس کی تیاری میں کی گئی تھی "وکان امر اللہ قدراً مقدوراً"۔

اس کے کئی سال کے بعد غالباً ۱۹۶۵ء میں یہ خیال آیا کہ مکتوبات کو مضامین و مطالب کے لحاظ سے مرتب کیا جائے اور اس کو اس نئی ترتیب، تعارف و تشریح کے ساتھ پیش کیا جائے کہ وہ نئی نسل کے جدید ذہن رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے قابل استفادہ اور شوق انگیز ہو، اور اس سے حضرت مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامے اور مجتہدانہ مقام پر بھی روشنی پڑے، چنانچہ اس التزام کے ساتھ یہ کام شروع کیا کہ پہلے ایک تمہیدی مضمون ہو جس میں آنے والے اقتباسات کا مرکزی فکر ان علوم و تحقیقات کا جوہر و لب لباب آجائے جو ایک ہی عنوان کے تحت ہیں، لیکن سارے مکتوبات میں پھیلے ہوئے ہیں، پھر ایک معنوی ترتیب کے ساتھ مکتوبات کے اقتباسات پیش کئے جائیں

ایک طرف فارسی متن ہو اور دوسری طرف اس کا اردو ترجمہ پھر حاشیہ پر حل طلب الفاظ و اصطلاحات کی تشریح اور احادیث کی تخریج ہو پھر مستند علمائے امت و محققین اسلام کے تائیدی مضامین اور عبارتیں، اس کام کا پیمانہ اتنا وسیع تھا، اور اس میں اتنے پہلوؤں کی رعایت تھی کہ اس کام کا مجھ جیسے کم عمر و نوخیز اور مصروف انسان سے جو تدریس، تصنیف، تبلیغ تینوں کوچوں میں قدم رکھتا تھا، سرانجام پانا بہت مشکل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ توحید، رسالت و نبوت کی منزل تک یہ کام پہنچا تھا کہ دوسرے مشاغل نے اس کی مہلت نہ دی، لیکن جتنا کام ہو گیا تھا، وہ بھی بہت بیش قیمت اور مفید تھا، اس مضمون کی چار قسطیں رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے اپنے رسالہ "الفرقان" میں ۱۳۶۵-۶۷ھ (۱۹۴۶-۴۸ء) میں شائع کیں۔

اس سلسلہ کے منقطع ہو جانے کے کئی سال کے بعد جب "تاریخ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ شروع ہوا تو بجائے مکتوبات کی نئی ترتیب اور نئی خدمت کے حضرت مجددؒ کی مستقل سیرت لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، اور اس کی تیسری جلد جو آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستان کے دو جلیل القدر روحانی پیشوا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے تعارف و تذکرہ پر مشتمل تھی، مرتب و شائع ہو گئی تو ضروری ہو گیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے کتاب کی چوتھی جلد کو زینت بخشی جائے کہ اس عہد انقلاب اور اس پرفتن دور میں بعض حیثیتوں سے اس کے سامنے آنے کی زیادہ ضرورت ہے، حضرت مجددؒ کے اس اس طریقۂ کار و حکمت عملی کو واضح و روشن کرنے کی اس زمانہ میں (جس میں آسانی کے ساتھ اور پہلے ہی مرحلہ پر حکومتوں اور طاقتوں کو اپنا مدمقابل اور حریف بنا لیا جاتا ہے اور کام کے راستہ میں بے ضرورت مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر لیا جاتا ہے) جتنی ضرورت

ہے، شاید کسی زمانہ میں نہ تھی، آخر وہ کیا طریقہ تھا کہ ایک فقیر بے نوا نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر سلطنت و ملک کا رخ بدل دیا؟ اس حقیقت کی طرف توجہ سب سے پہلے اپنے برادر معظم کی گفتگو اور مجلسوں سے ہوئی پھر مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کا وہ فاضلانہ و ولولہ انگیز مضمون پڑھ کر جو انھوں نے "الفرقان" کے مجدد نمبر کے لئے سپرد قلم کیا تھا، اس کا یقین و اذعان پیدا ہوا، خود میں نے اپنے متعدد عربی مضامین اور خطبات[1] میں اس حقیقت کو متعدد بار واضح کیا اور اس حقیقت پر اطمینان و انشراح قلبی برابر بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

لیکن جب مکمل و مستقل سیرت کا خیال آتا تو دو باتیں اس راہ میں حائل ہو جاتیں، پہلی یہ کہ مجدد صاحب کی کوئی سیرت فلسفۂ وحدۃ الوجود اور نظریۂ وحدۃ الشہود کی تفہیم و تشریح اور ان کے محاکمہ، علمی دلائل اور ناقدانہ بحث و نظر کے ساتھ آخر الذکر کی ترجیح اور اس کے اثبات کے بغیر ممکن نہیں، لیکن جب اس کا خیال آتا تو ہمت ٹوٹ جاتی، اولاً اس لئے کہ اس پر اتنا عظیم کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، جس کی تلخیص و انتخاب بھی مشکل ہے، دوسرے ان دقیق فلسفیانہ مباحث، مقدمات اور ان نازک اصطلاحات کے سمجھے اور سمجھائے بغیر اس پر قلم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا، پھر آخر میں یہ مسئلہ علمی اور ذوقی ہے اور ذاتی تجربات و احساسات پر مبنی ہے اور مصنف اس کوچہ سے یکسر نابلد، کتاب کے پڑھنے والوں کی بڑی تعداد بھی نہ صرف اس سے ناآشنا بلکہ متوحش ہے اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس "ہفت خواں" کو کس طرح سر کیا جائے اور اگر کتاب اس بحث سے (جو بعض حضرات کے نزدیک مجدد صاحب

---

[1] مثلاً راقم سطور کا وہ مضمون جو اس نے جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ کے ایک استقبالیہ جلسہ میں علمائے مصر اور اساتذۂ جامع ازہر کے سامنے پڑھا تھا اور "الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند وتطوراتہا" کے عنوان سے علیحدہ شائع ہو گیا ہے یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی وہ تقریر جو "منہج افضل فی الاصلاح للدعاۃ والعلماء" کے نام سے شائع ہوئی

کی تجدید کا اصل میدان اور ان کی تجدیدی عظمت کا راز ہے) خالی ہو تو وہ کس طرح ان کی مکمل سوانح اور تذکرہ کہی جا سکتی ہے؟ دوسرا خیال جو قلم کا عناں گیر اور مصنف کا دامن کش ہوتا تھا، وہ یہ کہ اس موضوع پر اتنا کام ہو چکا ہے اور اتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں کہ مصنف کے لئے ان میں اضافہ کرنا اور نئی تصنیف کا جواز پیدا کرنا مشکل ہے۔

جہاں تک پہلے خیال کا تعلق ہے بڑے غور و فکر کے بعد ذہن نے اس کا حل سوچ لیا، وہ یہ کہ "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے اصول پر اس مسئلہ کو قارئین کے سامنے شیخ اکبر کے دبستان فکر کے بعض مستند فضلا اور معتبر شارح و ترجمان حضرات کی تشریحات اور خود مکتوبات کی مدد سے اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے کہ ان کو اس نظریہ کا اجمالی طور پر علم و تصور ہو جائے، پھر جن کو شوق و ہمت ہو وہ اصل مآخذ کی طرف رجوع کریں یا اس موضوع کے اختصاصی عالموں اور اس دریا کے شناوروں سے مدد لیں، جو اس مسئلہ پر علمی طور پر حاوی اور عملی طور پر ذوق آشنا ہیں "وقلیل ما ھم"۔

جہاں تک دوسری رکاوٹ کا تعلق ہے، اس کے سلسلہ میں علامہ اقبال کے ایک شعر نے رہبری کی اور مصنف کے محدود تصنیفی تجربہ نے بھی اس کی تائید کی اور اس کے لئے شہادتیں مہیا کیں، ترجمان حقیقت نے فرمایا ہے ؎

گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

حضرت مجدد اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اب بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اور بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔

پھر زبان و اسلوب، سوالات و حالات، معیار و اقدار، اور طریقۂ تفہیم و تعبیر کی تبدیلی

سے بعض مرتبہ کچھ عرصہ پہلے لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہو جاتی ہیں کہ وہ گویا دوسری زبان میں تھیں، اب ان کے ترجمہ کی ضرورت ہے، پھر مقدمات وواقعات سے نتائج نکالنے اور اسباب و نتائج کے درمیان ربط پیدا کرنے اور اپنے زمانہ کے حالات پر منطبق کرنے کا طریقہ بھی ہر مصنف کا جدا ہوتا ہے، مصنف کے دل نے گواہی دی کہ اگر یہ کام خلوص ومحنت سے انجام دیا گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا، بلکہ کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر پندرھویں صدی کے لئے (جو اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد شروع ہونے والی ہے) وہ ایک قابل قدر تحفہ، ایک حیات آفریں پیغام، اور اللہ کے ایک مخلص ومقبول بندے کے ایک ایسے کام کی روداد بن جائے جو نہایت خاموشی تواضع اور عجز ومسکنت کے ساتھ انجام دیا گیا، لیکن اس کے اثرات ایک صدی سے متجاوز ہو کر ہزارۂ دوم (الف ثانی) پر محیط ہوئے ہیں، اور ہماری اس صدی کے لئے بھی جس کے زمین وآسمان بظاہر بدل گئے ہیں، اپنے اندر عبرت وموعظت کا وافر سامان رکھتا ہے۔

”ناچیز راقم سطور کا قلم اور قلب دونوں آستان خداوندی پر سر بسجود اور ترانۂ حمد وشکر سے رطب اللسان ہیں کہ ۱۰ سال کے طویل وقفہ کے بعد[1] مصنف کو ”تاریخ دعوت وعزیمت“ کا سلسلہ پھر شروع کرنے اور اس کا چوتھا حصہ لکھنے کی سعادت وتوفیق حاصل ہو رہی ہے، یہ وقفہ اتنا طویل ہوا کہ خود مصنف کو اس کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں موت کا پیام آجائے، اور یہ اہم سلسلہ جس کو مصنف کی تصنیفات میں اللہ تعالیٰ نے خاص قبولیت سے نوازا ناتمام نہ رہ جائے، اس چوتھے حصہ کا تعلق چونکہ اس ذات گرامی سے ہے جس کی تجدید نے ایک طرف وہ شہرت وقبولیت حاصل کی جو تاریخ دعوت واصلاح میں کسی داعی ومصلح

---

[1] ”تاریخ دعوت وعزیمت“ کی تیسری جلد ۱۳۸۳ھ کے اوائل ۱۹۶۳ء کے وسط میں شائع ہوئی۔

کے حصہ میں نہیں آئی، یہاں تک کہ یہ لقب اس کے نام کا قائم مقام ہو گیا، اور بہت سے تعلیم یافتہ اصحاب بھی نام سے زیادہ اس لقب سے واقف ہیں، دوسری طرف اس کی تجدیدی مساعی نے وہ کامیابی حاصل کی اور اس کے ایسے ظاہر و باہر نتائج نکلے جن کی مثال اسلام کی تاریخِ دعوت و عزیمت اور تجدید و احیاءِ دین میں ملنی مشکل ہے، اس لئے خود طبیعت پر بھی تقاضا تھا، اور تاریخ دعوت و عزیمت کا مطالعہ کرنے والوں اور قدر دانوں کا سالہا سال سے اصرار تھا کہ اس حصہ کو جلد سے جلد مرتب ہو جانا چاہئے، بلکہ بہت سے مخلص صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق احباب اور بزرگوں کا مطالبہ اور حکم تھا کہ میں تمام تصنیفی مشاغل اور دوسرے موضوعات پر اس کام کو ترجیح دوں، اور کچھ دنوں کے لئے اپنے کو اس کے لئے فارغ کروں، لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا سمجھا جا رہا تھا، عصر حاضر کے تقاضوں، جدید ذہنوں، اور بحث و تحقیق کے جدید معیاروں اور پیمانوں کے مطابق اتنا کافی نہ تھا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے، اور قدیم تاریخوں اور تذکروں میں جو مواد موجود ہے، اس کو معمولی انتخاب اور تلخیص کے ساتھ پیش کر دیا جائے، مجدد صاحب نے جس عہد اور ماحول میں یہ تجدیدی کام انجام دیا، اس کا علمی اور تاریخی، فکری و سیاسی، اخلاقی و اجتماعی اور اعتقادی و کلامی طریقہ پر مؤرخانہ و ناقدانہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اس وقت کیا تحریکیں کام کر رہی تھیں، ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ملکوں میں کیا ذہنی و دینی بے چینی پائی جاتی تھی، اسلام اور شریعت اسلامی کے خلاف علمی اور عقلی حلقوں میں کس بغاوت کے آثار تھے اور کن سازشوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اسلام کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار سال کی تکمیل کے قرب نے حوصلہ مندوں اور طالع آزماؤں کے دلوں میں کیسی کیسی امیدوں اور امنگوں کے چراغ روشن کر دیئے تھے، اور متشکک اور متردد طبیعتوں میں کیسے کیسے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے،

ایک طرف فلسفہ اور علوم عقلیہ، دوسری طرف اشراق و باطنیت نے نبوت و رسالت کی عظمت و مقام کے گھٹانے اور عقل و تفلسف یا ریاضت و مجاہدہ اور نفس کشی کو معرفت الٰہی، اور وصول الی اللہ اور نجات و ترقی درجات کے لئے کافی سمجھنے کا کیسا فتنہ برپا کر دیا تھا، وحدۃ الوجود کے غالی عقیدہ نے کیسی آزادی اور بے قیدی بلکہ الحاد و زندقہ کا دروازہ کھول دیا تھا؛[1]

سنت و شریعت کی اہمیت علماء راسخین کی ایک قلیل تعداد اور شروح حدیث تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور بدعات نے اکثر کھلے طریقہ پر اور بعض مرتبہ "بدعت حسنہ" کے نام اور نقاب سے پورے معاشرہ اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر پورا تسلط حاصل کر لیا تھا اور کوئی اس "بدعت حسنہ" کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عالم اسلام کی دوسری سب سے عظیم سلطنت[2] اور اس میں بسنے والے وسیع مسلم معاشرہ کا رخ چند ذاتی رجحانات، شخصی اغراض، خارجی اثرات اور موہوم سیاسی مصالح کی بنا پر دین حجازی سے وابستگی، نبوت محمدی کی پیروی اور اسلامی تہذیب کی نمائندگی سے بدل کر ہندی فلسفہ،

---

[1] واوین کے درمیان کی عبارت سے مصنف نے ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء کو عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی تحریک و تحریض سے (جو پیام انسانیت کے اس دورۂ مشرقی پنجاب میں شریک تھے) حضرت مجدد الف ثانی کے مزار سے متصل خانقاہ کی مسجد میں بیٹھ کر اس تصنیف کا آغاز کیا، مصنف بول رہا تھا، اور اس کے رفیق سفر و معاون عزیزی مولوی اسحاق جلیس ندوی مرحوم مدیر "تعمیر حیات" لکھ رہے تھے، تبرکاً اس عبارت کو اس مقدمہ میں شامل و تکمیل کر دیا گیا ہے، اصل کتاب کے شروع کرنے میں پھر بھی تقریباً ڈیڑھ سال کا وقفہ ہوا، کتاب ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ (۲۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء) کو عملاً شروع ہوئی، دو ایک بیرونی سفروں کی وجہ سے اس میں طویل طویل وقفے آئے، کل مدت تصنیف ۸-۹ مہینے سے زیادہ نہیں ہوگی۔

[2] سلطنت عثمانیہ کے بعد اپنے رقبہ، فوجی طاقت و وسائل و ذخائر کے لحاظ سے ہندوستان عالم اسلام کے نقشہ پر سب سے بڑی مسلم سلطنت تھی جس کے حدود مشرقی بنگال سے افغانستان کے مغربی حدود تک وسیع تھے۔

ہندی تہذیب اور وحدتِ ادیان کی طرف موڑا جا رہا تھا، اور اس کوشش و سازش میں اس عہد کے بعض ذہین ترین اور لائق ترین افراد شامل تھے، اور ببانگ دہل نیا دور نیا آئین نیا ہزارہ نئی امامت کا نعرہ بلند کیا جا رہا تھا۔

اس صورت حال کو کس طرح بدلنے کی کوشش کی گئی، اس کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا گیا، اور اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، پھر ایک گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر کس طرح "آدم گری" و "مردم سازی" روحانی تزکیہ و تربیت کا وہ کام انجام دیا گیا جس کے نتیجہ میں وہ مردانِ کار تیار ہوئے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف مرکزی مقامات میں بیٹھ کر اور پھر افغانستان و ترکستان اور پھر عراق و شام و ترکی و حجاز میں پھیل کر یادِ خدا کی سرگرمی، اعلاء کلمۃ الحق کی کوشش، مردہ سنتوں کے احیاء، حمایتِ شریعت و اماتتِ بدعت کا عظیم الشان کام انجام دیا، وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور آزاد مشرب صوفیوں کے اثرات کا ازالہ کیا، اور مختصراً خدا طلبی اور احترامِ شریعت کا صور پھونک دیا، اور کم سے کم تین صدیوں تک اس کام کو اس قوت و تربیت اور اس انہماک و مصروفیت کے ساتھ جاری رکھا کہ پورے عالمِ اسلام میں ہر جگہ وہی نظر آتے ہیں، اور یہ تین صدیاں انھیں کی روحانی و علمی قیادت کی صدیاں کہلانے کی مستحق ہیں، اور اس عالمگیر اثر کو دیکھ کر ایک حقیقت پسند انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اس سلسلہ میں دو اور پہلو بھی قابلِ لحاظ تھے، ایک تو یہ کہ حضرت مجدد صاحب کے عہد کی تصویر کشی اور دورِ اکبری کا نقشہ پیش کرنے کے سلسلہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی منتخب التواریخ اور ان تاریخی ماخذ پر انحصار نہ کیا جائے جو خاص دینی جذبات یا ایک خاص نقطۂ نظر کے حامل اور عہدِ اکبری کی تاریک سے تاریک تر تصویر پیش کرنے کے عادی ہیں، اس سلسلہ میں

ان غیر جانبدار مصنفین یا دربار اکبری کے ان اہلِ قلم کی تحریر و بیانات سے مواد حاصل کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ اکبر کے مخالف نہ تھے، بلکہ اس کے وکیل و نقیب اور اس کے خیالات و مقاصد کے ترجمان اور اس کے آئین سلطنت اور اس کے خداداد کمالات کے معترف و معرف تھے، اسی طرح ان تبدیلیوں کا بھی مؤرخانہ و مبصرانہ جائزہ لیا جائے جو جہانگیر کے دور سے شروع ہو کر عالمگیر کے عہدِ سلطنت پر جا کر مکمل ہوئیں، اور اس سلسلہ میں بھی خاندان مجددیہ کے مصنفین کے بیانات اور خوش اعتقاد مؤرخوں کی شہادتوں کے بجائے غیر جانبدار مؤرخین ہندوستان کی کتابوں سے مواد اخذ کیا جائے اور ان کی روشنی میں اس دعوے کا ثبوت مہیا کیا جائے۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس ربع صدی میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اردو اور انگریزی میں مجدد صاحب اور ان کے دور پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، جن میں بہت سے مشہورات و مسلّمات کو چیلنج کیا گیا ہے، نئے سوالات اٹھائے گئے ہیں، اور واقعات و معلومات یا اپنے اخذ کردہ نتائج کی مدد سے بالکل ایک نئی تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے (جو اس تابناک اور درخشاں تصویر سے بہت مختلف ہے، جو ابھی تک پیش کی جاتی رہی ہے) ان کو بھی سامنے رکھا جائے، اور خواہ ان کے ایک ایک دعویٰ کا نام لے کر تردید نہ کی جائے لیکن مجدد صاحب کی یہ نئی سیرت اور ان کے کارناموں اور ان کے دور کا یہ جائزہ خود بخود ان کتابوں کا جواب اور ان دعوؤں اور اعتراضات کی تردید ہو جائے۔

اپنی شدید مصروفیت، کثیر ملکی و بیرونی اسفار، صحت کی کمزوری اور معاونوں کی کمی[1] کے ساتھ

---

[1] اس موقع پر ناسپاسی ہوگی اگر رفیق عزیز مولوی شمس تبریز خاں (رفیق "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام") کا شکریہ نہ ادا کیا جائے جنھوں نے فارسی کی بعض قدیم کتابوں سے مواد مہیا کرنے اور بعض فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنے میں مصنف کی بیش قیمت مدد کی، نیز عزیزی ناصر الاسلام ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ کتاب کی تسوید اور مآخذ سے استفادہ میں ان سے عملی مدد ملی۔

کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا یہ حصہ جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت اور ان کی خدمات و کارناموں پر مشتمل ہے بعض نئے معلومات اور ایسے مواد کے ساتھ جن سے ابھی تک کام نہیں لیا گیا تھا اور بعض اہم اور غور طلب نتائج اور دعوت فکر و عمل کے ساتھ جلد منظر عام پر آجائے شاید ہم اس سے اس زمانہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے اور آنے والی پندرہویں صدی کا استقبال کرنے میں (جس کا عالم اسلام کے مختلف حصوں میں استقبال کیا بھی جا چکا ہے) کچھ مدد حاصل کرسکیں۔ وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

آخر میں اس کا اعتراف و شکریہ بھی ضروری ہے کہ مجددی خاندان کی شاخوں اور مجددی سلسلہ کے مشائخ کبار کے سلسلہ میں مخدوم محترم مولانا ابو الحسن زید فاروقی مجددی (فرزند گرامی حضرت شاہ ابو الخیر مجددیؒ) سے وہ بیش قیمت معلومات حاصل ہوئیں جن کا حصول کسی اور ذریعہ سے بظاہر نہایت دشوار تھا، فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد نظامی بھی مصنف کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے ذاتی کتابی ذخیرہ میں بعض ضروری قلمی کتابیں اور مفید مواد حاصل ہوا، اور انھوں نے بڑی فراخدلی سے ان سے استفادہ کی اجازت دی۔ مصنف ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کی علمی اعانت کا بھی شکر گزار ہے۔

ابو الحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

۲۶ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۰ھ
۱۳ اپریل ۱۹۸۰ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

باب اوّل

عالم اسلام دسویں صدی میں

دسویں صدی (ہجری) کے تاریخی مطالعہ کی اہمیت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ولادت شوال ۹۷۱ھ اور وفات صفر ۱۰۳۴ھ میں ہوئی اس طرح ان کا عہد دسویں صدی کے آخری انتیس ۲۹ سال، اور گیارہویں صدی کے تقریباً تینتیس ۳۳ سال ہیں، ان کے عہد کے مؤرخ اور ان کی شخصیت کے سوانح نگار کو اصلاً اسی تریسٹھ ۶۳ سال کی مدت سے سروکار ہونا چاہئے جو ہجری تقویم کی ان دو صدیوں کے آخری اور ابتدائی ثلث سے تعلق رکھتی ہے۔

لیکن حقیقتاً کسی کی ولادت سے خواہ وہ کتنی عظیم شخصیت ہو یکایک کسی ایسے نئے عہد کا آغاز نہیں ہو جاتا جو اچانک کتم عدم سے عالم وجود میں آئے اور اس پر ان واقعات و حوادث ان تاریخی عوامل اس سیاسی، اخلاقی، علمی پس منظر، اور ان سلطنتوں اور طاقتوں کا اثر نہ ہو جو اس کی پیدائش سے پہلے سے کارفرما اور ماحول و معاشرہ پر اثر انداز ہو رہی تھیں اس لئے ہم کو حضرت مجدد کی سیرت و سوانح کی ترتیب اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کے تذکرہ، ان کے عہد کا مزاج سمجھنے اور ان کے کام کی دشواریوں اور

آسانیوں کا صحیح اندازہ اور تقابل کرنے کے لئے اس عہد کے عالم اسلام کا سیاسی، دینی، علمی اور اخلاقی حیثیت سے تاریخی جائزہ لینے کی ضرورت ہوگی جس سے ان کو بدو شعور سے واسطہ پڑا، اور جس میں ان کو اپنا وہ انقلاب انگیز اور عہد آفریں تجدیدی و اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، جس کی بنا پر وہ بجا طور پر مجدد الف ثانی کہلائے۔

اس جائزہ میں ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے، جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو، گرد وپیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں، اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات و انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیائے اسلام اور خاص طور پر گرد وپیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوائیں چلتی تھیں ان کے جھونکے بُعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہونچ جاتے تھے۔

سیاسی حالت

دسویں صدی کے اوائل میں عرصہ کے بعد (غالباً سلطان صلاح الدین ایوبی

متوفی ۵۸۹ھ کے بعد) عالم اسلام کے مرکزی حصہ (مشرق وسطی) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا تھا، اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک ایسے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے تھے جس کے بلند کرنے والے اپنے کو حامی اسلام، خادم الحرمین الشریفین اور مسلمانوں کا پاسبان کہتے تھے، اور جنھوں نے (خواہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر) خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا، جو آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سے مصر میں "عیسوی پاپائیت" کی طرح رہ گئی تھی، یا وہ سلطان سلیم اول بانی خلافت عثمانیہ (۹۱۸ھ تا ۹۲۶ھ) نے ۹۲۲ھ میں شام اور ۹۲۳ھ میں مصر فتح کیا، جو ڈھائی سو ۲۵۰ برس سے سلاطین مملوک کے زیر حکومت چلا آرہا تھا، سلیم کے حملہ کے وقت اس کا حکمراں قانصوہ غوری تھا، اسی ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم نے خلافت، اور اس کے بعد حرمین شریفین کی تولیت و خدمت کا اعلان کیا، جزیرۃ العرب پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ کے مسلم و عرب ممالک (باستثناء مراکش) سلطان سلیم پھر اس کے جانشین سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ) (جس کو مغربی مصنفین "سلیمان ذی شان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں) کے زیر حکومت آگئے، سلیمان اعظم کا عہد حکومت (جس کی وفات سے تین سال پہلے حضرت مجدد کی ولادت ہوئی) سلطنت عثمانیہ کے اوج اقبال کا زمانہ ہے، ایک طرف یورپ میں آسٹریا اور ہنگری میں اس کے فتح و اقبال کا جھنڈا نصب تھا، دوسری طرف ایران میں اس کی فوجیں فاتحانہ طریقہ پر یلغار کر رہی تھیں، مصر و شام کے ساتھ عراق (عرب) بھی اس کی وسیع مملکت میں شامل ہو گیا تھا، اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت (ایمپائر) کا فرمانروا تھا، مراد ثالث (۹۸۲ھ - ۱۰۰۳ھ) کے زمانہ میں جزیرۂ قبرص، صوبۂ تونس سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور یمن دولت عثمانیہ میں شامل تھے، اسی کے زمانہ میں ۹۸۴ھ میں حرم مکی کی تعمیر کی تکمیل ہوئی، یہ مجدد صاحب کے شعور کا

زمانہ تھا، ان کو ضرور ان اہم واقعات کا علم ہوگا، اس عہد کے مسلمان (خواہ وہ ہندوستان کے باشندے ہوں) عثمانی ترکوں کی (جو متصلب قسم کے سنی حنفی تھے) ان فتوحات و وسعت سلطنت سے مغرور و مسرور ہوتے ہوں گے۔

اسی صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا اس سلطنت کا بانی شاہ اسماعیل صفوی تھا (۹۰۵ھ۔ ۹۳۰ھ) اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقہ پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کرلیا، یہ سلطنت عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی جس نے سلطنت عثمانیہ کے بالمقابل مذہب اثنا عشری جعفری کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا، حکومت کے اقتدار اور وسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت و ترویج کا بیڑہ اٹھایا، اور اس میں اس نے حیرت انگیز کامیابی حاصل کی، اس طرح یہ حکومت اپنے حدود پر مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک انسانی دیوار کھڑی کر کے عثمانیوں (جن کے ہم مذہب (سنی حنفی) قسطنطنیہ سے لے کر لاہور و دہلی تک پھیلے ہوئے تھے) کی وسیع مملکت (ایمپائر) میں تحلیل ہونے سے محفوظ ہوگئی، اس خاندان کی حکومت بغداد سے ہرات تک تھی۔

اس خاندان کا سب سے باعظمت حکمراں شاہ عباس (۹۹۵ھ۔ ۱۰۳۷ھ۔ جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے ملقب ہے، اور جس کو اپنے تعمیری کارناموں کی بنا پر اس خاندان کا شاہجہاں کہا جاسکتا ہے) حضرت مجدد صاحب کا معاصر ہے، صفوی حکومت شاہ عباس اول کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہونچی، اس نے ترکوں سے لڑکر نجف اور کربلا کو حاصل کرلیا، وہ اکبر اور جہانگیر کا معاصر تھا، شاہ عباس کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہوگیا۔

دنیائے اسلام کا دوسرا اہم مشرقی خطہ ترکستان تھا، جو صدیوں تک اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا، اور جس کو قدیم ادبیات میں ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جس نے فقہ حنفی کی تدوین میں (عراق کے بعد) سب سے بڑا حصہ لیا اور اس کی متعدد زندہ جاوید کتابیں جو ہندوستان کے نصاب میں ابھی تک داخل ہیں، وہیں تصنیف ہوئیں[1]، نیز سلسلۂ نقشبندیہ (جس سے حضرت مجدد اور ان کے مشائخ کا تعلق ہے) وہیں پیدا ہوا، پھلا پھولا، اور وہیں سے دنیا میں پھیلا، یہ زرخیز و مردم خیز ملک دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۶ھ) ہی سے ازبکوں کے شیبانی خاندان کے قبضہ و اقتدار میں آگیا، اور ۹۱۷ھ کے ایک مختصر وقفہ کے علاوہ (جس میں بابر نے صفویوں کی مدد سے ماوراء النہر پر حملہ کیا تھا، اور اس وقت کے دار السلطنت سمرقند پر قابض ہو گیا تھا) اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط (روس کے انقلاب تک) انھیں کے زیر نگیں رہا، دسویں صدی میں شیبانی خاندان کے دو حکمران عبید اللہ بن محمد (۹۱۸ھ - ۹۳۶ھ) اور عبید اللہ بن اسکندر (۹۶۴ھ - ۱۰۰۶ھ) کا دار السلطنت بخارا تھا، ان کی بدولت بخارا دوبارہ فکری و سیاسی زندگی کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان کا سب سے قریبی ہمسایہ ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہے، افغانستان ہے، یہ ملک دسویں صدی کی ابتدا میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں، اور درمیان درمیان میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا، کابل و قندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہو جاتے تھے، اور ہرات ایران کے حدود پہ ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیر اثر رہا، ۹۲۸ھ میں بابر نے قندھار کو فتح کیا، پھر جب اس نے

---

[1] مثلاً، شرح وقایہ، ہدایہ۔

ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا جہاں سے وہ کابل، بدخشاں و قندھار تک حکومت کرتا تھا، اس وقت افغانستان، ہندوستان و ایران کی دو بڑی سلطنتوں کے زیر اثر ایک نسبتاً منظم اور پر امن دور میں داخل ہوا، وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات و سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے (اگرچہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے تھے) کابل سلطنت مغلیہ کا جزء بنا رہا، اور قندھار پر کبھی مغل کبھی ایرانی قابض ہو جاتے، کوہستان کے شمال میں بابر کے چچا زاد بھائی سلیمان مرزا نے (جسے بابر نے بدخشاں کا والی بنایا تھا) ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد قائم کر لی، ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیر نگیں رہے، ۹۶۵ھ میں طہماسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کر لیا، اور ۱۰۰۳ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضہ میں رہا، ۱۰۰۳ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالہ کیا، اس وقت سے افغانستان کا ملک ہندوستان کی مغل سلطنت کا ایک صوبہ رہا، اور یہ سلسلہ بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا، یہاں تک کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے ہاتھوں آل بابر کی دو سو چالیس سال (۲۴۰) کی حکومت افغانستان سے اٹھ گئی۔

دسویں صدی شروع ہوئی تو ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری حکمراں ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ میں بانی سلطنت مغلیہ ظہیر الدین محمد بابر گورگانی (۸۸۸ھ-۹۳۹ھ) کے ہاتھ سے قتل ہوا، اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی، جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع مستحکم و منظم اور طویل العمر سلطنت تھی، لودھی خاندان اپنی افغانی نسل و روایات کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش، مذہب حنفی کا پابند تھا، جو تجدد پسندی اور لا مذہبی (سیکولر) سیاست سے نا آشنا تھا، اس خاندان کا سب سے دیندار،

معارف نواز اور علماء کا قدرداں و سرپرست بادشاہ سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) تھا۔ اسی صدی کے پانچ خوش نصیب سال (۹۴۷ھ سے ۹۵۲ھ) شیر شاہ سوری کے زیر حکومت گزرے، جس سے زیادہ تنظیم و دستور سازی کی صلاحیت، اور رفاہی کاموں کی توفیق رکھنے والا مسلمان بادشاہ اور صاحب علم اور دیندار حکمراں اس سے پہلے کی ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں نہیں گزرا۔ شیر شاہ کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام اور حکومت کو استقرار اور ملک کو فارغ البالی حاصل نہیں ہوئی۔ شیر شاہ سوری کا جانشین سلیم شاہ اپنے عبقری (GENIUS) باپ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ بابر کا جانشین نصیر الدین ہمایوں (۹۳۷ھ۔۹۶۳ھ) ہندوستان میں اطمینان کے ساتھ سلطنت نہ کر سکا، اور شیر شاہ کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی سے پریشان اور سرگرداں رہا، اور جب تک ایران کے بادشاہ طہماسپ صفوی سے مدد لے کر نہیں آیا، اس کو استقرار نصیب نہیں ہوا۔ ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا، اور پوری نصف صدی تک بڑے کروفر سے حکومت کی۔

مجدد صاحب کے زمانہ ہی میں جب ان کی عمر ۴۳ سال کی تھی، نور الدین جہانگیر تخت نشین ہوا، اور اسی کے عہد میں مجدد صاحبؒ نے وفات پائی۔ اس مرکزی سلطنت کے علاوہ جس کا پایۂ تخت دہلی تھا، گجرات، بیجاپور، گولکنڈہ، اور احمد نگر میں علاقائی حکومتیں قائم تھیں، جو خود مختار طریقہ پر سلطنت کر رہی تھیں، ان میں سے بعض آخر الذکر شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔

مذہبی وروحانی حالت

اس وقت پوری دنیائے اسلام کے ذہن پر مذہب کی گرفت مضبوط تھی، عوام عام طور پر (اپنی علمی واخلاقی کمزوریوں کے باوجود) راسخ الاعتقاد مسلمان، دین پسند اور اسلام دوست تھے، ان میں خاص دینی حمیت اور اسلامی جوش پایا جاتا تھا، اگرچہ بہت سی بدعات اور خلاف اسلام افعال کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، لیکن عام طور پر کفر والحاد سے بیزار و متنفر تھے۔

ان کے اس عمومی دینی ذوق اور مزاج کی وجہ سے سلاطین اسلام کو بھی (جو بڑی سے بڑی مخالف طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور جن کی فوجی طاقت نے یورپ کو بھی لرزہ براندام کر رکھا تھا) شعائر اسلام کا احترام، اور دین کی حمایت و نصرت کا اظہار و اعلان کرنا پڑتا تھا، اور عوام کے دلوں پر اس وقت تک ان کی عظمت ومحبت کا نقش قائم نہیں ہونے پاتا تھا جب تک کہ وہ اپنے اس دینی پہلو کو نمایاں نہ کریں، سلطان سلیم اول کی سلطنت میں اس وقت تک استحکام نہیں پیدا ہوا جب تک کہ اس نے خلیفۃ المسلمین اور خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار نہیں کیا، اس نے اپنے دمشق کے قیام کے دوران مقامات مقدسہ سے اپنی نیازمندی اور عقیدت کا برملا اظہار کیا، ذی الحجہ ۹۲۳ھ میں سلیم نے حاجیوں کا ایک قافلہ دمشق سے روانہ کیا جس کے ساتھ پہلی مرتبہ ترکی سلطان کی طرف سے بطور ہدیہ غلاف کعبہ بھیجا گیا، اس وقت سے ...... سلاطین ترکی خادم الحرمین الشریفین کا خطاب استعمال کرنے لگے جس کی وجہ سے انھیں اسلامی دنیا میں بڑا وقار حاصل ہوا، سلیمان اعظم کی زندگی میں تواضع اور خاکساری

اور گہرے دینی جذبات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، اس نے قرآن مجید کے آٹھ نسخے اپنے ہاتھ سے لکھے جو سلیمانیہ میں محفوظ ہیں، وہ اپنے دیوان کی غزلوں اور نظموں سے ایک راسخ الاعتقاد مسلمان ظاہر ہوتا ہے، اس نے مفتی ابوالسعود (م ۹۵۲ھ) (صاحب تفسیر ابوالسعود) کے فتوے کی سند پر کعبۃ اللہ کی ازسرِ نو تعمیر کی، اور مکہ مکرمہ کی پختہ کاریزیں بنوائیں، سلطان مراد نے ۹۸۴ھ میں کعبۃ اللہ کی عمارت کی تکمیل کی، (جس پر وہ اس وقت تک قائم ہے) یہ سب دسویں صدی کے سلاطین آلِ عثمان کے کارنامے ہیں۔

ایران کی (شیعی) سلطنت میں بھی عوام کا ذہن مذہبی اور ذوق دینی خوش عقیدگی کا تھا، اور سلاطین صفویہ اس کو غذا پہونچا کر اور مذہب اور اہل بیت سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کر کے اس سے ملک میں سیاسی استحکام، اور عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کا کام لیتے تھے، ایران کے سب سے عظیم حکمراں شاہ عباس اول نے صرف زیارت کی غرض سے اصفہان سے مشہد تک پیدل آٹھ سو میل کا سفر کیا، اور نجف میں حاضر ہو کر روضۂ مرتضوی پر جھاڑو دی۔

شاہ عباس سے ایرانیوں کی عقیدت غلو اور وہم پرستی کی حد تک پہونچ گئی تھی، اور لوگوں میں عجیب عجیب روایات مشہور تھیں۔

ترکستان و افغانستان کے لوگوں کی راسخ الاعتقادی، دینی صلابت، سنیت اور مذہب حنفی کی پابندی میں تصلب ضرب المثل ہے، ان کے حکمراں اور سربراہانِ مملکت، ارکان سلطنت، اور خواص و امراء بھی (اپنی سطح اور معیار زندگی کے مطابق) بہت حد تک ان کے ہم رنگ اور ہم آہنگ تھے۔

ہندوستان میں مسلم سلطنتوں کی بنیاد ترکی و افغانی النسل خاندانوں و حکمرانوں

کے ہاتھ سے پڑی، اس لئے شروع سے یہاں بھی مذہب کا اثر گہرا لیکن سیدھا سادہ رنگ کا تھا جو ترکی و افغانی ذہنیت و مذاق کا خاصہ ہے، یہاں شروع سے طریقۂ اہل سنت والجماعت، اور مذہب حنفی کی (چند سواحلی مقامات اور جنوبی ہند کے علاقہ مالابار کو مستثنیٰ کرکے) پابندی رہی، اور شروع سے وہی مملکت کا دستور اور عدالتوں کا قانون رہا، یہاں فقہ حنفی کی بعض اہم کتابیں "فتاویٰ تاتارخانی" اور "فتاویٰ قاضی خان" لکھی گئیں۔[1]

ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں متعدد بادشاہ اپنی حمایت سنت و شریعت، کفر و الحاد سے بیزاری، بدعات و منکرات کی مخالفت و ازالہ، اور دینی حمیت میں ممتاز نظر آتے ہیں، آٹھویں صدی میں محمد تغلق، و فیروز تغلق، اور دسویں صدی میں سلطان سکندر لودھی کا نام لینا کافی ہے، "طبقات اکبری" "تاریخ فرشتہ" اور "تاریخ داودی" کے مصنفین کے بیان کے مطابق سلطان سکندر کے عہد میں مذہب کی پابندی کا ایسا پیدا ہو گئی تھی کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کا ایک نیا طریقہ پیدا ہو گیا ہے، وہ اپنے نفس سے نفس اسلام کو زیادہ عزیز رکھتا تھا، ان کے بقول سلطان کو ابتدائے عمر سے تعصب مذہبی دامنگیر تھا، بادشاہ کو تذکرۂ علمی کا شوق تھا، اس کے عہد میں ہندوؤں کے فارسی پڑھنے کا آغاز ہوا، کائستوں نے بادشاہ کا مشورہ قبول کیا، سلطان نے سالار مسعود کی چھڑیاں جو سالانہ جاتی تھیں اپنی مملکت میں بالکل موقوف کر دیں، مزارات پر زیارت کے لئے عورتوں کے جانے کی سخت ممانعت کر دی، بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ تعزیوں کے نکلنے اور (چیچک کی دیوی) سیتلا کی پوجا کو بھی سختی سے روکا۔[2] مشتاقی نے لکھا ہے کہ

---

[1] یہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس نے عالم اسلام میں شہرت عام حاصل کی، اور فتاویٰ ہندیہ کے نام سے معروف و متداول اور مقبول ہے۔

[2] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی جلد دوم ص [illegible]

"قبور را بیت و نہر ساختہ" بہت سی کچی قبریں جو اس زمانہ میں وجود میں آگئی تھیں، وہاں نہریں جاری کرکے ان کا نام ونشان مٹادیا۔[۱]

سلطان سلیم شاہ سوری مساجد میں خود نماز پڑھاتا تھا، مسکرات سے سختی سے مجتنب تھا۔

یہ دور تصوف اور سلاسل وطرق صوفیہ کے انتہائی عروج کا تھا، عالم اسلام کا کوئی ملک اور خطہ ایسا نہ تھا جہاں کوئی سلسلہ پایا نہ جاتا ہو، گھر گھر اس کا چرچا تھا، اس سلسلہ میں ترکستان کے دو مشہور شہر اور علمی وروحانی مرکز بخارا اور سمرقند، افغانستان میں ہرات اور بدخشاں، مصر میں اسکندریہ اور طنطا، یمن میں تعز اور صنعاء، حضرموت میں تریم، شحر اور سیئون علماء اور صوفیاء اور مشائخ کا بڑا مرکز تھے، حضرموت میں باعلوی عیدروس خاندان بڑا مقبول اور صاحب کمال خاندان تھا، اسی دور میں ان اطراف میں الشیخ ابوبکر بن عبداللہ بن ابوبکر بہت عالی مرتبہ شیخ اور قطب دوران سمجھے جاتے تھے، تریم سادات آل باعلوی کا مستقر تھا، اس زمانہ کے مشہور اولیاء میں شیخ سعد بن علی السوینی باغریغ السعید تھے، شیخ محی الدین عبدالقادر عیدروسی (۹۷۸ھ - ۱۰۳۸ھ) نے اپنی مشہور کتاب النور السافر فی اخبار القرن العاشر[۲] کو انھیں کے تذکرہ پر ختم کیا ہے جو صفحہ ۳۳۲ سے صفحہ ۳۴۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

ہندوستان میں دسویں صدی میں اگرچہ سلسلۂ قادریہ اور سلسلۂ چشتیہ کی دونوں شاخیں (نظامیہ اور صابریہ) پھیلی ہوئی تھیں، اور ان میں متعدد باکمال اور صاحب حال شخصیتیں پائی جاتی تھیں، لیکن حقیقتاً یہ صدی سلسلۂ عشقیہ شطاریہ کی صدی ہے جس نے

---

[۱] واقعات مشتاقی [۲] یہ کتاب ۱۳۵۳ھ میں احمد آباد میں چھپی۔

احمدیہ تعبیر کے مطابق، ہندوستان کے صاحب ولایت سلسلہ چشتیہ سے اس ملک کا روحانی چارج لیا اور سارے ہندوستان کو تسخیر کر لیا۔[1]

طریقہ شطاریہ کے بانی شیخ عبداللہ شطار خراسانی ہیں جو غالباً نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان تشریف لائے اور مانڈو میں سکونت اختیار کی ۸۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی اور مانڈو میں اندرون قلعہ مدفون ہوئے۔ وہ امیرانہ ٹھاٹ سے رہتے تھے، صاحب جذب قوی تھے، خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا اور تیزی سے ان کا سلسلہ ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس طریقہ کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ کا تعلق شیخ محمد غوث گوالیاری سے ہے، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان تین واسطے ہیں، دوسری شاخ کے بانی شیخ علی جی قوام جونپوری کا (شیخ علی عاشقاں سرائے میری) ہیں، ان کے اور شیخ عبداللہ شطاری کے درمیان دو واسطے ہیں۔ اس سلسلے نے غالباً پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا۔ اور ان کے سلوک کے بعض طریقے اوراد و اذکار اور بعض آسن اور حبس دم کا طریقہ اختیار کیا اور اپنے مریدین کو ان کی تعلیم دی، نیز علم سیمیا کو بھی شامل کیا۔ ان آسنوں کی تشریح اور اس کے اذکار کی تفصیل "رسالہ شطاریہ" مصنفہ بہاء الدین ابن ابراہیم الانصاری القادری میں موجود ہے۔[2] شیخ محمد شطاری کی تصنیف "کلید مخازن" میں مصنف کا ایک مستزاد ہے

---

[1] اسی صدی میں سلسلہ مداریہ بھی جس کے بانی شیخ بدیع الدین مدار مکن پوری (م ۸۴۰ھ) تھے ہندوستان میں پایا جاتا تھا اس سلسلہ کا عقیدہ شعار وحدۃ الوجود کے افکار و مضامین کا برملا اظہار و اعلان تھا [illegible] یہاں تک کہ [illegible] پر اکتفا کیا جاتا [illegible] کے ساتھ اس سلسلہ میں [illegible] کو مرادوت قرار دیا۔ دسویں صدی میں یہ سلسلہ خواص کے حلقہ میں اپنی مقبولیت کھو چکا تھا [illegible] اس سلسلہ کے مشائخ کا احتساب کیا گیا ہے [illegible] سے معرفت [illegible] سلسلہ [illegible] بیعت تھی۔

[2] ملاحظہ ہو [illegible] کتب خانہ ندوۃ العلماء [illegible] تصوف [illegible] ، صفحہ [illegible]

جس سے وحدۃ الوجود، بت خانہ و مسجد، اور شیخ و برہمن کی مساوات کا، اور ان سب چیزوں میں خدا کی تجلی بلکہ ظہور کا صاف صاف اظہار ہوتا ہے کہ یہ سب اسی وحدت کے الوان و مظاہر ہیں۔ آخر کا شعر ہے ؎

عشق شد و در مشرب شطار برآمد۔ خود غوث جہاں شد[1]

"رسالہ عشقیہ" میں کافری کو "جلال عشق" اور مسلمانی کو "جمال عشق" کہا گیا ہے، اور یہ شعر ملتا ہے ؎

کفر و ایمان قرین یک دگر اند
ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست[2]

ایک جگہ لکھا ہے :۔

"اعلم حجاب اکبر گشت، مراد ازیں علم وجودی کہ حجاب اکبر است۔ ایں حجاب کبر اگر از میان مرتفع شود کفر با سلام و اسلام بہ کفر آمیزد و عبادت خدائی و بندگی یک چیز بود"[3]

اس سلسلہ کے سب سے نامور و با اثر شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری تھے (م ۹۷۰ھ) جن کو رجوع عام اور قبول تام حاصل ہوا، اور جن کی شان و شوکت وزراء و امراء کے درباروں سے چمک کرتی تھی، ان کی جاگیر کی آمدنی نو لاکھ سکہ نقرئی[4]، ان کے فیل خانہ میں چالیس ہاتھی اور خدم و حشم کا ایک بڑا لشکر تھا، آگرہ کے بازار میں نکلتے تو ٹھٹھ لگ جاتے ہر ایک جھک جھک کر سلام کرتے، زمین پر سیدھا بیٹھنا مشکل ہو جاتا۔ ملا عبد القادر بدایونی کے بیان کے مطابق شیخ محمد غوث نے اکبر کو ترکیب سے اپنا مرید بنایا تھا، لیکن بادشاہ نے جلد اس حلقۂ ارادت کو اپنی گردن سے دور کر دیا۔ اس امیرانہ بلکہ شاہانہ شان کے

---

[1] کلید مخزن صفحہ ۱۹۹-۹۸ [2] رسالہ عشقیہ ص ۵ [3] ایضاً ص ۶ [4] بعض روایات میں ایک کروڑ تک ہے

باوجود ملک میں ان کے فقر کی دھوم مچی ہوئی تھی، سلام کرنے کے وقت تا بکمر رکوع جھک جاتے تھے، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ علماء کو اس پر اعتراض تھا۔ ان کی تصنیفات میں جواہر خمسہ، معراجیہ[1]، کنز الوحدۃ، اور بحر الحیاۃ ہیں[2]۔ ہندوستان پر ان کا بڑا اثر پڑا، اور طریقہ چشتیہ شطاریہ عام ہوا[3]۔ مجدد صاحب ان کے انتقال کے ایک سال بعد پیدا ہوئے۔

اس سلسلہ میں شیخ علی بن قوام جونپوری معروف بہ علی عاشقان سرائے میری (م [illegible]ھ) شیخ لشکر محمد برہانپوری (م [illegible]ھ) شیخ اللہ بخش گڑھ مکتیسری (م [illegible]ھ) بڑے جلیل القدر شیوخ تھے جن سے ایک عالم نے رجوع کیا۔ علی عاشقان سرائے میری کے متعلق بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے بعد کسی سے ایسی کرامات کا ظہور نہیں ہوا جیسے ان سے[4]۔ شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلف و خلیفہ شیخ ضیاء اللہ اکبر آبادی (م [illegible]ھ) علامہ وجیہ الدین کے شاگرد تھے[5]، آپ نے پچیس سال اکبر آباد میں (جو اکبر کا دار الحکومت تھا) رہ کر بڑی مقبولیت حاصل کی اور دربار اکبری میں کئی بار طلب کیے گئے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے لکھا ہے کہ میں نے ان کو سلام مسنون کیا تو ان کو

---

[1] انھوں نے اپنے معراج کا دعویٰ کیا تھا جس پر علمائے گجرات میں بڑا ہنگامہ ہوا۔ لیکن علامہ شیخ وجیہ الدین گجراتی نے جو اس وقت کے اکابر علماء میں سے تھے، اس کی علمی توجیہ کی جس سے ہنگامہ فرو ہوا۔

[2] یہ کتاب امرت کنڈ کا ترجمہ ہے۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رود کوثر میں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اس کتاب میں ہندو جوگیوں کے [illegible] اشغال کی تفصیل کو فارسی میں منتقل کیا ہے [illegible] تصنیف و ترمیم [illegible] ایک آدھ جگہ معانی اس سے شطاریہ طریقہ کے اصل رنگ کا پتہ [illegible] (ص [illegible])

[3] مشائخ شطاریہ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۴۔

[4] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو [illegible] تصنیف [illegible] نزہۃ الخواطر جلد ۴۔

گراں گزرا اور اس میں انھوں نے اپنی توہین محسوس کی، اور اس شعارِ اسلام اور سنتِ خیر الانام کی تضحیک کی، بدایونی نے ان کا اچھا نقشہ نہیں کھینچا ہے، اور ان کے استہزاء کے واقعات لکھے ہیں۔[1]

ان حضرات کے علاوہ شاہ عبد اللہ سندیلوی (م ۱۰۲۳ھ یا ۱۰۱۰ھ) اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندی خلیفہ حضرت شیخ لشکر محمد عارف باللہ (جو حضرت مجدد صاحب کے معاصر اور قریب العہد ہیں) نامور مشائخ چشتیہ شطاریہ میں تھے۔[2]

سلسلۂ چشتیہ شطاریہ کے ان نامور مشائخ کے علاوہ ہندوستان میں دوسرے جلیل القدر مشائخ بھی موجود تھے جن کا دوسرے سلسلوں سے تعلق تھا، ان میں سے ایک شیخ چاین لدہ ہسنوی (م ۹۹۳ھ) ہیں، وہ فصوص اور نقد النصوص کا درس دیتے تھے، اکبر ان کا معتقد تھا، ایک دن ان کو صلوٰۃ معکوس پڑھتے دیکھا تو چلا گیا۔[3] دوسرے شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی[4] (م ۹۴۹ھ یا ۹۴۲ھ) قادری چشتی تھے، وہ صاحب تدریس و تصنیف عالم ہونے کے باوجود اپنے عہد میں وحدۃ الوجود اور شیخ اکبر کے مسلک کے سب سے بڑے علمبردار تھے، ان کے اس موضوع پر کئی رسائل ہیں، شیخ عبد العزیز شکر بار (۸۹۸ھ - ۹۷۵ھ) بھی وحدۃ الوجود کے قائل اور صاحب حال بزرگ تھے، وہ بھی فصوص الحکم اور اس کی شروح کا درس دیتے تھے، یہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اجداد مادری میں بھی ہیں۔[5]

اسی صدی میں حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی (م ۹۴۴ھ) کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر پہونچا، اور ان سے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو نئی تابندگی اور طاقت حاصل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی۔ [2] نزہۃ الخواطر جلد ۵۔ [3] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۵۔

[4] شہر ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں ایک قصبہ ہے جو جھنجھانہ کے نام سے مشہور ہے۔ [5] نزہۃ الخواطر جلد ۴۔

ہوئی، وہ وحدۃ الوجود کے اسرار برملا زبان سے کہتے اور اس کے داعی تھے، جونپور میں شیخ قطب الدین بینا دل (متوفی ۹۲۵ھ) طریقۂ قلندریہ میں، اور کیتھل (ضلع انبالہ) میں شیخ کمال الدین (م ۹۸۱ھ) سلسلۂ قادریہ کے سر حلقہ اور صدر نشین تھے، جن سے ان دونوں طریقوں نے نئی آب و تاب پائی، شیخ کمال کیتھلی کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جب نظرِ کشفی سے دیکھا جاتا ہے تو اس سلسلۂ عالیہ (قادریہ) میں پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر کے بعد ان سے بلند مرتبہ و باکمال شیخ نظر نہیں آتا۔[1] اودھ میں شیخ نظام الدین امیٹھوی معروف بہ بندگی میاں (متوفی ۹۷۹ھ) سلسلۂ چشتیہ کے بڑے شیخ، حامیِ شریعت اور متبع سنت بزرگ تھے، "احیاء العلوم" اور "عوارف" و رسالۂ مکیہ ان کا شغل تھا، ایک شخص کے ہاتھ میں فصوص دیکھی تو اس کو چھین لیا، اور دوسری کتاب مطالعہ کو دی، ان کے سلسلہ میں اگرچہ سماع عام تھا، لیکن وہ اس سے محترز تھے۔[2]

یہ تھی اس وقت دنیائے اسلام کی مذہبی و روحانی صورت حال، اور یہ تھے ہندوستان کے مختلف المشرب اور متفاوت الدرجات شیوخ طریقت اور اصحابِ سلسلہ جو دسویں صدی ہجری میں مختلف مقامات پر اپنے روحانی اور تربیتی مرکز قائم کیے ہوئے تھے، اور ہندوستان میں گہرا دینی رجحان رکھنے والے طالبِ خدا اور محب الفقراء عوام و خواص ان سے کسی نہ کسی درجہ میں وابستہ اور ان کے حلقہ بگوش تھے، اس کو تفصیل کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا، تاکہ مجدد صاحب کے عہد کی فضا، مذاق، رجحان، اور اس عہد میں دین کے احیاء و تجدید کے کام کے امکانات اور مشکلات دونوں کا اندازہ ہو۔

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۰ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۴

علمی حالت

دسویں صدی ہجری اگرچہ علمی اختراع و ابتکار، مجتہدات فکر و نظر اور علوم کی تدوین جدید اور ان میں دقیق اضافوں کی صدی نہیں تھی، یہ خصوصیات آٹھویں صدی کے وسط تک نمایاں نظر آتی ہیں جب میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۱۴ھ) علامہ جمال الدین ابوالحجاج المزی (م ۷۴۲ھ) اور علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) علامہ ابوحیان نحوی (م ۷۴۵ھ) جیسے سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے جنھوں نے حدیث، اصول و علم کلام، فن رجال اور علوم عربیت میں بلند پایہ اور گرانقدر تصنیفات یادگار چھوڑیں، امام فن حدیث علامہ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری (م ۸۵۲ھ) کا دور بھی گذر چکا تھا جن کی بے نظیر شرح بخاری کے متعلق کہا گیا ہے لا ہجرۃ بعد الفتح۔

دسویں صدی زیادہ تر جمع و ترتیب اور تسہیل و تلخیص کی صدی تھی، پھر بھی اس کے اوائل میں علامہ شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) جیسے علوم دینیہ کے بحر زخار اور اسلام کے مصنفین کبار گزرے ہیں، علامہ سخاوی کے متعلق بعض علماء کا قول ہے کہ امام شمس الدین ذہبی کے بعد علم حدیث، فن رجال اور تاریخ میں ان کے پایہ کا شخص پیدا نہیں ہوا، ان کے بعد فن حدیث کا زوال شروع ہو گیا، اصول و مصطلحات الحدیث میں ان کی کتاب "فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث" اور تذکرہ رجال میں "الضوء اللامع لأهل القرن التاسع" اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں، علامہ سیوطی تعریف و تعارف سے مستغنی ہیں کہ ان کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم مصنفین میں ہے

اور ان کی بعض کتب میں اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہیں، اور تفسیر جلالین کے نصف اول نے جو ان کی تصنیف ہے، اور صدیوں سے درس میں داخل چلی آرہی ہے ان کے نام کو اس وقت تک زندہ اور تابندہ رکھا ہے۔

اس صدی میں مصر و شام و عراق میں فن حدیث و علم رجال، ایران میں علوم حکمیہ (منطق و فلسفہ) ترکستان و ہندوستان میں علم فقہ (حنفی) کا زور تھا، اور یہی میدان فضیلت اور درجۂ کمال سمجھے جاتے تھے۔ مصر میں علامہ احمد بن محمد قسطلانی صاحب شرح صحیح البخاری (م ۹۲۳ھ) اور شیخ الاسلام زکریا انصاری (م ۹۲۶ھ) ترکی میں علامہ ابو السعود صاحب تفسیر (م ۹۸۲ھ) حجاز میں علامہ ابن حجر ہیتمی صاحب الصواعق المحرقہ و کتب کثیرہ (م ۹۷۳ھ) اور علامہ علی متقی صاحب کنز العمال (م ۹۷۵ھ) رونق افروز تھے اور ایک عالم کو اپنے درس سے مستفید کر رہے تھے۔ مشہور محقق و مصنف حنفی عالم و مصنف ملا علی قاری اگرچہ ہرات افغانستان میں پیدا ہوئے لیکن مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے ایک عالم کو اپنے علم سے فیضیاب کر رہے تھے، ان کا انتقال اگرچہ گیارہویں صدی کے اوائل (۱۰۱۴ھ) میں ہوا لیکن ان کی علمی و تصنیفی خدمات کا زمانہ دسویں صدی ہجری ہی ہے۔ اسی صدی کے آخر میں ادیب و مؤرخ حضرت قطب الدین نہروالی[1] مکی (صاحب الاعلام باخبار بیت اللہ الحرام) نے ۹۹۰ھ میں انتقال کیا، جن کا خمیر ہندوستان کی سرزمین سے اٹھا تھا اور جن کے کمال کی قدر ترکی و حجاز کے سلاطین و امراء نے کیا۔

ایران کی سرزمین علامہ جلال الدین دوانی (م ۹۱۸ھ)، ملا عماد بن محمود طارمی (م ۹۴۱ھ) اور علامہ غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کی ذات پر فخر و نازاں تھی جنھوں نے

---

[1] نہروالا انہلواڑہ کی تعریب ہے جو شمالی گجرات کا پرانا نام ہے، اس کو ۴۱۶ھ میں محمود غزنوی نے فتح کیا تھا۔

علم و حکمت کے دریا بہا دیئے تھے جن کی موجیں ہندوستان تک پہونچیں اس عہد کے آخر کے بہت بڑے علماء میں شیخ محمد بن الشیخ ابی الحسن صدیقی شافعی اشعری مصری تھے جن کو الاستاذ الاعظم اور قطب العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا مضامین عجیبہ اور نکات غریبہ بیان کرنے میں فرد فرید تھے اور ربط آیات اور تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے جامع ازہر میں درس دیتے تھے شائقین علم پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے تھے اسی کے ساتھ بڑے صاحب باطن شیخ طریقت اور شاعر و ادیب تھے ۹۹۴ھ میں ان کا انتقال ہوا[1]، اسی طرح مشہور ہندی محدث رحمۃ اللہ بن عبد اللہ سندھی حنفی (م ۹۹۳ھ) جنھوں نے حجاز میں بیٹھ کر حدیث کی دولت عام کی اور اپنی مہارت فن اور استادی کا دلوں پر سکہ بٹھا دیا، ملک العلماء علامہ وجیہ الدین ابن نصر اللہ گجراتی جنھوں نے نصف صدی علوم دینیہ و عقلیہ کا درس دیا اور جن کے تلامذہ نے ایک صدی سے زائد درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اسی صدی کے نصف آخر کی زینت تھے اور اسی صدی کی انتہا پر ۹۹۸ھ میں سفر آخرت اختیار کیا، اس وقت یمن روایت و اسناد حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا اور وہاں محدث یمن طاہر بن حسین بن عبد الرحمن الاہدل مسند الوقت درس تھے اور اسی سال ۹۹۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔

اس عہد میں ہندوستان میں فضلائے ایران کی آمد شروع ہو گئی تھی جو علامہ جلال الدین دوانی، ملا عماد ابن محمود طارمی اور میر غیاث الدین منصور کے فیض یافتہ تھے، ہمایوں کے تلامذہ میں مولانا زین الدین محمود کمان گر بہزادی تلمیذ مولانا جامی و مولانا عبد الغفور لاری ہندوستان آئے اور بادشاہ وقت نے ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی، اکبر کے زمانہ میں حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم ہمام

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو النور السافر ص [illegible] [2] ان کے حالات و کمالات کے لیے ملاحظہ ہو علامہ [illegible] کی کتاب [illegible]

(حکیم ہمام) اور نور الدین قراری تینوں فاضل بھائی گیلان سے آئے اور دربار میں رسوخ پیدا کیا، کچھ عرصہ کے بعد ملا محمد یزدی ولایت (ایران) سے آئے اور امیر فتح اللہ شیرازی بھی بیجاپور ٹھہرتے ہوئے دربار اکبری کی رونق و زینت بنے، وہ میر غیاث الدین منصور کے شاگرد تھے، [illegible] میں صدر ہوئے، ہندوستان میں علمائے ایران کی تصنیفات وہی لائے، انھوں نے یہاں کے نصاب اور طریقۂ درس پر ایسا گہرا اثر ڈالا جس نے بالآخر درس نظامی کی ترقی یافتہ شکل اختیار کی، اور جو ہندوستان کے علمی و درسی حلقوں پر ابھی تک غالب اور حاوی ہے۔[1]

اس عہد میں بالخصوص جنوبی ہند میں نیشاپور، استرآباد، جرجان، مازندران اور گیلان کے بہت سے فضلاء اور ادباء کے نام ملتے ہیں جو درباروں میں رسوخ رکھتے تھے۔[2]

افغانستان بھی اپنی سپہ گری اور سیف زنی کے ساتھ علم و درس کی دولت سے محروم نہ تھا، قاضی محمد اسلم ہروی جن کا انتقال ہندوستان میں [illegible] میں ہوا ہرات میں پیدا ہوئے اور افغانستان ہی میں مولانا محمد فاضل بدخشانی سے تحصیل علم کی، مولانا محمد صادق حلوائی بھی اس وقت افغانستان کے بڑے علماء میں تھے، ہرات، ایران کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے علوم حکمت کا مرکز تھا، اور اس کے فرزندوں میں قاضی محمد اسلم ہروی اور ان کے نامور و باکمال فرزند مولانا محمد زاہد نے (جو میر زاہد کے نام سے ہندوستان کے درسی حلقوں میں معروف و مشہور ہیں) علوم حکمیہ میں بڑا نام پیدا کیا، عرصہ تک میر زاہد کے تین حواشی جو زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور ہیں، اساتذہ و علماء کے مرکز توجہ اور معیار فضیلت بنے رہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "الثقافة الاسلامية في الهند" یا اس کا ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" [illegible] از مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی۔ [2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۴

علمائے ہند کے تلمذ و استفادہ کا یہ تعلق صرف ایرانی فضلاء اور ولایت کے اساتذۂ فن ہی سے جاری نہیں تھا فضلاء و محدثین مصر و حجاز اور یمن سے بھی قائم تھا شیخ راجح بن داؤد گجراتی (م ۹۰۴ھ) نے علامہ سخاوی سے حدیث میں استفادہ کیا تھا علامہ سخاوی نے ان کو شیخ العلاء البخاری الحنفی کی ابن عربی کے بارے میں رائے اور مسلک بتایا تاکہ وہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو اس سے باخبر کریں، اور شیخ اکبر کے بارے میں ان کی جو خوش فہمی ہے وہ زائل ہو۔[1] علامہ سخاوی نے "الضوء اللامع" میں اپنے ان ہندی شاگرد کا تذکرہ لکھا ہے اور ان کے علمی کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ اپنے زمانہ کے امام فن حدیث شیخ علی بن حسام الدین المتقی صاحب "کنز العمال" جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "سیوطی کا احسان ساری دنیا پر ہے اور علی متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے" علامہ ابو الحسن الشافعی البکری مدرس حرم مکی اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی مفتی و محدث مکہ کے تلمیذ رشید تھے۔

سطور بالا سے اس کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہندوستان سمندر اور فلک بوس پہاڑوں سے گھرے ہونے کے باوجود (جس میں باہر کی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ بلوچستان کا درۂ بولان اور شمالی مغربی سرحد کا درۂ خیبر تھا) علمی اور ثقافتی طور پر باہر کی دنیا سے کلی طور پر کٹا ہوا نہیں تھا اس کے استفادہ و افادہ کا سلسلہ جاری تھا اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ اس کا استفادہ افادہ سے اور درآمد کا عمل برآمد کے عمل سے بڑھا ہوا تھا اور ایسا ہونا قدرتی امر بھی تھا کہ ہندوستان میں دین اور علم دونوں ترکستان و ایران کے راستہ ہی سے پہونچے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴

ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال

لیکن دسویں صدی کا سیاسی، دینی و علمی جائزہ نامکمل رہے گا، اگر اس ذہنی بے چینی اور اعتقادی انتشار خیال کا ذکر نہ کیا جائے، جو اس دور میں ہندوستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں کہیں کہیں پایا جاتا تھا، تاکہ اس صدی کی صحیح صورت حال سامنے آجائے، اور یہ غلط فہمی نہ ہو کہ زندگی کے دریا میں جو ہزاروں میل کی مسافت میں بہہ رہا تھا کامل سکون تھا، جس میں دین کی تعلیم و اشاعت اور اخلاق و روحانیت کی تربیت و ترقی کی کشتی پورے اطمینان کے ساتھ چلائی جا سکتی تھی، اور اس کو کسی تلاطم یا بھنور کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو "احیاء و تجدید دین" کے بجائے اس دور کے لئے "تعلیم و تربیت" اور "نشر و اشاعت" کا عنوان زیادہ موزوں تھا، ہندوستان کے اسلام کے دینی و ثقافتی مرکز (حجاز مقدس اور مصر و شام و عراق) سے دور ہونے، اسلام کے یہاں ترکستان و ایران کا چکر کاٹ کر پہونچنے، عربی زبان کے رائج نہ ہونے اور خاص طور پر علم حدیث کی (جس سے دین کی صحیح روح، سنت و بدعت کا فرق، امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ضرورت کا احساس اور صحیح دینی احتساب کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے) عدم اشاعت، حج اور طلب علم کے لئے باہر کے ملکوں کے سفر کی دشواریوں، اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کا غیر مسلم اکثریت سے گھرے رہنے نے (جو اپنے مذہب میں سخت راسخ الاعتقاد، غیر اسلامی رسم و رواج کی سختی سے پابند اور صد درجہ توہم پرست تھی) ہندوستان کے مسلمانوں کو انتشار پسند دعوتوں، گمراہ کن فرقوں اور طالع آزما مذہبی پیشہ وروں کی آسان چراگاہ بنا دیا تھا۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی تشیع کی وہ غالیانہ اور جارحانہ شکل تھی، جو ایرانیوں کے اثر سے

جنوبی ہند کے بعض مقامات اور کشمیر میں پیدا ہوئی۔ دسویں صدی کے وسط میں احمد نگر کے والی سلطنت برہان نظام شاہ نے شیخ طاہر بن رضی اسماعیلی قزوینی کے اثر سے (جو ایران سے شاہ اسماعیل صفوی کے خوف سے بھاگ کر احمد نگر آئے تھے) تشیع قبول کیا، اور اس میں بڑا مبالغہ کیا یہاں تک کہ مساجد، خانقاہوں، بازاروں اور سڑکوں پر خلفائے ثلاثہ پر علی الاعلان تبرا کرنے کا حکم دیا، اس خدمت کے انجام دینے والوں کے بڑے بڑے مشاہرے مقرر کئے، اہل سنت میں سے بہت سے لوگوں کو قتل اور گرفتار کیا۔[1] دوسری طرف میر شمس الدین عراقی کی کوشش سے کشمیر میں تشیع پھیلا، انھوں نے اپنے مذہب کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی، کہتے ہیں کہ چوبیس ہزار ہندو شیعہ ہوگئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک جدید مذہب بھی ایجاد کیا جس کا نام نوربخشی تھا، اور فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی جس کے مسائل نہ اہل سنت کے مسائل سے اتفاق رکھتے ہیں نہ فرقہ امامیہ کے مسائل کے مطابق ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑی جس کا اعتقاد تھا کہ سید محمد نوربخش مہدی موعود تھے۔[2]

سنہ ۹۵۱ھ میں فوجی مدد اور سلطنت ایران کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ہمایوں کا ورود ایران ہوا، اس وقت ایران میں شاہ طہماسپ تخت نشین تھا، شاہ ایران نے ہمایوں سے مذہب تشیع قبول کرنے کی فرمائش کی، ہمایوں نے کہا کہ ایک پرچہ پر تمام معتقدات لکھ دیئے جائیں، بادشاہ نے بطریق نقل اس کو پڑھ دیا، بادشاہ کے تبدیلی مذہب کی اگرچہ کوئی مستند شہادت نہیں ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ایران کے قیام، شہنشاہ ایران کی فیاضانہ میزبانی و مسافر نوازی اور فراخدلانہ فوجی مدد سے ممنونیت و تشکر کے نتیجہ میں اس کے دل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، از محمد قاسم بیجاپوری، مصنف فرقہ اثنا عشریہ سے تعلق رکھتا تھا

[2] ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، از محمد قاسم بیجاپوری۔ [3] منتخب التواریخ حصہ اول ص ۴۴۳

میں مذہب اثنا عشری کے لئے وہ نرم گوشہ ضرور پیدا ہو گیا ہوگا جو اس کے راسخ الاعتقاد تیموری سلاطین کے دل میں (جو راسخ الاعتقاد سنی حنفی تھے اور ان میں سے بعض کا بعض مشائخ نقشبندیہ سے ارادت کا تعلق بھی تھا) پایا نہیں جاتا تھا۔ ہمایوں کی مدد کے لئے ایران سے امرائے قزلباش آئے تھے۔ ہمایوں خود نیک دل، شائستہ و مہذب انسان تھا۔ ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ اسمِ رسول کا بغیر طہارت کے نہیں لیتا تھا۔ کتب خانہ کے زینے سے جہاں اذان سن کر بیٹھ گیا تھا، پھسل کر گرا، اور ۱۵ ربیع الاول ۹۶۳ھ کو وفات پائی۔

اس کے امرائے خاص اور ارکان سلطنت میں بیرم خان خانخاناں بڑی خوبیوں اور کمالات کا امیر و سردار تھا۔ رفیق القلب، جمعہ و جماعت کا پابند، علماء و مشائخ کا قدردان تھا، لیکن تفضیلی تھا۔ اس کا مشہور شعر ہے ؎

شہے کہ بگذرد از نہ سپہر افسر او
اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

میر شریف آملی علوم حکمت میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ وہ اکبر کے عہد میں ہندوستان آیا۔ اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ پہلے ۹۹۳ھ میں کابل، پھر ۹۹۹ھ میں بنگال کی صدارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ وہ اس کو اجمیر و برہان میں جاگیر دی۔ مآثر الامراء کے مصنف شاہنواز خان کے بیان کے مطابق وہ الحادی خیالات رکھتا تھا۔ تصوف کو فلسفہ سے مخلوط کیا اور ثنویت کا قائل تھا۔

ہندوستان میں دو تحریکیں سخت انتشار انگیز اور اسلامیت کے لئے خطرناک اور باعث تخریب تھیں، ان میں سے ایک ذکری عقیدہ والا فرقہ تھا جس کی بنیاد نبوت محمدی کے الفِ اول پر ختم، اور الفِ ثانی سے ایک نئی نبوت اور ہدایت کے آغاز پر ہے

یہ تحریک بلوچستان میں پھلی پھولی، لیکن وہ جس شخص کو پیغمبر مانتی ہے اس کے بقول اس کا ظہور ۹۷۷ھ میں بمقام اٹک ہوا، اس فرقہ کی کتاب "ذکری کون ہیں؟"[1] کا مصنف بانی فرقہ ذکریہ ملا محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"آپ شب دوشنبہ بوقت بام (صبح) قطب شہر سے بطرف زمین بصورت اماتی دیار خیبری اٹک کے پہاڑی علاقہ میں ایک اونچی پہاڑی پر ۹۷۷ھ میں قدم مبارک رکھ کر آشکار ہوئے"[2]

ذکری ملا محمد موصوف کو خاتم النبیین اور افضل الرسل اور نور اولین و آخرین مانتے ہیں، موسیٰ نامہ قلمی میں ہے:۔

"حق تعالیٰ گفت اے موسیٰ بعد از محمد مہدی پیغمبر دیگر نیافریدم۔ نور اولین و آخرین مہدی است کہ پیدا خواہم کرد"[3]

اس فرقہ کی کتابوں "معراج نامہ قلمی" "ثنائے مہدی" (مطبوعہ) "سفرنامہ مہدی" "ذکر الٰہی" وغیرہ میں ایسی صریح عبارتیں آتی ہیں جن سے ملا محمد موصوف کی تنزیہ و تقدیس اور ان کے بارے میں ایسے مبالغہ آمیز عقائد کا اظہار ہوتا ہے جن سے ان کی تمام انبیاء پر ترجیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت اور جرأت افتراء و تخلیق اور دجل و تلبیس کے عجیب نمونے ظاہر ہوتے ہیں، انھوں نے اپنا ایک مستقل کلمہ بھی وضع کیا تھا جو "لا الہ الا اللہ نور پاک محمد مہدی رسول اللہ" تھا، نماز پڑھنے والوں کی تکفیر و تضحیک کرتے تھے[4] اسی طرح روزہ، حج اور زکوٰۃ کے وہ منکر ہیں، حج بیت اللہ کے بجائے کوہ مراد کو ضروری سمجھتے تھے[5] تاریخ خوانین بلوچ میں ہے کہ بلوچستان کے کچھ

---

[1] ذکری کون ہیں ص ۳ [2] حدیث ص ۳ [3] موسیٰ نامہ قلمی [4] ملاحظہ ہو ذکری مصنفین کی تصنیفات

[5] زر تحفہ (مطبوعہ) موسیٰ ذکری ہونا، تفسیر و کرامات (مطبوعہ) اور تصنیفات مذکورہ الصدر نیز ملاحظہ ہو بلوچستان

گزیٹیر میں بھی اس کی صراحت کی گئی ہے کہ ان کے عقائد اہل سنت کے عقائد سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں ص ۱۱۹ (مطبوعہ)

علاقوں میں ذکری جیسا خلاف اسلام مذہب جاری و ساری تھا، اور وہ لوگ مسلمانوں کو نمازی کہہ کر قابل گردن زدنی گردانتے تھے میر نصیر خان اعظم نے ایک طرف شریعت محمدی کا نفاذ اور اجراء فرمایا اور دوسری طرف ذکریوں کی اسلام دشمنی اور شرک پروری کے خلاف خون آشام سلسلۂ جہاد جاری رکھا، آخر بڑے بڑے خون ریز اور فیصلہ کن معرکوں کے بعد اس بدعت کی مکمل طور پر بیخ کنی کی گئی۔[1]

ہندوستان میں دوسرا شیعہ فرقہ فرقۂ روشنائیہ تھا، افغانوں کی زوال پذیر طاقت کو سہارا دینے اور مغلوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے لئے فرقۂ روشنائیہ نے جو اہم کردار ادا کیا،[2] اس نے اس عہد کے مصنفین کے بیانات کو محل غور اور محتاج تحقیق بنا دیا ہے کہ ان میں سیاسی اغراض کہاں تک کار فرما ہیں اور تاریخی حقیقت کتنی ہے؟ اس فرقہ کے معتقدوں اور حامیوں اور اس کے مخالفین کے بیانات میں اتنا تضاد ہے کہ ایک بانی فرقہ کو پیر روشن کے نام سے یاد کرتا ہے اور دوسرا پیر تاریک کہتا ہے، اس فرقہ کے بانی بایزید انصاری تھے، جو پیر روشان (یا پیر روشن) بھی کہلاتے ہیں، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، جالندھر میں ۹۳۱ھ میں (بابر کی سلطنت سے ایک سال قبل) پیدا ہوئے، ان کا بچپن اور عنفوان شباب خاندانی کشمکش اور بزرگوں کی بے توجہی میں گزرا، اور اس کی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی کسی سفر کے

---

[1] تاریخ بلوچستان اور [illegible] ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک بابت ۱۹۶۵ء کے شمارہ کے ایک مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے جو مولانا عبدالحق صاحب صدر مدرس دار العلوم تربت بلوچستان کے قلم سے ہے جو [illegible] ذکری مذہب کا [illegible]

[2] اس عہد کے بعض مصنفوں کا [illegible] تحریک کی [illegible] اس لئے [illegible] روشنائیہ [illegible] کا خیال [illegible] جا سکتا ہے کہ اس کو پٹھانوں کی شیرانہ [illegible] ایک مذہبی تحریک کے پردے میں [illegible] حکومت کے خلاف آمادۂ جنگ کیا جا سکتا ہے اور اس سے افغانوں کے زائل شدہ اقتدار کو واپس لایا جا سکتا ہے۔

دوران (بعض روایات کے مطابق) ان کی ملاقات سلیمان اسماعیلی سے ہوئی، جوگیوں کی صحبت کا حاصل ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے، ان کے تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق انھیں خواب نظر آنے لگے، عالم غیب سے آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ ذکر خفی میں منہمک ہو گئے، اور کچھ عرصہ کے بعد اسم اعظم کے ورد میں ان کو استغراق ہوا، جب وہ اکتالیسویں برس کو پہنچے تو انھیں ہاتف نے ندا دی کہ اب انھیں عبادت شرعی کو ترک کر دینا چاہئے اور مسلمانوں کی نماز کی جگہ انبیاء کی نماز پڑھنا چاہئے، اس کے بعد وہ سب کو مشرک و منافق سمجھنے لگے اور چلہ کشی شروع کر دی، اس کے بعد انھیں علانیہ طور پر تبلیغ کرنے کا حکم ملا، دعوائے مہدویت اور الہام ربانی کا بھی ان پر الزام ہے، ان کے مریدوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہونے لگی، انھوں نے بعض کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تاکہ وہ تبلیغ کے کام کو اور زیادہ وسیع کریں۔

لیکن ان کی تصنیف "صراط التوحید" میں ان کی جو تعلیمات آئی ہیں وہ تصوف کی ناقص بافراط تعلیمات اور غالی خود شناسی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں، جو کسی شیخ کامل اور کتاب و سنت کے علم راسخ کے بغیر اکثر بطور خود ریاضت کرنے والوں میں پیدا ہو جاتی ہے، اور ان کے بعض اصول و عقائد بیان کئے گئے ہیں، وہ غالباً ان کے ضوابط جنگ ہیں جو اس زمانہ سے متعلق ہیں جب وہ مغلوں اور اپنے مخالف افغان قبائل سے برسرپیکار تھے۔

انھوں نے پشاور کے علاقہ میں متعدد افغانی قبائل کو اپنا معتقد و مرید بنا لیا، پھر تیراہ میں اپنا تبلیغی کام شروع کیا، سندھیوں اور بلوچیوں میں بھی ان کا اثر پھیلنا شروع ہوا، پیرو

---

[1] لیکن خود شیخ بایزید نے اپنی کتاب "مقصود المومنین" میں لکھا ہے کہ "شریعت درخت کی چھال کی مانند ہے، اور درخت کی بقا چھال کے بغیر ممکن نہیں" پ ۵۳، نسخہ قلمی کتب خانہ جامعہ پنجاب

[2] شیخ بایزید نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ مہدی ہیں جیسا کہ ان کے معاصر کی سرگزشت میں ہے جو ان کے ایک اہل کے قاضی صاحب کی روداد پر مبنی ہے، نسخہ قلمی پنجاب۔

اور علماء کی انتہائی مخالفت کے باوجود ان کو حیرت انگیز کامیابی ہوئی شیخ بایزید نے اپنے داعی اور مبلغ ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں، امراء و علماء کے پاس بھیجے ان میں سے ایک شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی آیا، ان کی زندگی کے آخری ڈھائی سال مغلوں سے جنگ میں گزرے اور ۹۸۰ھ میں کالا پانی کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اور ہشت نگر میں دفن ہوئے ان کی تصنیفات میں سے تین کتابیں (خیر البیان، مقصود المومنین، صراط التوحید) موجود ہیں۔ جس میں انھوں نے اپنے بنا کردہ فرقے کے اصول و عقائد کو بیان کیا ہے، ان میں سے خیر البیان اور مقصود المومنین ان کے ماننے والوں کے نزدیک نیم مقدس کتابوں کا حکم رکھتی تھیں، ان سب سے بڑے مخالف اخوند درویزہ تھے، جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (م ۹۹۱ھ) کے مرید تھے انھوں نے ان کی تردید میں کتاب "مخزن الاسلام" لکھی "حالنامہ پیر روشن" (فارسی) شیخ بایزید کی خود نوشت سوانح حیات ہے اس کو علی محمد مخلص نے اضافوں کے ساتھ مرتب کیا۔

اندرونی اور بیرونی جنگوں کی وجہ سے خستہ حال ہو کر نیز علماء کی شدید مخالفت کے باعث اور اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں تتر بتر ہو گئے، اس فرقہ کے افراد کم ہوتے ہوتے بالآخر تقریباً ناپید ہو گئے۔[1]

داستان ترکتازان ہند کا مصنف مرزا نصر اللہ خان فدائی دولت یار جنگ اس فرقہ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"روشنائی اس فرقہ کا نام ہے جس کی بایزید نامی ایک شخص نے جو اہل ہند میں سے تھا بنیاد ڈالی اس نے افغانوں میں جا کر پیغمبری کا دعویٰ کیا، اور اپنے کو پیغمبر روشنائی کہلایا اور ان کو اپنا پیرو

---

[1] مستفاد از مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳۔

بنایا انھوں نے آسمانی صحیفوں کو جواب دیا اور خدا کی عبادت ترک کی۔ اس کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الوجود کا قائل تھا[1]۔ اور اس کا عقیدہ تھا کہ اس واجب الوجود کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتا تھا اور لوگوں کو بشارت سناتا تھا کہ وہ دن قریب ہے کہ پورا کرۂ زمین ان کے زیر تصرف ہوگا۔

حالنامۂ حضرت بایزید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو الہام ہوتا تھا اور جبریل ان پر نزول کرتے تھے۔ اللہ نے ان کو نبوت سے سرفراز کیا۔ وہ خود اپنے کو نبی سمجھتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے۔ لیکن قبلہ کا تعین ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ سے استدلال کرتے تھے۔ پانی سے غسل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے مخالفین کا قتل جائز سمجھتے تھے[2]۔

مصنف نے اس سلسلہ میں ان کے بعض ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جو عارفانہ اور متصوفانہ ہیں اور جن میں کوئی قدح نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے ساتھ خلاف اسلام خیالات بھی ہیں یہ ان کے یہاں خود شناسی و خدا شناسی سب سے اہم چیز تھی۔ اگر ہندو کو خود شناس دیکھتے تو مسلمان پر ترجیح دیتے۔ مسلمانوں سے جزیہ لیتے۔ خمس بیت المال میں داخل کرتے اور اپنے اصحاب پر تقسیم کرتے۔ ان کے سب فرزند فسق و فجور سے مجتنب اور ظلم و ستم سے بہت دور تھے۔ عربی، فارسی، ہندی اور پشتو میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی ایک کتاب "خیر البیان" ہے جو چار زبانوں میں ہے اور وہ حق تعالیٰ کا بلا واسطہ ان کو خطاب اور ان کے عقیدہ میں آسمانی کتاب ہے[3]۔

---

[1] اس عہد میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ صوفیا و مشائخ کی اکثریت (کم سے کم ہندوستان میں) اس عقیدہ میں غلو رکھتی تھی۔ (مصنف)

[2] ص ۲۰۳-۲۰۵

[3] منقول از حالنامہ بایزید۔ دبستان مذاہب از محسن فانی ص ۲۰۸-۲۰۹۔

معاصر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر بایزید نے افغانوں کی ایک بڑی طاقت مہیا کرلی تھی اور کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر وہ خیبر پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور پاس پڑوس پر بھی حملہ کرنے لگے تھے، اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اکبر نے ایک فوج بھیجی لیکن وہ اس کا استیصال نہ کرسکی بایزید کے انتقال کے بعد اس کے فرزند اور جانشین سلطنت مغلیہ کے لئے خطرہ بنے رہے۔ راجہ مان سنگھ، بیربل اور زین خاں بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوئے اور بیربل تو ایک مقابلہ میں مارا گیا، مان سنگھ ۹۹۵ھ کے حملہ میں بھی روشنائیوں کے مقابلہ میں ناکام رہا، یہ فتنہ شاہجہاں کے عہد ۱۰۵۵ھ میں ختم ہوا۔[1]

مہدویت

اس عہد کی سب سے زلزلہ انگیز تحریک مہدویت تھی جس کے بانی سید محمد (ابن یوسف) جونپوری (ولادت ۸۴۷ھ) کی وفات اگرچہ دسویں صدی کی ابتدا (سنہ ۹۱۰ھ) میں ہو گئی تھی لیکن اس کے اثرات دسویں صدی کے آخر تک باقی رہے، غیر جانب دارانہ تاریخی مطالعہ کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو تین صدیوں کے اندر کوئی دینی دعوت اور تحریک اس نیم برِ اعظم (بشمول افغانستان) میں اتنے وسیع پیمانہ اور اتنے گہرے اور طاقتور طریقہ پر مسلم معاشرہ پر اثر انداز نہیں ہوئی جتنی کہ یہ دعوت و تحریک، موافقت و مخالفت میں معاصر اور بعد کے مؤرخین و مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے ہم ان نتائج تک پہنچتے ہیں۔

(۱) سید محمد جونپوری باطنی اور خلقی طور پر ان عالی استعداد اور قوی الباطن لوگوں

---

[1] ملخص از داستان ترکتازان ہند۔

میں تھے جو زمانہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں، وہ عنفوانِ شباب ہی میں بڑے جری و شجاع، اپنے ماحول اور دور کے حالات سے غیر مطمئن، بے محابا امر بالمعروف نہی عن المنکر اور منکرات شرعی پر زجر و توبیخ کرنے والے تھے، اور اسی وجہ سے اسی زمانہ میں ان کو "اسد العلماء" کا خطاب دیا گیا تھا، سلوک کی تعلیم شیخ دانیالؒ سے حاصل کی اور شدید ریاضت و مجاہدہ کیا، پہاڑوں اور وادیوں میں عرصہ تک گوشہ نشینی اختیار کی، جس کا اکثر نتیجہ (بالخصوص جب شیخ کامل کی نگرانی اور رہنمائی حاصل نہ ہو) ایسے واردات و اشارات ہوتے ہیں جن سے لغزش کا اندیشہ اور بعض اوقات غلط یقین کا حصول ہوتا ہے اور یہ شخص جو مقام تحقیق و رسوخ کو نہ پہونچا ہو، الفاظ کو غلط محل پر حمل اور واردات غیبی کو غلط معنی پہ سمجھ سکتا ہے، چنانچہ انھوں نے اسی دور کے کسی سفر میں مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، اس کے بعد بھی متعدد بار مختلف مقامات پر اپنے "مہدی موعود" ہونے کا اعلان کیا، اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

(۲) وہ کثرت ریاضت، قوت باطنی اور جذبۂ امر بالمعروف کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کے صاحب تاثیر تھے، ان کی شخصیت و صحبت، ان کی گفتگو اور بیان سامعین و حاضرین پر جادو کا اثر رکھتا تھا، اور سلاطین و امراء سے لے کر عوام و خواص تک سب پر بے خودی اور خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی، اور ان کے لئے بڑے سے بڑے منصبوں اور جاہ و حشمت کو خیرباد کہہ کے ترک دنیا اور ترک وطن کر کے ان کے ہم رکاب ہو جانا اور اپنے کو ان کے حوالہ کر دینا آسان ہو جاتا تھا، دارالحکومت مانڈو میں یہی غیاث الدین شاہ خلجی کے ساتھ پیش آیا، اور یہی جانپانیر گجرات میں محمود شاہ گجراتی پر اثر ہوا، یہی احمد نگر، احمد آباد، بیدر

---

[1] افسوس ہے کہ کتب تراجم و تذکرہ میں ان کے حالات نہیں ملتے۔

اور گجرات میں دیکھنے میں آیا، ایک خلقت نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، اور ہزاروں آدمی ان کے قافلہ میں شامل ہو گئے۔ سندھ کے علاقہ میں بھی ایک شہر آشوب کا منظر نظر آیا اور لوگوں کو تھامنا مشکل ہو گیا، قندھار میں بھی ان کے بیان نے قیامت برپا کر دی، اور حاکم قندھار مرزا شاہ بیگ کا ان کی طرف میلان ہو گیا۔

(۳) ان کی زندگی ترک و تجرید، زہد و استغناء، قطع ماسوی اللہ کی زندگی تھی، اور سفر و حضر میں ان کے "دائرہ" میں اسی زہد و ایثار اور ذکر و عبادت کی فضا نظر آتی تھی، کھانا اور ہر چیز برابر برابر کسی کی خصوصیت کا لحاظ کئے بغیر تقسیم ہوتی تھی اور اس میں خود ان کی اور ان کے گھر کے افراد کی رعایت نہیں ہوتی تھی، اس فضا سے کوئی نووارد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

(۴) اس دعوت نے متعدد ایسے بے لوث، سرفروش و خود فراموش داعی پیدا کر دئیے تھے جنھوں نے "کلمہ حق عند سلطان جائر" کا فریضہ بڑی شجاعت اور قوت کے ساتھ ادا کیا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سخت اذیتیں برداشت کیں، اور اس راہ میں ہنسی خوشی جان دی، انسان ان کے حالات پڑھ کر متاثر ہوئے اور سید محمد جونپوری کی تربیت اور صحبت کی تاثیر کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مثال کے طور پر شیخ علا بن حسن البیانوی (شیخ علائی) (م ۹۵۷ھ) کے حالات ملاحظہ ہوں جنھوں نے سلطان سلیم شاہ ابن شیر شاہ سوری کے دربار میں دعوت و تذکیر کا فرض انجام دیا، اور آداب شاہی اور کورنش کے بجائے سلام مسنون پر اکتفا کیا، اور دوسری مرتبہ سفر کی خستگی اور طاعون کی بیماری کی حالت میں کوڑے کھائے، اور اس سے جانبر نہ ہونے پر ان کا جسم ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا اور لشکر میں اس کو پھرایا گیا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ترجمہ شیخ علا بن حسن بیانوی، نزہۃ الخواطر جلد ۴، یا منتخب التواریخ از ملا عبدالقادر بدایونی (ج ۱ ص ۵۰۸)

(۵) ان کی دعوت کے پانچ ارکان تھے (۱) ترکِ دنیا (۲) عزلت عن الخلق (۳) ہجرت عن الوطن (۴) صحبت صادقین (۵) دوام ذکر (حفظ انفاس کے طریقہ پر) وہ مشاہدۂ الٰہی (خواہ وہ بچشم سر ہو یا بطریق قلب، بیداری میں ہو یا خواب میں) ضروری اور شرعاً ایمان قرار دیتے تھے۔

(۶) حالت سُکر میں یا مفہوم و مراد صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر ان سے اپنی ذات کے متعلق متعدد بار اور صریح طریقہ پر ایسے اقوال اور دعاوی صادر ہوئے[1] جن کی تاویل و توجیہ مشکل ہے اور جنھوں نے ان کے متبعین کو (ابتدا میں ان کی نیت کتنی ہی صحیح اور ان کا جذبۂ دینی کتنا ہی قابل قدر ہو) آسانی کے ساتھ ایک مخالفِ جمہور اور مخالفِ اہل سنت فرقہ کی شکل دے دی جس نے ان اقوال کا سہارا لیا اور ان پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھی، بعد کے آنے والوں اور غالی معتقدین نے (جیسا کہ قاعدہ ہے) ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کی تقدیس و تعظیم میں اتنا غلو سے کام لیا کہ ان کو انبیاء کا ہمسر اور بعض سے افضل و برتر بنا دیا اور بعض انتہا پسندوں اور غالیوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی برابری و مساوات کے عقیدہ تک پہونچا دیا (اگرچہ سید محمد ان کے نزدیک بھی آپ کے پیرو اور دینِ محمدی کے تابع تھے) اور بعض نے یہاں تک غلو کیا کہ "اگر کتاب و سنت ان کے کسی قول و فعل کے مخالف ہوں تو کتاب و سنت کا اعتبار نہیں" اسی طرح سے اس بارے میں بھی بہت غلو کیا گیا کہ جو مسلمان انوارِ الٰہی کا مشاہدہ اپنی آنکھ یا دل سے سوتے یا جاگتے

(اسی مسلک کا) سودا، مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مخصوص ادبی انداز میں شیخ علائی کی شہادت کی دل دوز داستان مفصل و موثر طریقہ پر بیان کی ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ صفحہ ۹۱)

[1] اور ایسے اقوال بہت سے حالی صوفیوں اور شدید ریاضت کرنے والے عابدوں سے منقول ہیں۔

بھی ذکر سے وہ مومن نہیں ہے، عام مسلمانوں اور اس فرقے کے درمیان یہ خلیج مرور زمانہ سے وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ مہدوی ایک الگ فرقہ بن کر اہل سنت والجماعت سے کٹ گئے، اور وہ مقاصد فوت ہو گئے جن کے لئے یہ تحریک شروع ہوئی تھی، اور جو غالباً اس تحریک کے بانی کے پیش نظر تھے۔

دسویں صدی کے وسط تک اس جماعت کے اثرات ہندوستان اور افغانستان پر قائم رہے، اور دکن میں اس کے پیروؤں کی کئی سلطنتیں قائم ہوئیں، دسویں صدی کے آخر میں مہدویوں کی طاقت اور تعداد میں جو اضافہ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسماعیل نظام شاہ بن برہان نظام شاہ ثانی کے زمانۂ حکومت (۹۹۶ - ۹۹۹ھ) میں جمال خاں مہدوی نے جو منصب داران صدرہ میں سے تھا، احمد نگر میں مہمات شاہی کی باگ اپنے ہاتھ میں لی، اسماعیل نظام شاہ کو بھی (جو خورد سال تھا) اپنے مذہب میں لے آیا، تھوڑے زمانہ میں ہندوستان کے اطراف و جوانب سے طائفہ مہدویہ جمع ہو گیا، جمال خاں کے گرد و پیش دس ہزار کے قریب مہدوی جمع ہو گئے، اور اس نے احمد نگر کی سلطنت پر پورا تسلط حاصل کر لیا، جب برہان نظام شاہ جو باہر چلا گیا تھا، احمد نگر ۹۹۹ھ میں واپس ہوا تو اس نے مذہب مہدویہ کو جس کا رواج ہو گیا تھا، خارج کیا، اور سابق کی طرح مذہب اثنا عشری نے رواج پایا۔[1]

دسویں صدی کے اخیر میں مہدویت کی تحریک میں نمایاں ضعف پیدا ہوا، اس دعوت اور سید محمد جونپوری کے دعاوی اور زیادہ تر ان کے غالی معتقدین کے تشدد سے عقائد میں ایک تزلزل اور مسلم معاشرہ میں ایک انتشار اور اضطراب پیدا ہو رہا تھا، اس

---

[1] ملخص از تاریخ ہندوستان جلد چہارم از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔

اس عہد کے علماء راسخین جو کتاب و سنت پر گہری نظر اور علوم دینیہ میں رسوخ تام رکھتے تھے، پریشان اور فکرمند تھے اور وہ اس کو ایک بڑی ضلالت اور فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنے لگے تھے، چنانچہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم حدیث و سنت علامہ محمد طاہر پٹنی (۹۱۳ھ ۔ ۹۸۶ھ) مصنف مجمع بحار الانوار نے اس کی تردید اور انسداد کا بیڑا اٹھایا، اور یہ عہد کیا کہ جب تک اس بدعت کا (جس کے اثر میں پورا گجرات آگیا تھا) خاتمہ نہیں ہو جائے گا، وہ اس وقت تک پگڑی نہیں باندھیں گے، اکبر نے ۹۸۰ھ میں جب گجرات فتح کیا اور علامہ محمد طاہر کی ملاقات ہوئی تو اپنے ہاتھ سے ان کے دستار باندھی، اور کہا کہ دین کی وہ نصرت و حمایت اور اس نئے فرقہ کا استیصال (جس کا آپ نے بیڑا اٹھایا تھا) میرے ذمہ ہے؟ اس نے مرزا عزیز الدین کو (جو اس کا رضاعی بھائی تھا) گجرات کا حاکم مقرر کیا، اور اس نے اس کام میں ان کی مدد کی، اور اس کے زمانہ میں ان کا زور ٹوٹ گیا، لیکن جب مرزا عزیز اپنے اس منصب سے سبکدوش ہوا، اور اس کی جگہ عبدالرحیم خانخاناں کو گجرات کی صوبہ داری ملی تو مہدویوں کو پھر طاقت حاصل ہوگئی اور وہ میدان میں آگئے، پھر علامہ محمد طاہر نے پگڑی اتار دی اور دارالحکومت کا قصد کیا، لیکن ان کے پیچھے پیچھے مہدویوں کی ایک جماعت بھی روانہ ہوئی اور اجین پہنچتے پہنچتے ان کو شہید کر دیا۔[1]

بے چینی اور انتشار خیال کے اسباب

تاریخ و فلسفۂ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ ذہنی بے چینی، ردعمل کی جارحانہ تحریکیں اور انتشار خیال پیدا ہونے کے قوی اسباب و محرکات عام طور پر حسب ذیل ہوا کرتے ہیں۔

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۴

(۱) معاشرہ کے قول و عمل، عقیدہ و زندگی میں عدم مطابقت اور تضاد، ذہین اور ذکی الحس طبیعتوں میں شدید بے اطمینانی پیدا کرتا ہے، اور وہ ایک خاص مرحلہ پر پہنچ کر باغیانہ دعوتوں اور تحریکوں میں پناہ لیتی ہیں اور اگر وہ خود کوئی تحریک نہیں پیدا کر سکتی ہیں تو تشکک و ارتیاب کا شکار ہو جاتی ہیں، عام طور پر یہ تحریکیں بہت جلد غلو اور انتہا پسندی اختیار کر لیتی ہیں اور خود اس فاسد و منحرف معاشرہ سے زیادہ دینی حیثیت سے گمراہ و سیاسی حیثیت سے خطرناک اور معاشرہ کے لئے انتشار انگیز بن جاتی ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی میں مال و دولت کی فراوانی، عہدوں اور منصبوں کی طمع اور ان میں مسابقت کے جذبہ نے یہ تضاد پیدا کر دیا تھا اور دنیا داروں اور دنیا پرستوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو دینی اور اخلاقی تعلیمات و اصول کو بالائے طاق رکھ کر حصول جاہ و منصب یا لذت و تنعم کے لئے ہر طرح کی بے عنوانی اور بے راہ روی اختیار کرنے لگا تھا، یہ طبقہ عام طور پر ایسے زمانہ میں پیدا ہوتا ہے جب وسیع اور مستحکم سلطنتیں قائم ہو جاتی ہیں اور امن و استقرار کا دور آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوری خاندان کی حکومت کے آخری دور اور مغلیہ سلطنت کے قیام کے بعد ہندوستانی معاشرہ میں یہی کیفیت نمایاں ہو گئی تھی اور بہت سے خلاف اسلام اور خلاف شریعت اعمال و رسوم اور توہمات جاری ہو گئے تھے۔[1] سلطنت اموی اور سلطنت عباسی میں بھی یہ طبقہ نمایاں طور پر ظاہر ہوا تھا اور اسی کو پہلی صدی ہجری کے آخر کے سب سے بڑے مصلح و داعی حضرت حسن بصری (م ۱۱۰ھ) نے اپنا

---

[1] تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سلیم شاہ (ابن شیر شاہ) کے زمانہ حکومت میں ہر ولایت (پرگنہ) کے مستقر پر جمعہ کے دن تمام شہر کی جماعت اکٹھا ہوتی تھی، وہاں ایک بلند شامیانہ میں کرسی پر سلطان سلیم شاہ کی جوتیاں رکھ کر اس کے روبرو جھکتے تھے اور کھڑے ہو کر قوانین شاہی پڑھا جاتا تھا (ملاحظہ ہو منتخب التواریخ بدایونی جلد اول ص [illegible])

کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(۲) سلاطین و حکام کا استبداد، ان کی مطلق العنانی، جبر و تعدی، احکام شریعت سے چشم پوشی اور کھلی ہوئی نفس پرستی جو دینی حوصلہ مندوں کو انقلابی تحریک اور بغاوت پر آمادہ کر دیتی ہے۔

(۳) رسمیت اور ظاہر پرستی جب اپنی انتہا کو پہونچ جاتی ہے، معاشرہ اخلاقی و ذہنی انحطاط اور علمی حلقے سخت ترین جمود کا شکار ہو جاتے ہیں[1] اور نظام تعلیم بے روح، حقیقت پسندی سے دور، اور ذہنی طبیعتوں کو تسکین و تسلی دینے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے تو لوگ ایسی تحریکوں میں اپنے ذہن کی تسکین کا سامان پاتے ہیں (جو غلط یا صحیح طریقہ پر) اس محدود دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں، کتاب و سنت کی تعلیم سے غفلت اور حدیث سے ناواقفیت بھی اس کا ایک اہم سبب اور قوی محرک ہے جس سے ہر دور میں بے دینی کا صحیح مزاج پیدا ہوتا ہے، اور جس سے اس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ امت کے فہم و عمل میں اصل دین

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے اور مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:۔

> "مسلمانوں کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی، افسانوی ادب اور تاریخی داستانوں میں جن قصوں کو عجائب روزگار بنا کر پیش کیا گیا ہے وہ اخلاقی پستی اور اعتقادی تزلزل کے آئینہ دار ہیں، امیروں کی عیاشانہ زندگی، صاحب علموں کی بے راہ روی، تعویذ گنڈوں میں بے جا اعتقاد، جنوں اور دیووں کے قصے، چراغ سلیمانی کی داستانیں کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں اس طرح عام نہیں ہو سکتی تھیں، حقیقت میں مہدوی تحریک اسی ذہنی انتشار اور مذہبی جمود کو دور کرنے کی ایک کوشش تھی۔"
>
> (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات)

اسوۂ رسول اور طریقۂ صحابہ و تابعین سے کتنا بُعد اور انحرافات پیدا ہوگیا۔

(۴) کسی ایسی دینی شخصیت کا فقدان جو ذہنی و باطنی دونوں حیثیتوں سے عام سطح سے بلند، طاقتور دماغ، قوی شخصیت اور موثر و طاقتور روحانیت کی مالک ہو، اور جو ذہن کی بے چینی، روح کی بیتابی کو دور، اور معاشرہ کے تن مردہ میں ایک نئی روح پھونک سکے، اور اسلام کی ابدیت، شریعت محمدی کی صداقت، اور کمال و ترقی کے وسیع امکانات پر نیا یقین و اعتماد پیدا کرسکے۔

دسویں صدی کی تاریخ کے مطالعہ سے (تراجم و تذکرے کی کتابوں، اور حوادث و واقعات کی روئیدادوں کی مدد سے) معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ہندوستان میں اس بے چینی اور انتشارِ خیال کے یہ تمدنی اسباب پچھلی صدیوں کے مقابلہ میں بڑھ گئے تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ذہنی بے چینی اور انتشار انگیز تحریکیں اس صدی میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

* * *

دسویں صدی کا فتنۂ کبریٰ

"الف ثانی" سے ایک نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ

الف ثانی کا مغالطہ

دسویں صدی ہجری اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے اختتام پر اسلامی تقویم کے ایک ہزار سال کی تکمیل اور دوسرے ہزار سال (الف ثانی) کا آغاز ہوتا ہے، عام حالات میں یہ تبدیلی کوئی اہمیت نہیں رکھتی، دنیا کی طویل عمر اور حیات انسانی کی وسیع تقویم میں تو ہر صدی پر ایک ورق الٹتا ہے، ایک ہزار سال پہنچ گیا، دسویں صدی کا نیا ورق الٹنے والا تھا، لیکن جب ذہنوں میں شدید قسم کا انتشار، عقائد میں عظیم تزلزل، دین کی صحیح تعلیم اور کتاب و سنت کے علم سے نہ صرف غفلت و جہالت بلکہ وحشت و نفرت ہو، اہل یونان کے علوم کو عقل انسانی کی آخری منزل قرار دیا جائے اور انہیں کا نام "حکمت" "علوم و دانشمندی" اور انسانی علوم و کمالات کے وسیع آفاق میں "الافق المبین"[1] قرار دیا جائے، بات کا بتنگڑ بنا لینا، اور رائی کا پربت کھڑا کر لینا، نظام تعلیم، نصاب درس اور علمی حلقوں کا کمال سمجھا جائے، علوم نبوت، صحف آسمانی، وحی و تنزیل اور نصوص قرآنی کی تضحیک و تحقیر کی جائے، اور ان پر ایمان لانے کو

---

[1] ملا باقر داماد کی کتاب "الافق المبین" کی تلمیح۔

جہل کو رازِ تعلیم اور عقل دشمنی کا مرادف قرار دیا جائے پھر اس کے ساتھ اس وقت کی حکومتوں اور سیاسی تقاضوں سے (جو غلط اور غیر صحیح طریقہ پر مذہب کا سہارا لیتے تھے، اور اس کو اپنے اقتدار کا پشت پناہ سمجھتے تھے) بیزاری بھی بغاوت و اشتعال کی حد تک پہنچ گئی ہو پھر سونے پر سہاگہ جب ایسے حوصلہ مند اور طباع آزاد افراد پیدا ہو جائیں جو زمانہ اور اس وقت کے علم و حکمت کے مسلّم بھی ہوں، اور وہ نئے دور کا بانی و رہنما اور احترام و اقتدار کا مالک ہونے کے سہانے خواب بھی دیکھنے لگیں، اور ان کے دل و دماغ میں یہ تمنا کروٹیں لینے لگے کہ ماہ و سال کی گردش سے وہ بھی وہی فائدہ اٹھائیں جو پچھلے پیشوایانِ مذاہب نے (ان کے بقول) اٹھایا اور ان کی تحریک و دعوت سے قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک نئی تقویم کا آغاز ہوا، جس کی ان کے خیال میں سب سے کامیاب اور مکمل مثال اس عہد کا آغاز تھا جو بعثتِ محمدی اور ظہورِ اسلام سے عرب میں شروع ہوتا ہے اور ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے، ان کے نزدیک اس دنیا کی تاریخ اور دنیا کی تقویم میں الفِ اول کا ختم ہونا اور الفِ ثانی کا شروع ہونا ایک اہم حادثہ اور ایسا زرّیں موقعہ ہے جو جلد جلد اور بار بار ہاتھ نہیں آتا، اور اگر اس کو گنوا دیا جائے گا تو پھر ایک ہزار سال کا انتظار کرنا پڑے گا، اس لئے اس موقعہ کو کسی طرح سے جانے نہیں دینا چاہئے، ورنہ صدیوں کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔

دسویں صدی کے نصف آخر میں بھی عالم اسلام کے مختلف حصوں اور خاص طور پر اس کے سب سے بے چین طباع اور تخلیقی و اختراعی صلاحیت رکھنے والے خطہ ایران میں (جس کو بہت سی مماثلتوں کی بنا پر مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا) اس خیال کے عکس نظر آتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے اور دوسرا ہزارہ شروع ہونے کو جا رہا تھا، ہر صدی کے سرے پر مجدد کا ظاہر ہونا حدیث سے ثابت ہوتا ہے، اور

تاریخ بھی اس کا ثبوت فراہم کرتی ہے اس لئے بعض ذہین لوگ دوسرے ہزار سال کے شروع ہونے پر مجدد سے زیادہ دین جدید کے موسس اور عالم کے نئے دور کے فاتح کے ظہور کے خواب دیکھنے لگے تھے اور ان میں بہت سے منچلے لوگوں نے اپنا نام اس منصب کے امیدواروں کی فہرست میں لکھانے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی افسوس ہے کہ اس دور کی کوئی ذہنی و فکری تاریخ مرتب نہیں کی گئی جس میں اس عہد کے قلب و دماغ، جذبات و خیالات، تمناؤں اور آرزوؤں کی پرچھائیاں نظر آتیں، پہلے اور پچھلے دوروں کی طرح سب تلخیص سرکار و دربار کے گرد گھومتی ہیں اور ان میں زیادہ تر انقلابات سلطنت، فتح و ہزیمت، بادشاہوں کی داد و دہش، اہلکاران سلطنت کے عزل و نصب اور امراء کے عیش و عشرت کی داستانیں اور رزم و بزم کے افسانے ملتے ہیں۔ اگر دسویں صدی کے عالم اسلام کی کوئی فکری تاریخ ہوتی تو ہمیں صاف نظر آتا کہ الف ثانی کے قریب کتنے دلوں میں تمنائے خام نے چراغ روشن کر دیئے تھے اور انھوں نے ایک نئی مسند پیشوائی اور ایک نئی سیادت و قیادت کا خیمہ نصب کرنے کے لئے چوب اور طنابیں مہیا کرنی شروع کر دی تھیں۔

صفوی حکومت کے قیام کے بعد جس نے شیعیت کو حکومت کی طاقت اور اقبال سے سارے ایران کا مذہب بنا دیا تھا اور اگرچہ اس سلطنت کے بانیوں کے مورث اعلیٰ شیخ صفی الدین سلسلۃً و ذوقاً صوفی تھے لیکن شیعیت کو چونکہ تصوف سے بیر ہے اس کے دور اقتدار میں اس ایران میں جس نے امام غزالی طوسی، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری، مولانا جلال الدین رومی[1] اور مولانا عبدالرحمن جامی جیسے عارف و محقق پیدا کئے تھے اور جس سے بغداد و دہلی و اجمیر کو پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی، شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی، خواجہ بزرگ شیخ معین الدین چشتی اور شیخ محقق خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی میسر آئے تھے تصوف کا چراغ بالکل گل ہو گیا دوسری طرف کتاب و سنت کا

---

[1] آپ اصلاً بلخ واقع خراسان کے رہنے والے تھے حال واقع ملک افغانستان۔

وہ علم و فن حدیث جس کا ایران بڑا مرکز رہ چکا تھا، اور جس نے تاریخ اسلام کو مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری، ابو عیسیٰ ترمذی، ابوداؤد سجستانی، ابن ماجہ قزوینی اور حافظ ابو عبدالرحمن نسائی جیسے امام حدیث اور مصنفین صحاح عطا کئے، وہ اب کتاب و سنت اور علم حدیث سے بالکل بیگانہ اور تہی دامن تھا، اب اس کے علم کا تمام تر سرمایہ اور اس کے امتیاز و تفوق کا میدان یونانی علوم و حکمت (فلسفہ و منطق) تھے۔ اس انقلاب نے جس نے نبی عربی ﷺ کے صحابہ کرام اور ان کی سنت و احادیث سے اس مردم خیز اسلامی ملک کا رشتہ پہلے ہی کاٹ دیا تھا، ملک کے ذہین اور طباع طبقہ کا رابطہ نبوت محمدی، عقیدۂ ختم نبوت اور دین اسلام کے خلود و بقاء کے عقیدہ سے اگر منقطع نہیں کیا تو کمزور ضرور کر دیا، اور اگر اہل بیت کرام سے (تشیع کی بنیاد پر) عقیدت و نسبت نہ ہوتی تو اس ملک کا مجوسیت، ماقبل اسلام کی تہذیب اور شاہنامۂ فردوسی کے رستم و اسفندیار کے دور کی طرف واپس چلے جانے کا خطرہ تھا۔

ایسی حالت میں نویں اور دسویں صدی کے ایران میں انتشار انگیز تحریکوں، اور اسلام کے خلاف عقلی و فلسفی سازشوں کا پیدا ہونا خلاف قیاس اور خلاف توقع نہیں، جس کی سب سے ترقی یافتہ مثال نویں صدی کے آخر اور دسویں صدی کے ابتدا کی نقطوی تحریک ہے، جو ایران کی اس بے چین روح کا بہترین مظہر ہے جس نے کبھی مزدک کی شکل میں کبھی مانی کے روپ میں اور کبھی حسن بن صباح کے لباس میں ظہور کیا تھا، اور جو ایک ملحدانہ تحریک ہے بقول اسکندر منشی کے :۔

آں طائفہ بمذہب حکماء عالم را قدیم	یہ فرقہ حکماء کے مذہب کے مطابق
شمردہ اند و اصلاً اعتقاد بحشر اجساد و	عالم کو قدیم مانتا ہے، اجسام انسانی
قیامت ندارند و مکافات حسن و قبیح	کے دوبارہ زندہ ہونے اور حشر و نشر کا

اعمال را در عافیت و ذلت دنیا قرار داده بہشت و دوزخ ہا قراری شمارند[1]	مطلق عقیدہ نہیں رکھتا اعمال کے حسن و قبح کی جزا و سزا کو دنیا کی راحت و ذلت کی شکل میں اسی کو بہشت و دوزخ سمجھتا ہے۔

شاہنواز خاں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

علم نقطہ را ایجاد نمودند و اباحت و توسیع مشرب است شغل ایشان بقدم عالم گرویدند و انکار حشر و قیامت نمایند و مکافات حسن و قبح اعمال و جنت و نار در عافیت و ذلت دنیا قرار دہند[2]	علم نقطہ ایجاد کی اور زندقہ اباحت (سب کچھ جائز ہے) اور توسیع المشربی (سب ٹھیک ہے) کا نام ہے حکماء قدیم کی طرح وہ قدم عالم کے قائل اور حشر و قیامت کے منکر ہیں اعمال کے حسن و قبح کا انعام و سزا اور جنت و دوزخ اسی دنیا کی خوشحالی اور تنگ حالی کو سمجھتے ہیں۔

وہ نظریۂ ارتقاء کے قائل ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہونچ جاتے ہیں[3] نباتات کے اگنے میں قدرت خداوندی کا کوئی دخل نہیں وہ محض کواکب و عناصر کی ترکیب کا عمل ہے[4] قرآن پاک کو نبی کریم کی تصنیف

---

[1] تاریخ [illegible] عباسی جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ [2] مآثر الامراء جلد ۳ صفحہ ۲۱۱

[3] دبستان مذاہب صفحہ ۳

[4] سبیل الرسول ورق ۱۰۲ الف نسخہ قلمی موجودہ مولانا آزاد کلیکشن مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

سمجھتے ہیں اور مسائل شریعت کا ہی اڑانے کا شوق زیادہ، اس فرقہ کے پیرو نماز، حج، روزہ اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں[1]۔ ماہ رمضان کا نام انھوں نے "ماہ گرسنگی و تشنگی" رکھا ہے، طہارت وغسل کے مسائل کی بھی تضحیک کرتے ہیں[2]۔ اور محرمات ابدیہ کی حرمت کے بھی قائل نہیں، وہ نقلیات کے منکر اور عقلیات کے داعی ہیں[3]۔

اس فرقہ کا بانی محمود بسیخوانی کو بتایا جاتا ہے[4]۔ اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ہندوستان و ایران کے ہزاروں لوگوں کو متاثر کیا۔ اور ایران میں اس کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی۔ نقطویوں کا یہ عقیدہ تھا کہ نزول آدم سے ظہور محمود بسیخوانی تک آٹھ ہزار سال کی مدت ہوتی ہے۔ یہ دور عربوں کی سیادت کا دور تھا کیونکہ اس مدت میں پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔

---

[1] ایضاً   [2] ایضاً

[3] اعتقادات نقطویاں یا پسیخانیہ محمد اسلم کی کتاب "دین الٰہی اور اس کا پس منظر" بحوالہ ڈاکٹر احمد سلیم پویتری علی گڑھ کی کتاب "تاریخی و ادبی مطالعے" سے اخذ کیا گیا ہے، مزید تفصیل اور مستند معلومات کے لئے ملاحظہ ہو "نقطویان یا پسیخانیان" از ڈاکٹر صادق کیا۔ [4] محمود بسیخوانی یا پسیخانی گیلانی نے استرآباد میں ۸۰۰ھ میں اس نئے مذہب کا اعلان کیا۔ [illegible] میں اس کی وفات ہوئی۔ اس فرقہ کی بنیاد ایران میں نویں صدی ہجری کی بالکل ابتداء میں ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس کا دائرہ بڑھا، یہاں تک کہ دسویں صدی اور گیارہویں صدی میں ایران و ہندوستان میں اس فرقہ کے پیروؤں کی تعداد ہزاروں تک پہونچ گئی تھی۔ اس فرقہ کو ملاحدہ، بے دین، اہل تناسخ کے نام سے ایرانی مورخین و ہندوستانی مصنفین نے یاد کیا ہے۔ اور چونکہ محمود کے نزدیک ہر چیز کی تخلیق خاک سے ہوتی ہے اور وہ خاک کو نقطہ کہتا ہے۔ یا اس لئے کہ اس نے مطالب قرآن کو اپنے خیال کے مطابق بیان کرنے میں حروف کے نقطوں کی تعداد سے مدد لی ہے، اس فرقہ کو نقطوی یا اہل نقطہ کہتے ہیں۔ (یہ حالات ماخوذ ہیں: مضمون "فرقہ نقطوی پر ایک مقالہ" از نذیر احمد مشمولہ تاریخی و ادبی مطالعے از ڈاکٹر نذیر احمد)۔

محمود بسیخوانی کے ظہور سے عربوں کی سیادت ختم ہو گئی ہے[1]، لہذا آئندہ آٹھ ہزار سال تک پیغمبر عجمیوں ہی میں پیدا ہوا کریں گے۔[2]

نقطویوں کے عقائد کے سلسلہ میں جن کا کسی قدر یہاں بیان ہوا، ان کا یہ نظریہ بنیادی اور انقلابی اہمیت رکھتا ہے (اور ہماری اس بحث اور مجدد صاحب کے تجدیدی کارنامہ سے خاص تعلق ہے) کہ مذہب اسلام منسوخ ہو چکا ہے، اس لئے محمود کا لایا ہوا دین قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔ "دین اسلام کی میعاد ختم ہو چکی ہے، اس لئے اب نئے دین کی ضرورت ہے"[3] دسویں صدی میں اس عقیدہ کا ظہور و اعلان صاف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس عقیدہ الفی کے قائل ہیں، اور الف ثانی سے اپنا کام زور و شور سے شروع کرنے والے ہیں۔ شاہ عباس صفوی نے ایران میں نقطوی مذہب کی پیروی کے الزام میں ہزاروں نقطویوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، بادشاہ اس معاملہ میں اپنے پیشروؤں سے زیادہ سخت واقع ہوا تھا، بادشاہ کی نظر میں اس سے زیادہ خطرناک کوئی دوسرا گروہ نہ تھا، چنانچہ ۱۰۰۲ھ میں اس نے بڑے پیمانہ پر ان کا قتل عام کیا، اس قتل و غارتگری کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سے نقطوی جان بچا کر ہندوستان بھاگ آئے، انہی میں مولانا حیاتی کاشی بھی تھے، جو دو سال تک قید میں رہنے کے بعد شیراز آئے اور [illegible]ھ میں وطن میں کچھ دن قیام کرکے بالآخر ہندوستان چلے آئے، [illegible]ھ میں وہ احمد نگر میں موجود تھے، شریف آملی جو بڑا با کمال عالم تھا، اس فرقہ کے اکابر سے تعلق رکھتا تھا، وہ اپنے زمانہ کی سخت گیریوں سے تنگ آ کر ہندوستان چلا آیا تھا، اکبر بادشاہ اس کے ساتھ

---

[1] محمود یا اس کے کسی مرید کا شعر ہے ~

رسید نوبت رندان، عاقبت محمود
گذشت آنکہ عرب طعنہ بر عجم میزد

[2] دبستان مذاہب ص[illegible]

[3] ایضاً ص[illegible]

پیر جیسا سلوک کرتا تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ میر شریف آملی نے محمود بسیخوانی کی تحریروں سے ثبوت پیش کر کے اکبر کو دین نو کے اختراع کی ترغیب دی، اس نے محمود کی پیشگوئی بیان کی کہ سنہ ۹۹۰ھ میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو دین باطل مٹا کر دین حق قائم کرے گا۔

بدایونی اور خواجہ کلاں[1] دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ شریف آملی نے ایران سے بھاگ کر بلخ میں مولانا محمد زاہد نبیرۂ شیخ حسین خوارزمی کی خانقاہ میں پناہ لی اور صوفیوں کی طرح رہنے لگا، اس کی طبیعت کو چونکہ درویشی سے کوئی مناسبت نہ تھی اس لئے اس نے ہرزہ سرائی اور شطاحی کو اپنا شعار بنا لیا، جب مولانا محمد زاہد کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو انھوں نے اس کو اپنی خانقاہ سے نکال دیا، اور وہ دکن چلا گیا۔

دکن میں ان دنوں شیعیت کا دور دورہ تھا، اس لئے لوگوں نے شریف آملی کو شیعی عالم سمجھتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیا، جب لوگوں کو اس کے عقائد معلوم ہوئے تو وہ اس کے درپے آزار ہوئے، بدایونی کے الفاظ[2] یہ ہیں:-

حکام دکن می خواستند کہ لوح ہستی — دکن کے حکام اس کا نقش حیات ہی
اوراز نقش حیات پاک سازند — مٹا دینا چاہتے تھے لیکن بعد ازاں
عاقبت برسوائی قرار یافتہ رسوائی — انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے گدھے پر
تشہیرش نمودند[3]۔ — بٹھا کر اس کی تشہیر کی جائے۔

اکبر نے ہزاری منصب دے کر اسے اپنے مقربین کے زمرہ میں شامل کر لیا، بنگال میں اس کو دین الٰہی کا داعی مقرر کیا، اور وہ اکبر کے چار مخلص یاروں میں شامل تھا، دین الٰہی کے

---

[1] خواجہ عبید اللہ فرزند خواجہ باقی باللہ مصنف مبلغ الرجال۔ [2] منتخب التواریخ جلد ۲ صفحہ [illegible]

[3] مبلغ الرجال ورق ب

مریدوں اور معتقدوں کے سامنے اکبر کی وہ نیابت بھی کرتا تھا[1]۔ "مآثر الامراء" میں ہے "تصوف وحقائق بسیار ورزیدہ و الحاد و زندقہ را بداں خلط دادہ، دعوائے ہمہ اوست می کرد و ہمہ را الشریٰ گفت[2]۔" ابوالفضل علامی کے متعلق بعض معاصر تاریخ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ نقطوی تحریک سے متأثر تھا۔ شاہ عباس صفوی نے نصرآباد کاشان میں ممتاز ترین نقطوی داعی اور ذمہ دار میر سید احمد کاشی کو جب قتل کیا تو اس کے کاغذات کے ذخیرہ میں جن نقطویوں کے خطوط ملے ان میں ابوالفضل کا بھی ایک خط تھا۔ معاصر تاریخ نویس اسکندر منشی تاریخ عالم آرائے عباسی میں لکھتا ہے:۔

> "ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ ابوالفضل پسر شیخ مبارک بھی جو ہندستان کے فضلاء میں تھا اور سلطان اکبر کی نگاہ میں بہت زیادہ تقرب حاصل کر چکا تھا اسی مذہب کا پیرو تھا اسی نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بنا کر جادۂ شریعت سے منحرف کر دیا ہے۔ اس کا خط جو میر احمد کاشی کے نام لکھا گیا تھا اور جو میر مذکور کے کاغذات میں دستیاب ہوا ابوالفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے[3]۔"

خواجہ کلاں اپنی کتاب "مبلغ الرجال" میں محمود پسیخوانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> "شیخ ابوالفضل ناگوری بساط آں آئین خسارت قرین را در مملکت ہندوستان گسترد[4]۔"

ان تاریخی شہادتوں سے بہ اندازہ ہوتا ہے کہ نقطوی فرقہ یا تحریک کے داعیوں اور علمبرداروں نے ہندوستان آکر الف ثانی کے لئے نئے دور، نئے دین اور نئے آئین کے لئے کس طرح ایک تخت مسند تیار کر رکھی تھی جس پر مسند آرا ہونے کے لئے ایک با اختیار و طاقتور موزوں شخصیت درکار تھی اور اس کے لئے ان کی نظر میں اکبر سے زیادہ کوئی اہل نہ تھا۔

---

[1] منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ [illegible] [2] مآثر الامراء جلد دوم صفحہ [illegible] [3] استفادہ از مضمون فرقۂ نقطویہ یک مقالہ از نظر مندرجہ کتاب تاریخی و ادبی مطالعے از ڈاکٹر نذیر احمد صفحات [illegible] [4] مبلغ الرجال ورق [illegible] مخزونہ [illegible]

بابِ دوم

اکبری عہد حکومت اور اس کے دو متضاد دور

اکبر کی مذہبی اور دیندارانہ زندگی

عہد اکبری اور بعد کے وقت کے تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اکبر کی تخت نشینی اور ابتدائی عہد حکومت نہ صرف ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے شروع ہوا، بلکہ خوش عقیدگی اور مذہبی غلو اور تقشف کے ساتھ اس کا آغاز ہوا، اس کے ثبوت کے لئے دربار اکبری کے مشہور مصنف و عالم اور عہد اکبری کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب منتخب التواریخ سے منتخب کر کے عہد اکبری کے اس دور کے چند متفرق واقعات اور بادشاہ کے حالات نقل کئے جاتے ہیں جب وہ اپنے اسلاف کی طرح ایک سیدھا سادہ خوش اعتقاد مسلمان تھا، اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم نہ ہونے، ماحول کے اثر اور اپنے عہد کے رواج کے مطابق، جس میں مشائخ و مزارات کے بارے میں غلو، حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی اور بدعات عام تھیں، بزرگوں کے مزارات کے لئے طویل طویل سفر (شد رحال) کرتا تھا، یہ عقیدہ اور خلاف جمہور محققین کے ازدحام پر بدعت سرزد ہوتا تھا، اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر گزرانتا تھا، خود ذکر میں انہماک کے ساتھ مشغول رہتا، علماء اور صلحاء کی صحبت میں وقت گزارتا تھا،

اور مجلس سماع میں شرکت کرتا تھا۔

اکبر کی دینداری اور مذہبی غلو کی شہادت میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے اور اس سے اکبر کی تعریف نکلتی ہے اور اس بارہ میں ملا عبد القادر بدایونی کی تاریخ و تصنیف میں کسی مخالفانہ جذبہ کے کام کرنے یا عناد کا کوئی سوال نہیں، البتہ اکبر کی زندگی کے دوسرے دور (دین الٰہی کے نظریہ کی اشاعت، وحدت ادیان کے عقیدہ، اسلام سے بُعد و وحشت، مذاہب غیر کے بارہ میں حد سے بڑھی ہوئی رواداری اور اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ) کی شرح و تفصیل میں ہم ملا عبد القادر کے بیانات نقل کرنے میں (جن کی صحت و استناد اور ان کی تاریخی غیر جانبداری کے سلسلہ میں ان اخیر برسوں میں بعض حلقوں کی طرف سے بڑا شک و اشتباہ پیدا کر دیا گیا ہے[1])

---

[1] اکبر کے دور ثانی کے بارے میں ملا عبد القادر بدایونی کے بیانات اور شہادتوں کو ان کے دینی تعصب اور اکبر سے ذاتی عناد و مخالفت پر محمول کرنے اور ان کی کتاب "منتخب التواریخ" کو مجروح و ساقط الاعتبار کرنے کی پچھلے برسوں سے جو مہم شروع ہوئی ہے اس کی کوئی قیمت علمی بنیاد اور تاریخی ثبوت نہیں، اس الزام کی تہ میں بھی محض جذبہ اکبر کی عظمت اور اس کو ہر طرح کے الزامات سے بری کرنے کے جذبہ (جو خاص تعلیم و تربیت اور ماحول و زمانہ کا نتیجہ، اور ایک مقصد کے ماتحت تاریخ نویسی کا اثر ہے) سوء ظن یا غیر منطقی رویہ ہے، جو شخص بھی ذرا غور سے منتخب التواریخ کا مطالعہ کرے گا، وہ مصنف کے خلوص و صداقت، دردمندی اور جرأت حق گوئی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، کتب تاریخ کا وسیع مطالعہ کرنے والے کو تاریخ و افسانہ میں امتیاز کرنے اور مصنف اور اس کی کتاب کے پایہ کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خود صراف کی طرح کھرے کھوٹے کا فرق سمجھنے لگتا ہے۔

[2] بیٹ منتخب التواریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح
([illegible])

...احتیاط برتیں گے اور مخالفین کے بیانات پر انحصار نہیں کریں گے بلکہ ان کو اکبر کے مخلص و وفادار ارکان سلطنت، مؤرخین دربار اور اس عہد کے غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات اور شہادتوں کی محض تائید میں پیش کریں گے۔

"منتخب التواریخ" کے حسب ذیل بیانات ملاحظہ ہوں:-

"شہزادہ سلیم کی ولادت کے شکرانہ میں بادشاہ نے اجمیر کا پیادہ پا سفر کیا، واپسی میں دہلی میں پڑاؤ ڈالا اور اولیائے دہلی کے مزارات کی زیارت کی"[1]

"اجودھن جا کر حضرت شیخ المشائخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کی، مرزا نعیم اصفہانی کو میر یعقوب کشمیری کے ساتھ تحفہ کے ارادہ میں سرفرازی"[2]

"اوائل شعبان میں بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا سات کوس سے پیادہ پا مزار پر حاضر ہوا نقارہ نذر گزرانا، اکثر شب علماء اور صلحاء کے ساتھ صحبت اور مجلس سماع گرم رہی"[3]

"جب عبادت خانہ بنا ہوا اور بادشاہ کے ذکر میں آنا ایک رہتا تھا (سنہ ۹۸۳ھ) میں... عبادت خانہ کی تین عمارتوں کی تعمیر کا تفصیلی ذکر"[4]

"عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ، علماء و امراء کی مجلس ہوتی، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

اسی زمانہ میں قاضی جلال اور دوسرے علماء کو حکم ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر بیان کی جائے"[5]

اپنے مسلک کا، اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں جیسے متعصب جو شاہی کاموں کو گوارہ نہیں، جو اپنی غلطیوں اور مؤرخوں کو اس صفائی اور بے پروائی کے ساتھ آشکار کرتے ہیں" (السیف جلد ۵ صفحہ ۲۴۹)

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۱۲۳ [2] ایضاً ص ۱۲۴ [3] ایضاً ص ۱۵۸ [4] ایضاً ص ۲۰۰-۲۰۱ [5] ایضاً ص ۲۱۲

سنہ [illegible]ھ کے واقعات میں فتح پور سیکری میں عبادت خانہ میں علماء و مشائخ کی صحبت شب جمعہ کی شب بیداری کا ذکر آتا ہے۔

"جب خان زماں نے اکبر کے خلاف بغاوت کی تو اس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے بادشاہ دہلی کے تمام اولیاء اللہ کے مزارات پر بغرض دعا حاضر ہوا۔"[1]

ماہم آنگہ کے تعمیر کردہ مدرسہ خیر المنازل کے پاس سے گزرتے ہوئے، فولاد نامی ایک شخص نے (شرف الدین حسین کے ایماء سے) بادشاہ پر ایک تیر چلایا، بادشاہ کو معمولی سا زخم آیا، جو چند روز کی مرہم پٹی سے درست ہو گیا۔ اس ناگہانی حملہ سے بچ نکلنے کو بقول بدایونی "از تجلیات غیبی و کرامات پیران حضرت دہلی دانستہ" اولیاء دہلی کی کرامت سمجھا۔[2]

"ایک بار اجمیر جاتے ہوئے اس عہد کے مشہور بزرگ شیخ نظام نارنولی (جن کے زہد و اتقاء کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی) خدمت میں حاضر ہوا۔"[3]

سنہ [illegible]ھ میں اجمیر میں سید حسین خنگ سوار کے مزار پر اور اس کے چند سال بعد ہانسی میں حضرت قطب جمال کے مزار پر بڑی عقیدت و نیاز کے ساتھ حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی۔[4]

شیخ سلیم چشتی کے ساتھ عقیدت خاص تھی ان کا روضہ بڑے اہتمام سے تعمیر کرایا اور اس عقیدت و محبت کی بناء پر ولی عہد سلطنت (جہانگیر) کا جو کہا جاتا ہے کہ ان کی دعا سے پیدا ہوا سلیم نام رکھا۔ بادشاہ نے سلیم کی ولادت سے قبل رانی جودھابائی کو شیخ کے گھر بھیج دیا تھا تاکہ ان کی توجہ اور دعا رانی کے شامل حال رہے۔[5]

"اسی طرح شہزادہ مراد کی ولادت بھی شیخ ہی کے گھر میں ہوئی تھی۔"[6]

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ صـ [illegible]
[2] ایضاً صـ ۲۹۲
[3] ایضاً صـ [illegible]
[4] ایضاً صـ [illegible]
[5] ایضاً صـ [illegible]
[6] ایضاً صـ [illegible]

"شہزادہ سلیم جب مکتب نشینی کے قابل ہوا تو اس کی رسم تسمیہ خوانی کے لئے اپنے عہد کے مشہور محدث مولانا میر کلاں ہروی کو زحمت دی اور انھوں نے بادشاہ اور عمائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادہ کی بسم اللہ کرائی۔"[1]

"جب شہزادہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گیا تو اسے حکم دیا کہ شیخ عبد النبی کے گھر جا کر ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرے اور اس نے مولانا جامی کی چہل حدیث ان سے پڑھی۔ اکبر کو شیخ عبد النبی (نبیرۂ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی و صدر جہاں عہد اکبری) سے اتنی عقیدت تھی کہ اکثر وہ ان کے گھر جا کر ان کے درس میں شرکت کرتا، ایک دو مرتبہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کیں۔"[2]

"اکبر نے ان کے لئے کارخانہ شاہی میں خصوصی دوشالہ تیار کروایا اور ملا عبد القادر کے ہاتھ ان کی خدمت میں بھیجا، اور کہا کہ یہ آپ ہی کے لئے شاہی کارخانہ میں تیار ہوا ہے۔"[3]

"اس عہد کے مشہور شطاری شیخ، شیخ محمد غوث گوالیاری کے گزارہ کے لئے ایک کروڑ دام سالانہ آمدنی کی جاگیر مخصوص کر دی، ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند شیخ ضیاء اللہ کے ساتھ بھی نیازمندانہ طریقہ پر برتا جاتا۔"[4]

"بزرگوں سے یہ عقیدت مندی اکبر کو موروثی طریقہ پر ملی تھی، اس کے تیموری آباء و اجداد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ بابر کا دادا سلطان ابو سعید پا پیادہ ان کی خدمت میں جایا کرتا تھا اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو بھی خواجہ صاحب سے بڑی عقیدت تھی، خود بابر بھی اپنی تزک میں ان کا ذکر بڑے احترام سے کرتا ہے۔ اکبر کے خاندان کی خواتین و بیگمات کے رشتے نقشبندیہ خاندان کے بزرگوں سے ہوئے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے اخلاف میں سے ایک بزرگ خواجہ یحییٰ ہندوستان[5]

---

[1] ایضاً ص ۲۱ [2] ایضاً ص ۲۲۴ [3] ایضاً ص ۲۲۴ [4] ایضاً ص ۲۷۲ [5] ایضاً ص ۲۸۰

تشریف لائے تو اکبر نے ان کا بڑا اعزاز کیا۔ ان کے مصارف کے لئے ایک جاگیر عطا کی اور انھیں امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا، واپسی پر انھیں مستقل طور پر آگرہ میں ٹھہرا لیا۔[1]

اکبر نے ہفتہ کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے، جو باری باری مقررہ دن میں نماز کی امامت کرتے تھے۔ بدھ کے روز کی امامت ملا عبدالقادر بدایونی سے متعلق تھی۔[2]

ہر سال ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ سے حج کے لئے بھیجتا تھا۔ امیر حاج کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد و جنس بھیجتا تھا۔ قافلہ کی روانگی کے دن حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر سر کے بال تھوڑے سے ترشوا کر لبیک کہتا ہوا ننگے سر برہنہ پا دور تک انھیں رخصت کرنے جاتا۔ اس منظر سے ایک شور برپا ہوتا اور لوگوں پر رقت طاری ہوتی۔[3]

جب ہندوستان میں شاہ ابوتراب حجاز سے قدم رسول لے کر تشریف لائے اور وہ آگرہ کے قریب پہونچے تو بادشاہ، امراء و علماء کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ شہر سے چار کوس باہر نکل کر استقبال کے لئے گیا۔[4]

آخر میں اس کی دینداری کی شہادتوں کو ہم عہد سلطنت مغلیہ کے مشہور مؤرخ میر عبدالرزاق خافی خاں معروف بہ صمصام الدولہ شاہنواز خاں (۱۱۱۱ھ ۔ ۱۱۷۱ھ) کی مشہور کتاب مآثر الامراء کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:۔

اکبر بادشاہ بہ ترغیب شیخ در اجراء احکام	اکبر بادشاہ احکام شرعیہ و امر معروف
شرعی و امر معروف و نہی منکر فراواں	و نہی منکر کے سلسلہ میں بڑی کوشش
جہدی فرمود و خود اذان می گفت	کرتا تھا، خود اذان کہتا اور امامت
و امامت می کرد حتی بقصد ثواب	کرتا حتیٰ کہ ثواب کی نیت سے مسجد

---

[1] ایضاً ج ۳ ص ۱۹ [2] ایضاً ج ۲ ص ۲۷۲ [3] ایضاً ص ۲۱۵ [4] ایضاً ص ۲۲۲

بمسجد جاروب کشی[1]   میں جھاڑو بھی دیتا تھا۔

اکبر کے مزاج میں تغیر اور عہد اکبری کا دور ثانی[2]

اکبر کی دینداری اور مذہبی شغف کی اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، پڑھنے والے ان سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایسی سطحی، ذوقی اور عامیانہ قسم کی مذہبیت تھی جس کی بنیاد دین کے صحیح فہم، کتاب و سنت سے واقفیت اور براہ راست علم و مطالعہ پر نہیں تھی، اور وہ بجائے علمائے راسخین کی تعلیم اور صحیح دینی صحبت و تربیت کی رہین منت ہونے کے، محض مذاق زمانہ، مزاج سپاہیانہ اور وسط ایشیاء کے دین سے ناواقف امراء و اہل حکومت کی تقلید و نقالی اور خوش عقیدگی بلکہ ضعیف الاعتقادی پر مبنی تھی (اس دینداری کا رکن اعظم مزارات پر حاضری دینا، کوسوں پیادہ پا چل کر وہاں آنا، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ (جو اکثر بے علم، اسلاف کے کمالات سے عاری اور صحیح روحانیت سے خالی ہوتے تھے) اپنی نیازمندی اور عقیدت کا اظہار، خانقاہوں کی جاروب کشی، مجالس ذکر و سماع میں شرکت اور درباری سرکاری "علماء و مشائخ" کی

---

[1] مآثر الامراء ج ۲ ص ۵۲۲

[2] بیان کیا جاتا ہے کہ جہانگیر نے جو تزک میں اکبر کے انتقال کا جو حال لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا، اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ کر اس حالت میں جان دی کہ سورۂ یٰسین اور دعا پڑھی جا رہی تھی۔ ہم کو اس باب میں اس سے بحث نہیں کہ خدا کا معاملہ اس کے ساتھ کیا رہا اور وہ دنیا سے کس حال میں رخصت ہوا، ہمیں اس کے ان اقدامات و کارروائیوں سے بحث ہے جو اس نے نئے دین و آئین کے جاری کرنے میں کیں اور ان اثرات سے جو ان کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں پر مرتب ہوئے۔

توقیر و تعظیم تھی اکبر کے حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ وہ ناخواندہ محض تھا[1] تیموری خاندان کے مزاجوں میں عام طور پر غلو، انتہا پسندی اور حد سے بڑھی ہوئی خوش عقیدگی داخل ہے، ہمایوں کے متعلق تاریخ میں آتا ہے کہ وہ محنت کرنے، میدان جنگ کی سختیاں اٹھانے اور ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے پر آتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گوشت پوست کا نہیں لوہے کا بنا ہوا ہے اور انسان نہیں جن ہے لیکن جب آرام کرنے پر آتا تو سب بھول جاتا، اور معلوم نہیں ہوتا تھا کہ میدان جنگ کا ایک جانباز سپاہی ہے، جہانگیر میں بھی یہ تضاد اور بے اعتدالی نظر آئے گی۔

پھر یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ جن ناہموار اور غیر معمولی حالات میں اس کا بچپن اور عنفوان شباب گزرا تھا، چچاؤں کی بے مروتی، بے مہری اور خون کے سفید ہو جانے کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، اور جو کڑوے بلکہ زہر آلود گھونٹ اس نے باپ کی شکست اور سفر ایران کے زمانہ میں پئے تھے، پھر بیرم خاں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اس سب نے اس کی طبیعت میں انسانی فطرت کی طرف سے بدگمانی، بڑے سے بڑے اور اچھے سے اچھے آدمی کے خلوص و وفاداری کے بارہ میں شک اور مزاج میں ایک طرح کا تلون پیدا کر دیا تھا۔

---

[1] اکبر جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا تو رواج زمانہ کے مطابق اس کی مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی اور ملا زادہ عصام الدین ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے لیکن جلد اندازہ ہوا کہ اکبر کو تعلیم کی طرف رغبت نہیں ہے معلم کی ناکامی بے توجہی پر محمول کیا گیا، ملا زادہ کی جگہ مولانا بایزید کا تقرر ہوا مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا آخر بادشاہ نے مولانا عبدالقادر [illegible] کو منتخب کیا مگر ابتدائے اقبال شہزادہ کی طبیعت تعلیم پر مائل نہ ہوئی، سیاسی حالات اور ان کے تغیر میں سرگردانی و نقل مکانی نے اس کو اور مہلت نہ دی اور اکبر تعلیمی لحاظ سے بے سواد اور ناخواندہ رہ گیا

(ملخص از تاریخ عہد اکبری)

مذاہب کا تقابل و تحقیق اور مجالس مناظرہ اور ان کا اثر

اس صورت حال کی اصلاح، اس کی ان کمزوریوں پر غلبہ حاصل کرنے اور اس کو اسلام سے وابستہ اور دین سے منسلک رکھنے بلکہ بہت سے سلاطین اسلام کی طرح (جن میں سے بعض اس کے خاندان میں بھی پیدا ہوئے) دین کا حامی و ناصر بنائے رکھنے کے لئے موزوں صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اکبر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ ہے (اور یہ ایسی کمزوری تھی جو بابر سے لے کر سلطنت مغلیہ میں بہادر شاہ تک کسی میں پائی نہیں گئی) مہمات سلطنت اور توسیع مملکت پر اپنی توجہ مرکوز کر دیتا، جس کی اس کے اندر خداداد صلاحیت اور غیر معمولی لیاقت تھی، وہ مذہبی امور میں دخل نہ دیتا، ایک سیدھے سادے مسلمان اور سپاہی کی طرح مذہبی امور کو علماء اور دینی علم ارکان سلطنت کے حوالہ کرتا، جیسا کہ بابر اور ہمایوں نے (تعلیم یافتہ ہونے اور علمی و ادبی ذوق رکھنے کے باوجود) کیا تھا، اور خاص طور پر نازک اعتقادی و کلامی مسائل، مذاہب کے تقابل اور ماوراء الطبیعاتی (غیبی) حقائق کی تحقیق کے میدان میں قدم نہ رکھتا، جہاں ذرا سی غلطی یا بے احتیاطی سے آدمی کفر و الحاد کی سرحد میں داخل ہو جاتا ہے اور دین و ایمان کا سرمایہ کھو بیٹھتا ہے، اور جس کے مبادی و مقدمات سے بھی اکبر ناآشنائے محض تھا، اور جو سیاسی مصالح اور ایسے بادشاہ کے مفاد کے بھی خلاف تھا، جس نے چار سو برس کی مسلمان سلطنتوں سے ملک کا چارج لیا تھا، ان نازک اعتقادی اور کلامی مسائل میں دخل دینے اور اس میں سلطنت کے اثر و رسوخ کے استعمال کرنے کی غلطی مامون الرشید (متوفی ۲۱۸ھ) جیسے عالم و ذہین خلیفہ کو بھی راس نہ آئی، اور وہ اس سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ کر سکا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول، فتنۂ خلق قرآن، ص ۹۰ تا ۱۰۱

لیکن اکبر نے بے چین طبیعت اور متجسس دماغ پایا تھا، ادھر اقبال مندی اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کو اپنے بارہ میں کسی قدر خوش فہمی اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ سمجھنے لگا تھا کہ جس طرح وہ سیاسی گتھیوں کو سلجھاتا اور ملکی مسائل کو حل کرتا ہے اسی طرح وہ مذہب و عقائد کی پرخار وادیوں میں بھی کامیاب ترکتازیاں کر سکتا ہے۔

دوسری طرف بعض شاطر ارکان دربار نے کچھ تو اپنا ذہنی تفوق ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ بادشاہ کی تفریح طبع اور رونق مجلس کے لئے بجائے مرغوں اور تیتروں کی پالیوں اور سانڈوں اور ہاتھیوں کی لڑائی کے (جو مشرقی سلاطین و امراء کی ندیم تفریح تھی) مختلف مذاہب اور فرقوں کے علماء کے دنگل قائم کئے، اور اس کو تحقیق مذہبی اور علمی مباحثہ کا نام دیا، یہ بالکل بدیہی حقیقت ہے (اور مذاہب و افکار کی تاریخ میں اس کا سیکڑوں بار تجربہ ہو چکا ہے) کہ اگر ان مناظروں، علماء اور مذاہب کے وکلاء کی بیت بازیوں کا سننے والا گہرا اور وسیع علم اور دقیقہ رس دماغ نہیں رکھتا اور اس سے بھی بڑھ کر توفیق الٰہی اس کا ساتھ نہیں دیتی تو اس کا تشکک و ارتیاب سوفسطائیت اور لاادریت کی وادی میں بھٹکنا یا الحاد و زندقہ کی عمیق خندق میں گر جانا بالکل قدرتی امر ہے۔

جہانگیر جس کی اکبر کے بارہ میں شہادت سے زیادہ کوئی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی تزک میں لکھتا ہے۔

پدرم در اکثر اوقات با دانایان ہر	والد ماجد اکثر ہر دین و مذہب کے
دین و مذہب صحبت می داشتند،	دانشوروں سے ملاقات کرتے تھے،
خصوصاً با پنڈتان و دانایان ہندو	خصوصاً ہندوستانی فاضلوں اور
با آنکہ امی بود از کثرت مجالست	پنڈتوں سے، اور امی ہونے کے باوجود

با دانایان و ارباب فضل در گفتگوہا چناں
ظاہر می شد کہ ہیچ کس را امی بودن ایشاں
نمی فہمید و بر دقائق نظم و نثر چناں می
رسید کہ مافوق برآں متصور نبود[1]

کثرت مجالست کے سبب علماء و
فضلاء کے ساتھ گفتگو میں کسی کو ان کے
امی و ناخواندہ ہونے کا احساس نہیں
ہوتا تھا نظم و نثر کی باریکیوں کو اس طرح
سمجھتے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اسلام، ہندو مذہب اور ہندوستان کے دوسرے مذاہب و فرق ہی کے نمائندوں، وکیلوں ہی پر اس بارہ میں اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ نوبت دانایان فرنگ تک پہونچی، خود ابوالفضل لکھتا ہے کہ دربار کی طرف سے توریت و انجیل و زبور کے ترجمے اور ان کے مطالب کو بادشاہ تک پہونچانے کا اہتمام کیا گیا، اور اس کے لئے ایک درباری فاضل سید مظفر کو متعین کیا گیا، اور بعض عیسائی اہل سلطنت کو لکھا گیا۔

در اوقات طیبہ با دانایان ہمہ ادیان
صحبت داشتہ از کلمات نفیسہ و معانی
عالیہ ہر کدام مستفید و مستفیض می شویم
چوں تباین السنہ و تغایر لغات در میان
ست لائق آں کہ بارسال ایں طور
کسی کہ آں مطالب عالیہ با حسن عبارت
خاطر نشاں کند مسرور سازند و بہ پہلو
رسیدہ کہ کتب سماوی مثل توریت و

ہم فارغ اوقات میں تمام مذاہب
کے دانشوروں سے ملتے اور ان کے
کلمات پاکیزہ اور بلند خیالات سے
مستفید ہوتے ہیں، زبانوں کی اجنبیت
حائل ہے، اس لئے کسی ایسے شخص کو
بھیج کر مسرور کریں جو ان مطالب
عالیہ کو اچھی عبارت کے ذریعہ
دلنشیں کرے، سنا ہمایوں تک یہ بات

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۵

انجیل و زبور بزبان عربی و فارسی	پہنچی ہے کہ کتب سماوی توریت،
درآورده اند اگر آن کتب مترجم یا غیر	انجیل و زبور کے ترجمے عربی فارسی میں
بن که نفع آن عام و فائده آن تام	ہوئے ہیں اگر وہ مترجم کتابیں اس
باشد دران ولایت بوده باشند	ملک میں ہوں تو افادۂ عام کے لئے
فرستند در شهر تا بجهت تاکید مراسم	انھیں بھیج دیں اور رسم محبت کی تجدید
وداد و تشیید مبانی اتحاد و سیادت	اور بنیاد اتحاد کی پختگی کے خیال سے
آب فضائل اکتساب صادق العقیده	ہم نے سیادت مآب سید مظفر کو جو
والاخلاص سید مظفر را که بمزید التفات	ہماری عنایات سے سرفراز ہیں ان
عنایت سرفراز و مخصوص بوده تراجم	تراجم کے چند نسخوں کے لئے بھیجا ہے
نسخ چند بالشافه خواهد گفت اعتماد	وہ آپ سے بالمشافہ گفتگو کریں گے
نمایند و محصول ابواب مکاتبات و	آپ ان پر اعتماد کریں اور برابر خط و
مراسلات را مفتوح دارند۔[1]	کتابت کرتے رہیں۔

ترجمہ کے علاوہ خود عیسائی پادری دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے مذہب و بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور عقیدۂ تثلیث اور عیسائیت کو دلائل سے ثابت کیا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

دانایان مرتاض ملک فرنگ که ایشان	دربار میں ملک فرنگ کے مرتاض دانشمند
را پادری و مجتهد ایشان را پاپای	کا بھی ایک گروہ تھا ان لوگوں کو پادری
گویند انجیل آوردند و بر ثالث ثلثه	کہتے ہیں اور ان کے بڑے مجتہد کا نام

---

[1] رقعات ابی الفضل ص

دلائل گزرانیدہ و حقیقت نصرانیت اثبات کردہ۔[1]	پاپا (پوپ) سے ان لوگوں نے انجیل مقدس کی اور ثالث ثلثہ کے متعلق دلائل پیش کئے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

مجالس مناظرہ کا بڑا تجربہ ہے کہ کسی مذہب کی صداقت اور اس کی ترجیح کا فیصلہ کرنے کے لئے محض دلائل کی قوت، علمی ثبوت کافی اور فیصلہ کن نہیں ہوتا، اس کا بہت کچھ دارومدار اس مذہب کے وکیلوں اور نمائندوں کی چرب زبانی اور قوت بیانی پر ہے بعض مرتبہ ایک کمزور مذہب کے وکیل زیادہ قادر الکلام، خوش بیان، نفسیات انسانی سے واقف اور موقع شناس ہوتے ہیں، وہ سننے والے کو متاثر اور معتقد بنا لیتے ہیں، اور ایک صحیح مذہب کے ترجمان (کسی وجہ سے) ان خصوصیات سے عاری اور ان کاموں کے سحر سے خالی ہوتے ہیں، اور وہ اپنے اس نقص کی وجہ سے بازی ہار جاتے ہیں، اس کا بہت شبہ ہے کہ اکبر کے دربار میں اسلام کی نمائندگی اور ترجمانی کرنے والے جو علماء موجود تھے، اور جو ان دانایان فرنگ کے مقابلہ میں کھڑے کئے جاتے تھے، ان کا تورات و انجیل، اور مذہب عیسوی کا مطالعہ اور اس کی کمزوریوں سے واقفیت اور اسلام کو عقلی و علمی طور پر پیش کرنے کی صلاحیت اس درجہ کی نہ تھی کہ وہ ان کو ان مغربی فضلاء کا مد مقابل بنا سکے اور وہ اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کرسکیں۔ اس صورت حال سے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ان غیر ملکی عیسائی فضلاء کی علمی و عقلی برتری کا نقش قائم ہوگیا ہو، اور علمائے اسلام (جو اس میدان کے مرد نہ تھے) اس کی نظر سے گر گئے ہوں۔

اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا، ملا عبدالقادر لکھتے ہیں:۔

اہل بدع و اہوا بمقتضائے آرائی	اہل بدعت اور ہواپرست اپنی غلط آراء

---

[1] منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۶۰

فاسد در شبہات باطلہ از کمین برآمدہ باطل را بصورت حق و خطا را بلباس صواب جلوہ دادہ پادشاہی را کہ جوہری نفیس و طالب حق بود اما عامی محض و مستأنف و مستأنس بکفرہ و اراذل، و در شک انداختہ حیرت بر حیرت افزود و مقصود از میان رفت، و سد سدید شرع مبین و دین متین شکست و بعد از پنج شش سال خود اثری از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد لہ

اور باطل شبہات کے سبب کمین گاہ سے نکل آئے اور باطل کو حق کی صورت میں اور خطا کو صواب کے لباس میں پیش کرنے لگے، اور بادشاہ کو جو جوہر ذاتی رکھتا تھا، اور طالب حق مگر عامی محض اور کافروں سے مانوس تھا، شک میں مبتلا کر دیا، اور اس کی حیرت بڑھا دی، اور مقصد فوت ہو گیا اور شریعت کا بند ٹوٹ گیا اور پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا کوئی اثر نہ رہ گیا اور معاملہ بالکل الٹ گیا۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

و ہر یکے از ارکان دین و عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ چہ در اصول و چہ در فروع مثل نبوت و کلام و رویت و تکلیف و تکوین و حشر و نشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزاء آوردہ۔ ٹہ

ارکان دین میں سے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت و کلام، رویت الٰہی، انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر و نشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے جانے لگے۔

لہ منتخب التواریخ جلد دوم ص [illegible]

ٹہ ایضاً ص [illegible]

اس پر طرہ یہ ہوا کہ تفسیر و تاریخ جیسے نازک مضمون جن میں ناخدا ترس اور غیر راسخ العلم لوگوں کو ذہنی انتشار پیدا کرنے کی بڑی گنجائش ہے اس اُمّی بادشاہ کے دربار اور وہ بھی غیر سنجیدہ اور بے باک فضا میں پڑھے جانے لگے۔

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں :-

و دریں ایام قاضی جلال و دیگران	انہی دنوں میں قاضی جلال اور دوسرے
را از علماء فرمودند تا تفسیر قرآن مجید	علماء کو حکم ہوا کہ تفسیر قرآن بیان کریں
می گفته باشند و درمیان علماء بر سر آں	اور خود علماء کے درمیان اس معاملہ
غوغائی بود۔ و دیپ چند مسخرہ راجہ	میں بڑی کشمکش تھی۔ دیپ چند مسخرہ
بھوری گفت کہ اگر گاو نزد حق تعالیٰ	راجہ بھوری کہتا تھا کہ اگر حق تعالیٰ
معظم نبودی در اول سورہ قرآنی چرا	کے نزدیک گائے محترم نہ ہوتی تو قرآن
مذکور شدی و چوں تاریخ خواندہ می شد	کی پہلی سورہ میں کیوں مذکور ہوتی اور
روز بروز اعتقاد از اصحاب فاسد شدن	جب تاریخ پڑھی جانے لگی تو روز بروز صحابہ
گرفت و کام فرائض برنہادند نماز	لوگوں کا اعتقاد خراب ہونے لگا اور
و روزہ و جمیع نبوات تقلیدیات	سرے لگے بڑھ کر نماز روزہ اور تمام نبوی
نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین	نقلیات کو تقلیدیات کا نام دینے لگے یعنی
بر عقل گزاشتند نہ نقل و آمد و رفت	انہیں غیر معقول کہنے لگے اور دین کا
فرنگیاں نیز شد و بعضی اعتقادیات	مدار بجائے نقل کے عقل پر رکھنے لگے
عقل ایشاں را فرا گرفتہ۔ ۱؎	فرنگیوں کی آمد و رفت بھی عام ہونے لگی

۱؎ منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۱۲

چنانچہ ان کے بھی بعض اعتقادات
قبول کر لئے۔

اکبر کے تغیر مزاج و انحراف میں علمائے دربار و ارکان سلطنت کی ذمہ داری

اکبر کو اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رکھنے اور اس کے مزاج کو بے اعتدالی اور انحراف سے بچانے میں علمائے دربار و ارکان سلطنت بھی بڑا بنیادی اور مفید کردار ادا کر سکتے تھے، لیکن اس کے لئے ایک طرف ایسے علماء کی ضرورت تھی جو حکمت دین اور تفقہ کا جوہر رکھتے ہوں، ان کی نظر جزئیات سے زیادہ کلیات پر، وسائل سے زیادہ مقاصد پر اور "فصل" سے زیادہ "وصل" کی اہمیت و ضرورت پر ہو، اخلاق عالیہ سے متصف، بے لوث اور بے غرض، جاہ طلبی اور حب دنیا سے امکانی حد تک دور ہوں، اور ان کا کسی درجہ میں "تزکیہ نفس" ہو چکا ہو، وہ اس عظیم نوخیز اسلامی سلطنت کی اہمیت و نزاکت کو خوب سمجھتے ہوں، جو اس غیر مسلم اکثریت سے (جس میں اب بھی اپنے سلطنت و اقتدار سے محرومی کا احساس باقی ہے اور جس کے تعاون کے بغیر کوئی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی) گھری ہوئی ہے اور یہ کہ ان کو جس تیموری سلطنت کی خدمت، رہنمائی کا زریں اور تاریخی موقع ملا ہے، وہ اس وقت ترکی کی عثمانی سلطنت کے بعد مملکت کی وسعت، وسائل کی کثرت، انسانی طاقت اور مذہبی جذبہ کی فراوانی ہر لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت ہے، اس لئے اس کی حفاظت، اس کا اسلام سے رشتہ قائم رکھنے، اس کے سربراہ کو ان نازک حالات میں اس "شیشہ و آہن" اور اس "پنبہ و آتش" کو یکجا رکھنے میں مدد دینا وقت کی سب سے بڑی عبادت اور دین و ملک کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

دوسری طرف ایسے ارکان سلطنت اور مشیران دربار کا مہیا ہو جانا ضروری تھا،

جو اسی دین پر (جس کو بابر نے رانا سانگا (۹۳۳ھ) کے مقابلہ میں میدان جنگ میں نہایت تضرع سے توبہ کر کے اور خدا سے بندگی کا عہد استوار کر کے سلطنت کی بنیاد بنایا تھا[1]) خود بھی محکم عقیدہ رکھتے ہوں اور بادشاہ کے لئے بھی اسی کو پسند کرتے ہوں، وہ ہر قسم کے ذہنی انتشار سے محفوظ اور ان تخریبی اور ملحدانہ تحریکوں سے دور ہوں جو دسویں صدی میں ایران و ہندوستان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جو سلطنت و معاشرہ کا رابطہ کمزور کرنے والی، اعتقادی و اخلاقی انارکی پھیلانے والی تھیں، ان میں سلطنت کے نظم و نسق اور دستور سازی کی صلاحیت کے ساتھ اخلاقی بلندی دینی استقامت اور مذہبی پابندی بھی پائی جاتی ہو۔

اگر یہ دونوں عنصر اکبر اور اس کی سلطنت کو میسر آجاتے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سلطنت مشرق میں حمایت اسلام اور خدمت دین کا وہی کردار ادا کرتی جو مغرب میں آل عثمان کی سلطنت نے ادا کیا بقول اقبال ؎

نہ تھے ترکان عثمانی سے کم ترکان تیموری

لیکن یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ اکبر کو (اس کی اقبال مندی اور خوش نصیبی کے ساتھ) ان دونوں جماعتوں میں سے جو عنصر ملا وہ اتنا ہی نہیں کہ وہ اس معیار پر پورا نہیں اترتا تھا بلکہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اس سلسلہ میں خدمت کے بجائے بدخدمتی، اکبر کو دین سے قریب کرنے کے بجائے اس کو دین سے دور و متوحش و متنفر بنانے اور ان مخالف اسلام دعوتوں اور تحریکوں سے دور رکھنے یا ان کے استیصال پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کو ان دعوتوں اور تحریکوں کا علمبردار بلکہ ان کا مرکز و نشان بنانے کی خدمت انجام دینے والے تھے۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ۔

علمائے دربار

ہم پہلے عنصر علمائے دربار کو پہلے لیتے ہیں، جن کا اکبر شروع سے جانبدار رہا تھا، اور جن پر اس نے سب سے زیادہ اعتماد کیا، اور جن کو خود بھی دربار میں سب سے پہلے تقرب حاصل ہوا، اور جو اسلام کے ایک بڑے عالم و مجاہد حضرت عبداللہ بن مبارک کی نظر میں تین گانہ عناصر فساد میں سے ایک اہم عنصر ہیں ؎

وهل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء ورهبانها

دین کو سلاطین، علمائے سوء اور زاہدان دنیادار کے سوا کس نے بگاڑا ہے؟

ہم اس موقع پر بھی ملا عبدالقادر بدایونی کی شہادتیں نقل کرتے ہیں، جو خود ارکان دربار میں سے تھے اور ان کے ان بیانات میں بھی جو انھوں نے ایک تاریخی شہادت کے طور پر خود اپنی جماعت اور رفقاء کے متعلق دیئے ہیں ان کی کوئی ذاتی غرض اور عناد معلوم نہیں ہوتا، علمائے دربار کی تصویر کشی انھوں نے اس طرح کی ہے:۔

"مجلس عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ کو سادات و مشائخ اور علماء و امراء کی طلبی ہونے لگی آگے پیچھے بیٹھنے میں مشائخ و علماء سے نفسانیت کا اظہار ہوا، ہر ایک دوسرے سے آگے اور ممتاز جگہ بیٹھنا چاہتا تھا، بادشاہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ حکم دیا کہ امراء جانب مشرق بیٹھیں، سادات جانب مغرب، علماء جنوب میں اور مشائخ شمال میں، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا اور مسائل کی تحقیق کرتا[1]"

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ایک رات علماء بیٹھے زور زور سے بولنے اور بحث کرنے لگے

---

[1] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۰۰

بادشاہ کو اس سے تنفّر پیدا ہوا اور اس نے اس کو بے تمیزی اور دنیاداری پر محمول کیا۔[1]

بایک دیگر تیغ زبان کشیدہ در مقام	باہم دگر تیغ زبان کھینچ کر مقابل آگئے
تنافی و تقابل بودند و اختلاف بجائے	اختلاف یہاں تک بڑھ گیا کہ ایک
اینجا رسید کہ تکفیر و تضلیل ہمدیگر نمودند	دوسرے کی تکفیر و تضلیل پر اتر آئے
رگ گردن علماے زماں برآمد و آوازہا	اس وقت کے علماء کی گردنوں کی
بلند و ہمہ مذہبی ظاہر شد ایں معنی	رگیں پھول گئیں اور آوازیں بہت
بخاطر اشرف گراں آمدہ۔	بلند ہوئیں اس بات سے خاطر اشرف
	پر گرانی ہوئی۔

اکبر نے اس پر آزردہ اور مکدر ہو کر ملا عبدالقادر سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بے تمیزی کا مظاہرہ کرے اسے وہاں سے اٹھا دیا جائے۔

اعلیٰ دینی عہدہ داروں میں ایک اہم رکن ملا عبداللہ سلطانپوری تھے[2] جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا، انھوں نے محض اس لئے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضۂ حج کے سقوط کا فتویٰ دیا تھا، زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی حیلۂ شرعی[3] سے کام لیتے تھے اور اس کی فرضیت سے بچ جاتے تھے، انھوں نے عہد اکبری اور اپنے عروج کے زمانہ میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ سونے سے بھرے ہوئے چند صندوق ان کے آبائی قبرستان سے برآمد ہوئے جنھیں مُردوں کے

---

[1] ایضاً ص [illegible]

[2] یہ سلطان پور مشرقی پنجاب میں جالندھر کے قریب ہے، ان کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد ۵۔

[3] یعنی جوں ہی سال پورا ہونے (ایک سال گزر جانے) سے پہلے وہ روپیہ جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی تھی اپنی بیوی یا کسی دوسرے عزیز کو دے دیتے، وہ ایک عرصہ کے بعد واپس کر دیتا، اس طرح وہ ہر سال زکوٰۃ سے بچ جاتے اور حیلۂ شرعی کا نمونہ ہے تا ختم سال یہی عمل کرتے۔

بہانے سے انھوں نے دفن کر دیا تھا[۱]۔

مخدوم الملک کے بعد دوسرا درجہ صدر الصدور مولانا عبدالنبی[۲] کا تھا جو اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے عالم اور خاص طور پر فن حدیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے لیکن منتخب التواریخ کی بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علمی پایہ کچھ بلند نہ تھا اور عربی کے بعض الفاظ کی تصحیح و تحقیق بھی پورے طور پر نہ کی تھی[۳]۔ اکبر نے ان کو صدر الصدور کا عہدہ دیا اور ان کو ایسا جاہ و جلال اور اختیار و اقتدار حاصل ہوا کہ ان کے سامنے اچھے اچھے ارکان سلطنت کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ بادشاہ نے کئی بار اپنے ہاتھوں سے ان کو جوتے پہنائے۔ بڑے بڑے علما شرف باریابی حاصل کرنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازے پر کھڑے رہتے۔ سارے ہندوستان کے علما و مشائخ اور سجادہ نشینوں کو جاگیریں عطا کرنا، معافیاں دینا اور وظائف جاری کرنا ان کا کام تھا اور اس میں انھوں نے ایسی دریا دلی سے کام لیا کہ پچھلی سلطنتوں میں بھی اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

لیکن ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق (جو ان کے ہم عصر دوست اور شریک دربار تھے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ علما کے اصلی اخلاق، اپنے خاندان کی بہترین روایات و خصوصیات بلکہ عام تہذیب اور موقع شناسی سے بھی عاری تھے۔ ممکن ہے کہ اس اعلیٰ عہدے نے ان میں یہ تبدیلی

---

[۱] ایک روایت ہے کہ ان قبروں سے تین کروڑ روپے مالیت سونے کی اینٹیں برآمد ہوئیں۔

[۲] شیخ عبدالنبی، شیخ احمد گنگوہی کے صاحبزادے اور حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے لیکن علمائے حجاز سے حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی جس کی وجہ سے ان کو اپنے خاندانی مسلک وحدۃ الوجود و سماع سے اختلاف ہو گیا تھا اور ان کے تعلقات اپنے والد سے اچھے نہیں رہے تھے۔ حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر جلد پنجم۔

[۳] علمائے حجاز بالخصوص شہاب الدین احمد بن حجر مکی جیسے ماہر فن اور ثقہ وقت سے علم حدیث حاصل کرنے اور صاحب تصنیف ہونے کے بعد یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ معمولی عربی لفظ کو غلط [illegible] واللہ اعلم بالصواب؟

پیدا کر دی ہو، ان کا اخلاقی اثر بھی بادشاہ اور ارکانِ دربار پر اچھا نہیں پڑا، ملا عبدالقادر ان کو اپنے عہدہ و رسوخ کا غلط استعمال کرنے اور اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا الزام دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو دوڑانا شروع کیا، لوگ شیخ کے وکیلوں، ان کے فراشوں، دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوت دینے پر مجبور ہو گئے کہ اس کے بغیر کاربرآری نہیں ہوتی تھی۔[1]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دینی احتساب کرنے میں وہ حکمت و موقع و محل کی رعایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے اور بعض اوقات خود بادشاہ اس کی زد میں آجاتا تھا۔ مآثر الامراء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کی ایک سالگرہ کے موقع پر امراء، علماء و مشائخ بادشاہ کو مبارکباد دے رہے تھے، بادشاہ کے بدن پر زعفرانی رنگ کا لباس تھا، شیخ نے اس لباس پر اعتراض کیا، اور دوسرا لباس پہننے کی تاکید کی، لیکن یہ تاکید اس جوش سے کی کہ ان کے عصا کا سرا بادشاہ کے لباسِ شاہی کو جا لگا، بادشاہ نے اس کو برداشت کر لیا، لیکن اس کو یہ بہت ہتک محسوس ہوئی، اور جب وہ حرم میں گیا تو اپنی والدہ سے شیخ کی شکایت کی، والدہ نے جو ایک بزرگ خاندان کی بیٹی تھیں بادشاہ کو سمجھایا کہ اس وقت اس کا یہ تحمل تاریخ میں اس کے مناقب میں لکھا جائے گا کہ ایک عالم نے جو رعیت میں سے تھا جہاں پناہ کو عصا مارا اور وہ محض شریعت کے احترام میں خاموش رہا۔[2]

اس کے علاوہ مصیبت یہ پیش آئی کہ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی دونوں ایک دوسرے کے حریف و رقیب ہو گئے، مخدوم الملک شیخ عبدالنبی کو الزام دیتے تھے اور شیخ عبدالنبی مخدوم الملک کی تجہیل و تکفیر کرتے تھے، اور ان کے حامی ایک دوسرے کے صف آرا ہو جاتے

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۰۲

[2] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۵۱۱

تھے، مخدوم الملک اور صدر شیخ عبدالنبی کے حالات سے (اگر وہ بالکل اسی طرح ہیں جو تاریخ میں آئے ہیں) اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات علم و حکمت دینی اور تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس کسی لحاظ سے اس نازک زمانہ (عہد اکبری) اور اس اہم اور پیچیدہ ماحول (دربار اکبری) میں دین کی صحیح نمائندگی اور نیابت رسول کے کام کے لئے موزوں نہ تھے، اس کے لئے اگر سلیمان بن عبدالملک خلیفہ اموی کے مشیر و وزیر رجاء بن حیوۃ اور خلیفہ ہارون رشید کے دینی مشیر و قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف کے درجہ کا عالم و متقی اور فرزانہ و مدبر نہ ہوتا تو کم سے کم عبدالعزیز آصف خاں اور قاضی شیخ الاسلام جیسے صاحب کمال، عالی دماغ اور زاہد و متقی مشیر سلطنت ہوتے، اکبر کے دربار میں جیسا کہ آگے آئے گا، ایران و ہندوستان کے جو ذہین و متبحر علمائے معقول اور ادیب جمع ہو گئے تھے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان دونوں سے کہیں بہتر صلاحیتوں، دین و شریعت کے نمائندوں اور سلطنت کے مذہبی محافظوں اور مشیروں کی ضرورت تھی۔

اکبر نے جو (ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق) ان علماء کو جو اس کے عہد کی زینت تھے غزالی و رازی سے بہتر سمجھتا تھا جب ان کی یہ حیثیت و حرکتیں دیکھیں تو علمائے سلف کو بھی انہیں پر قیاس کر کے سرے سے علماء ہی کا منکر ہو گیا۔

ارکان سلطنت و مشیران دربار

ارکان سلطنت کے بارے میں اکبر کی بدقسمتی علمائے دربار سے کم نہ تھی، علم و ثقافت سے سادہ لوح ہونے کی بنا پر اس پر ہر زبان آور، ذہین و طباع کا جادو چل جاتا تھا، خاص طور پر جب وہ ولایت (ایران) سے آیا ہو، جس کو ہندوستان و افغانستان کے رہنے والے ایران کا

لہ ان دونوں کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۴ (از مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی مرحوم)

درجہ دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں جب اکبر کے قدم دین کے میدان میں ڈگمگا رہے تھے، ایران سے تین بھائی حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم ہمایوں (حکیم ہمام) اور نورالدین قراری آئے اور دربار میں اونچی جگہ پائی، کچھ عرصہ کے بعد ملا محمد یزدی ولایت سے آئے اور صحابہ کرام کے حق میں بیباکانہ زبان طعن کھولی، حکیم ابوالفتح نے قدم آگے بڑھایا اور حقائق دینی اور وحی، نبوت، معجزات وغیرہ کا برملا انکار کیا[1]۔ اسی عرصہ میں شریف آملی کی ایران سے آمد ہوئی جو (جیسا کہ اوپر کہا گیا) محمود بسیوانی کے نقش قدم پر چلتا اور ملحدانہ عقائد رکھتا تھا۔

ان ایرانی فضلاء و اہل کمال کے علاوہ اعتقادی تزلزل اور مذہبی انتشار کے اسی دور میں کالپی کا رہنے والا ایک حاضر جواب، ناظم مجلسی میں کمال رکھنے والا، بذلہ سنج اور لطیفہ گو برہمن برہم داس نامی دربار میں داخل ہوا اور بہت جلد بادشاہ کے مزاج میں دخیل اور دربار میں کرسی نشین ہوگیا، اور مصاحب خاص کا اعزاز پاکر راجہ بیربل کے نام سے مشہور و مقرب ہوا[2]، اس نے ہوا کا رخ دیکھ کر مذہبی معاملات میں اور نازک اسلامی عقائد و مسائل میں بیباکانہ اور استہزائی رویہ اختیار کیا، اور چونکہ یہی "سکۂ رائج الوقت" تھا، اس لئے ہر طرف سے داد پائی، بادشاہ کے مزاج کو دین کے معاملہ میں غیر سنجیدہ بنانے میں اس کو بھی بڑا دخل ہے[3]۔

ملا مبارک اور ان کے فرزند فیضی و ابوالفضل

اسی طرح یہ ہوا کہ دربار میں ملا مبارک ناگوری کی آمدورفت شروع ہوئی[4] اور اس کے

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۱۱۔

[2] راجہ بیربل کے اخلاق و کیریکٹر کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو دربار اکبری از محمد حسین آزاد صفحہ ۳۶۴۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۱۱۔

[4] ابوالفضل نے اکبرنامہ میں مبارک کے اول مرتبہ دربار میں پہنچنے کو ۹۷۴ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے۔

دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخل اور دربار میں ایسا اعزاز حاصل ہوا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ ہوا تھا۔ ملا مبارک اور ابوالفضل فیضی تینوں کے حالات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے نہایت ذکی، اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے، علوم عقلیہ و ادبیہ پر حاوی، کاری کے شاعر و انشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم و طرز تدریس، تحقیق اور رائج و مقبول علوم و فنون کے لحاظ سے لائق فاضل و دانشمند تھے، اگر اس تبحر و تفنن علمی، ذہن کی درّاکی طبیعت کی موزونیت اور زبان و قلم کی ہم زبانی کے ساتھ ان باپ بیٹوں میں دین میں استقامت رسوخ فی الدین، خدا ترسی و آخرت کوشی اور اخلاص و للّٰہیت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے جس کی نظیر ملنی مشکل ہوتی، لیکن ان کے حالات اور خود ابوالفضل و فیضی کی تصنیفات کے مطالعہ سے حسب ذیل حقائق کا علم ہوتا ہے۔

(۱) ملا مبارک (جو اس فتنہ کا نقطۂ آغاز تھے) کی طبیعت میں بے چینی اور دماغ میں فطرتاً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہونے کے بعد ان کے اندر بجائے جمع و تطبیق اور تاویل و توجیہ کے سب کا انکار و بیزاری کا رجحان پیدا ہو گیا، اور وہ اس پورے فقہی ذخیرے اسلاف کی محنت سے بے اعتقاد ہو گئے، ادھر شیراز کے مشہور فاضل مولانا ابوالفضل گازرونی کے حلقہ میں شریک ہو کر ان پر فلسفہ کا غلبہ ہوا، بجائے مشائخ و اہل حق سے سلوک و تزکیہ میں کسب فیض کرنے اور مکائد شیطان اور امراض نفس سے واقف ہونے کے تصوف و اشراق کی کتابوں کا براہ راست مطالعہ کر کے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اور ان سب کوچوں سے گزرنے کے بعد ان کے اندر ایک تلون و انتشار پیدا ہو گیا، اور وہ ان میں ہر رنگ میں

رنگنے اور "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" پر عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خواجہ کلاں جن کی تربیت شیخ مبارک کی بیٹی کے گھر میں ہوئی تھی[1] ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

در ہر عصر آنکہ مشرب و مذہب شد ہ	ہر زمانے کا جو مروجہ مذہب و مشرب
وقت خودی ساخت کہ ملوک امرائے عصر	اپنا لیتے تھے جس سے امراء و ملوک
بداں مذہب رغبت داشتند[2]	بھی رغبت رکھتے تھے۔

مسٹر ولیزلی ہیگ کہتے ہیں کہ شیخ مبارک مختلف ادوار میں سنی، شیعہ، صوفی اور مہدوی کے علاوہ خدا جانے کیا کیا رہ چکا تھا[3]۔

(۲) طبیعت میں جو مستعدی اور جاہ طلبی تھی اس لئے علم و درس کے محدود دائرہ میں محبوس رہنا ان کی موّاج طبیعت کو گوارہ نہ ہوا۔ اکبر کے دربار پر اپنے علم و ذہانت کا سکہ جمانے کا شوق ہوا، اور وہ اکبر کے سایہ میں (جو سایۂ ہما کی طرح سمجھا جانے لگا تھا) آگئے اور خود تو نہیں لیکن اپنے دونوں بیٹوں کو درباری بنا دیا۔

(۳) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے زمانہ اور خاص طور پر مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی جو دربار پر حاوی تھے) نے ان کو وہ مقام نہیں دیا تھا جس کے وہ اپنی ذہانت اور فضیلت کی بنا پر اہل تھے اور ان کے بعض عقائد و خیالات اور تلون مزاجی کی بنا پر ان کی دینی حلقوں میں مخالفت کی گئی یا ان سے بے اعتنائی برتی گئی۔ اس کا زخم ان کے دل پر گہرا لگا۔ مولوی محمد حسین آزاد

---

[1] خواجہ کلاں نے حضرت خواجہ حسام الدین کے گھر میں تربیت پائی تھی، خواجہ حسام الدین کی اہلیہ مبارک کی دوسری بیٹی تھیں (تاریخ ہندوستان جلد ۵ صفحہ ۱۳۱)

[2] [illegible] الرجال ورق ۳۹ الف

[3] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد ۴ صفحہ ۱۰۱

کے ادیبانہ الفاظ میں "شیخ مبارک نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے کہ دل چھلنی ہو رہا تھا شیخ (ابوالفضل) اور شیخ کے باپ ملا مبارک نے مخدوم اور صدر وغیرہ کے ہاتھوں برسوں تک زخم کھائے تھے جو عمروں میں بھرنے والے نہ تھے"[1] دوسری جگہ لکھتے ہیں: "شیخ مبارک پر جو مصیبتیں مخدوم کے ہاتھوں گزری تھیں، بیٹوں کو بھولی نہ تھیں، انھوں نے ان کے تدارک کی فکر کی، اکبر کے کان بھرنے شروع کیے اور اکبر کے خیالات بھی بدلنے لگے"[2] مولوی محمد حسین آزاد آزاد خیال ہونے کے باوجود یہ بھی لکھتے ہیں کہ فیضی اور ابوالفضل کا معاملہ ان کے باپ کی طرح گومگو رہا۔

علماء کی اس مخالفت اور زمانہ کی اس ناانصافی نے اس پورے گھرانہ کے اندر "احساس کمتری" پیدا کر دیا، جو مختلف شکلوں میں اور اکثر اوقات "احساس برتری" کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔ اور انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے علم و ذہانت کے سامنے کسی کا چراغ جل نہیں سکتا، اس کوشش میں اسلام اور پورا دینی نظام زد میں آ گیا، یہاں تک کہ جب سب چراغ ان دونوں بھائیوں کے علم و ذہانت کے چراغ کے سامنے گل یا ماند پڑ چکے تھے، اور اس مملکت میں انھیں کا طوطی بول رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی چراغ اسلام ان کی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا تو (ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق) ابوالفضل کی زبان پر یہ دو شعر تھے جو بالکل حسب حال تھے ؎

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش اے وائے من و دست من و دامن خویش

ملا مبارک کے دو لائق و باکمال فرزند تھے، ابوالفیض فیضی (ولادت ۹۵۴ھ) اور ابوالفضل علامی (ولادت ۹۵۸ھ)۔

---

[1] دربار اکبری ص [illegible] [2] ایضاً ص [illegible]

فیضی علوم ادبیہ میں کمال رکھتا تھا، اور اس کی فارسی شاعری اور اس کے استاد ہونے میں دو رائیں نہیں، مولانا شبلی نے شعر العجم میں صحیح لکھا ہے کہ فارسی شاعری نے چھ سو برس[1] کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی۔

فیضی کو خواجہ حسین مروی سے تلمذ تھا، اور اس نے ہر فن میں کمال پیدا کیا، ۹۷۴ھ ۱۲ جلوس میں وہ دربار میں پہونچا اور شاہی نوازش سے بہرہ یاب ہوا، فیضی کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا، لیکن اس نے دربار کی کوئی خدمت اختیار نہیں کی، طبیب تھا، مصنف تھا، شاعر تھا، اور انہیں مشاغل میں بسر کرتا تھا، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی اس سے متعلق تھا، چنانچہ ۲۱ جلوس میں شہزادہ دانیال کی تعلیم و تربیت سپرد ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں فیضی نے اس کو ضروری مراتب سکھا دیئے، اسی سن میں اکبر نے اجتہاد و امامت کے دعویٰ سے مسجد میں جا کر خطبہ پڑھا۔ خطبہ فیضی نے لکھا تھا، اکبر نے شیخ عبد النبی کا زور توڑ کر صدارت کے ٹکڑے کر دیئے تھے، چنانچہ ۹۸۸ھ میں آگرہ، کالنجر اور کالپی کی صدارت فیضی کو دی گئی، ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں پر اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس مہم میں مامور کیا گیا، ۹۹۶ھ میں جو اکبر کی تخت نشینی کا ۳۳ واں سال تھا، فیضی کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۳۹ جلوس مطابق ۱۰۰۰ھ میں فیضی کو خاندیس کی سفارت پر متعین کیا گیا، اور اس نے بڑی کامیابی سے یہ خدمت انجام دی، صفر ۱۰۰۴ھ ۴۰ جلوس میں انتقال کیا۔[1]

ادبی تصنیفات، سنسکرت کے تراجم اور منظومات اور دیوان کے علاوہ اس کی سب سے مشہور تصنیف سواطع الالہام[2] ہے، جو قرآن مجید کی غیر منقوط تفسیر ہے، دو سال کی مدت

---

[1] ملخص از شعر العجم حصہ سوم (ص ۳۵-۴۲) [2] فیضی نے اس تفسیر میں اس کی پابندی کی ہے کہ کوئی نقطہ دار (باقی حاشیہ پر)

میں ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی، اکبر نے اس کے صلہ میں فیضی کو دس ہزار روپیہ دیئے¹ فیضی کو اس تصنیف پر ناز تھا اور اس سے عربی زبان و لغت پر اس کی قدرت کا اندازہ ہوتا ہے بدایونی اختلاف مذہبی کے باوجود اس کے کمال علمی اور تبحر کی شہادت دیتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

در فنون جزئیہ از شعر و معمہ و عروض و
قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء
عدیل در روزگار نداشت۔

فنون جزئیہ یعنی شعر و معمہ، عروض و
قافیہ، تاریخ و لغت، طب و انشاء
میں یکتائے روزگار تھا۔

کتابوں کا نہایت شائق تھا، ایک گراں مایہ کتب خانہ جمع کیا تھا، جس میں ۴ ہزار ۶ سو کتابیں تھیں، اور اکثر خود مصنف کی یا اس کے زمانہ کی لکھی ہوئی تھیں۔³

ملا عبد القادر بدایونی اور اس زمانہ کے وہ تمام لوگ جن کے دل میں اسلام کی محبت تھی

---

¹ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کی اس کے زمانہ اور اس کے زمانہ کے بعد عموماً کوئی اچھی قابلیت کا ثبوت اور اس التزام کی تعبیر کیا کہی گئی، اس کو علوم و فنون سے اشتغال نہیں ہے لیکن اس کلام سے اس کی عربی زبان پر قدرت کا کافی اظہار ہوتا ہے اس میں کوئی علمی نکتہ یا افادیت نہیں پایا جاتا، یہ جیسے بعض خطاط چاول پر قل ہو اللہ لکھ کر اپنی باریک نویسی اور خطاطی کا جوہر ظاہر کرتے تھے، اس تکلف کی وجہ سے تحریر بے رنگ اور کلام میں کوئی لطف اور روانی نہیں ہے۔

² شاید اس سے زیادہ مفید اور قابل قدر علمی کارنامہ وہ قرار پائے گا جو اسی زمانہ کے ایک شامی عالم محمد بدر الدین محمد بن الغزی الدمشقی (م ۹۸۴ھ) نے انجام دیا، انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی کہ اس کی ہر ہزار اشعار میں ایک بحر کا ایک نظم منظوم تیار کیا، اور اس کو سلطان سلیمان اعظم کی خدمت میں پیش کیا، سلیمان نے علماء کو دکھایا کہ اس میں کوئی چیز مذہب و عقیدہ کے خلاف یا تحریف کی تو نہیں ہے، علماء نے اس کی تصدیق و تعریف کی، سلیمان نے اس پر مصنف کو انعام دیا [illegible]
[illegible] (م ۱۰۶۱ھ) جزء ثانی

(ترجمہ بدر محمد الغزی ص ۱۵)

³ ماثر الامراء جلد ۲ صفحہ ۵۸۵

اور عہد اکبری کی اس صورت حال سے سخت مغموم و بیزار تھے۔ اس بات پر متفق ہیں کہ فیضی بھی اپنے والد کی طرح عقائد میں تزلزل اور ذہنی انتشار میں مبتلا تھا اور اس کو اکبر کو لا مذہب و ملحد بنانے میں خاص دخل ہے۔ مولانا عبدالقادر نے منتخب التواریخ میں فیضی کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں سے مبالغہ اور انشاء پردازی کے حصہ کو نکالنے کے بعد بھی اس کی آزاد خیالی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا، مولانا شبلی نے شعر العجم میں اس کی طرف سے پورا دفاع کیا ہے، پھر بھی لکھتے ہیں کہ "بایں ہمہ وہ فراخ مشرب اور آزاد خیال تھا، اور جانتا تھا کہ متعصب مولویوں نے مذہب کی جو صورت بنا رکھی ہے، وہ اسلام کی اصل تصویر نہیں، شیعہ سنیوں کے جھگڑوں کو وہ اصل مذہب سے غیر متعلق سمجھتا تھا، ان خانہ جنگیوں کی ہنسی اڑاتا تھا" پھر مولانا نے اس کی عرضداشت کے چند اقتباسات نقل کئے ہیں، جن میں تمسخر اور استہزاء کا انداز ہے[۱] مولانا لکھتے ہیں کہ "فیضی اور ابوالفضل نے علمی مجلسیں قائم کر رکھی تھیں جن میں درباریوں کو علانیہ نظر آ گیا کہ ان متعصبوں کے پاس لعن و تکفیر کے سوا کوئی اوزار نہیں"۔

معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کی زندگی ہی میں اس کے ملحدانہ خیالات کی شہرت ہو گئی تھی، لوگوں نے اس کی وفات کی جو تاریخیں نکالی ہیں اس سے اسی کا اظہار ہوتا ہے، اس کے انتقال کی روایت بھی بڑی عبرت انگیز ہے۔[۲]

ابوالفضل بھی اپنی ذہانت، طباعی اور تفوق علمی میں نوادر روزگار میں سے تھا، اور جس طرح اس کے بڑے بھائی فیضی کو شاعری میں دستگاہ کامل حاصل تھی، وہ تحریر و انشاء پردازی میں ید طولیٰ رکھتا تھا، اکبر نامہ جلد سوم صفحہ ۲۵۳ میں وہ لکھتا ہے کہ کمسنی ہی میں اپنی خود بینی اور

---

[۱] شعر العجم حصہ سوم ص ۴۹-۵۰ [۲] منتخب التواریخ جلد ۲ صفحہ ۴۰۶-۴۰۵ [۳] فیضی کے مذہب پر تبصرہ مولوی محمد حسین آزاد کے قلم سے دربار اکبری ص ۷۶۴ پر ملاحظہ ہو۔

جو شخص آزادی کا حامی اور تقلید کے خلاف تھا، اس کو جنون پیدا ہو گیا تھا۔[1]

۹۸۲ھ میں وہ آگرہ میں دربار میں باریاب ہوا اور اس نے آیۃ الکرسی کی تفسیر بادشاہ کو پیش کی۔ پھر ۹۸۳ھ میں سورۃ الفتح کی تفسیر کا ہدیہ گزرانا۔ اس وقت اس کا تقرب برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وزارت جلیلہ و وکالت مطلقہ کے منصب پر سرفراز ہوا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ آئین اکبری ہے۔ آئین اکبری کو تیموری دور کے ملکی، حربی، شخصی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، ثقافتی، علمی اور مذہبی حالات و واقعات کا آئینہ سمجھنا چاہیے۔ اس کی دوسری مایہ ناز تصنیف اکبر نامہ ہے[2] جو ہندوستان کے تیموری سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ انشائے ابوالفضل کے نام سے اس کے خطوط کا مجموعہ اور دوسری تصنیفات ہیں۔ ۱۰۱۱ھ میں جہانگیر کے اشارہ سے بیر سنگھ دیو نے اس کو قتل کر دیا۔ اکبر کو اس کا بڑا رنج ہوا اور اس نے آنسو بہائے۔

ڈاکٹر محمد باقر اپنے مضمون ابوالفضل مشمولہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھتے ہیں۔

> "ابوالفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد پر جو خاصا عمل دخل پیدا کیا تھا جب اکبر نے ۹۸۲ھ ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علماء کے مباحثے سننے کے لیے عبادت خانہ قائم کیا تو ابوالفضل علماء کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوا اور حیثیت اکبر کے عقائد کی طرف داری کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علماء سے کہیں افضل اور برتر ہیں اور ۱۵۷۹ء میں دربار شاہی سے ایک محضر جاری کیا۔ اس کی رو سے مذہبی امور کے اختلافات

---

[1] بزم تیموریہ صفحہ ۱۶۱

[2] اکبر نامہ کے متعلق مشہور فرانسیسی فاضل کارا ڈی ووکس لکھتا ہے کہ وہ ایک ایسی علمی دستاویز ہے جس پر مشرقی تمدن کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔ جن انسانوں کی داستانوں نے اس عظیم کتاب کے ذریعہ اپنا تعارف کرایا ہے وہ حکومت اور انتظام کے فن میں اپنے زمانہ سے بہت آگے معلوم ہوتے ہیں۔"

CARRA DE VAUX 1/29 PENSEURS DE L'ISLAM _ PARIS 1921

پیشانی کے لئے یہ آخری حکم کبریٰ بنا دیا گیا عبادت خانہ کے مناظروں کے درمیان ہی میں اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چرایا، اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی، اسے ابوالفضل نے بھی قبول کیا۔[1]

مآثر الامراء میں ہے کہ جنت مکانی یعنی جہانگیر بادشاہ خود لکھتا ہے کہ شیخ ابوالفضل نے میرے والد کو یہ ذہن نشین کرا دیا تھا کہ جناب ختمی پناہ میں بڑی فصاحت تھی قرآن انھیں کا کلام ہے۔ اس لئے جب وہ دکن سے آ رہا تھا تو میں نے نرسنگھ دیو سے کہا کہ وہ اس کو قتل کر دے، اس کے بعد میرے والد اس عقیدہ سے باز آگئے۔[2]

لیکن اس بارہ میں سب سے معتبر شہادت خود ابوالفضل کی ایک عبارت ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنے علم و ذہانت سے کام لے کر بادشاہ کی خواہشات کو علمی جامہ پہنانے اور اس کو علمی اسلوب فراہم کرنے اور اکبر کو فرمانروائے سلطنت کی سطح سے امام زماں اور ہادی روحانی کے منصب رفیع تک پہونچانے میں جو کردار ادا کیا تھا، اس پر اس کا[3] ضمیر مطمئن نہیں تھا اور وہ کبھی کبھی اپنی زندگی و بیزاری کا ثبوت دیتا تھا۔ وہ اپنے ایک خط میں جو اس نے غالباً خان خاناں کو لکھا ہے اپنے بارے میں لکھتا ہے۔

و تحریر از آنام و استقلال این نفحہ [illegible] راقم سطور	اس وقت تک کہانی کا ایک حصول الجھا ہے کہ
سیاہ دریچہ مشاغل بلا یعنی [illegible] خود از [illegible] الٰہی	راقم سطور مشاغل الٰہی کے ہجوم میں [illegible]

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۰–۹۱

[2] مقالات سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب لکھتے ہیں کہ ترک جہانگیری کے جو مختلف ایڈیشن ہیں ان میں جہانگیر کا یہ بیان نہیں ہے لیکن ترک جہانگیری کے اس انگریزی ترجمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جو میجر ڈیوڈ پرائس نے کیا تھا صفحہ ۶۳ (بزم تیموریہ صفحہ ۱۶۲)

[3] ابوالفضل اپنی تصنیفات میں اکبر کے لئے امام معصوم، خلیفۃ اللہ، واقف اسرار خفی و جلی اور قاسم ارزاق بندگان الٰہی کے جیسے مبالغہ آمیز الفاظ بے تکلف استعمال کرتا ہے اور ان خوارق و کرامات کی نسبت کرتا ہے جو اس کو مافوق الفطرت انسان ثابت کرتی ہیں (ملاحظہ ہو مقدمہ مع عبارت فارسی)

[illegible] آں شد کہ [illegible]
از عہد النبی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] نہ قدرت
شکیبے نہ قوت گریزے نہ طاقت پرہیز را
[illegible]

کے عقیدہ سے گریز [illegible] ہوگیا اور اس کے
قریب پہونچ گیا کہ خدا کی بندگی کے بجائے
[illegible] کہا جانے لگے ...وہ اس تحریر
میں اپنا یہ خیال ظاہر کر رہا ہے اور تعجب کا اپنا
[illegible]
[illegible]
[illegible] نہ طاقت ہے
[illegible]

صبرے نہ کہ از عشق بپرہیزم من
دستے نہ کہ با قضا آویزم من
بختے نہ کہ با دوست در آمیزم من
پائے نہ کہ از میانہ بگریزم من

راجپوت رانیوں کا اثر

اکبر کے لئے ایک بڑی آزمائش کی بات اور اسلام سے اس کے مزاج کے منحرف ہونے کا ایک قوی سبب یہ تھا کہ اس نے استحکام سلطنت کے لئے راجپوت راجاؤں کے ساتھ رشتے ناطے کئے اور ان کو اعلیٰ ترین مناصب پر مقرر کیا اور ان کا پورا اعتماد حاصل کرنے اور ان کو خوش کرنے کے لئے بہت سے ایسے کام کئے جو اس کے پیشرو سلاطین نے ابھی تک نہیں کئے تھے مثلاً ذبح گاؤ کی ممانعت، آفتاب کے رخ بیٹھ کر جھروکا درشن، داڑھی منڈوانا، بھدرا کروانا، قشقہ لگوانا، ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر تمام ہندوانہ رسموں میں حصہ لینا۔ اکبر کی ایک بیوی راجہ بہاری مل کی بیٹی اور راجہ بھگوان داس کی بہن تھی، دوسری جودھا بائی جودھ پور کی رانی ‥ .... ان ہندو رانیوں کا اور ان کے واسطہ اور رشتہ سے ان کے بھائیوں اور عزیزوں کا اکبر پر جو اثر تھا اور یہ بالکل قدرتی بات تھی، دین و ایمان پر سب سے پہلا

مکاتبات علامی ابوالفضل دفتر دوم ص [illegible] (لکھنؤ [illegible])

تزلزل جو واقع ہوا، وہ اسی تعلق کا نتیجہ تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا لیکن قریب کے ایک برہمن نے راتوں رات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، قاضی عبدالرحیم نے شیخ عبدالنبی صدر الصدور کی عدالت میں مرافعہ کیا، شیخ عبدالنبی نے اس کی طلبی کا فرمان جاری کیا، تحقیق سے واقعہ کی تصدیق ہوئی اور صدر الصدور نے سزائے موت کا حکم جاری کیا لیکن وہ برہمن رانی جودھا بائی کا پروہت تھا رانی اکبر پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ وہ اس برہمن کو سزا سے بچا لے، بادشاہ عدالتی کارروائی میں مداخلت اور صدر الصدور کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، صدر الصدور نے سزا کا نفاذ کیا لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا اور بقول بدایونی:-

> "دختران راجہائے عظیم ہند نے بادشاہ کے کان بھرے کہ اس نے ملاؤں کو ایسا سر چڑھا لیا کہ وہ شان سلطانی کی بھی پروا نہیں کرتے، اب یہ سوال اٹھا کہ مذہب حنفی میں شاتم رسول کی سزا موت نہیں ہے اس لئے یہ اقدام اس مذہب کے بھی خلاف ہے جس کا قانون اس ملک میں چلتا ہے۔"[1]

محضر اجتہاد و امامت

یہی موقع تھا جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اور وہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا جو اکبر اور اس کی مملکت کے رخ کے پھیرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا اور جو ذہنی و تہذیبی ارتداد کے لیے قصر کا صدر دروازہ کہا جا سکتا ہے[1] اس محضر میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ:-

---

[1] اس محضر کا پورا متن منتخب التواریخ جلد دوم [illegible] طبقات اکبری [illegible] میں ملاحظہ فرمائیے [illegible]

— خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں۔ اس بنا پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے پیش نظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو متعین کر دیں اور اس کا فیصلہ کر دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا فیصلہ قطعی اور اجماعی قرار پائے گا، اور رعایا اور برایا کے لئے اس کی پابندی حتمی و ناگزیر ہوگی۔

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۷ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا۔ بادشاہ کے ایماء پر تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے اور اس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا اور یہی اس سفر کا نقطۂ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے عناد و اختلاف پر جا کر مکمل ہوا۔

محضر پر ایک نظر

سلاطین وقت اور اصحاب اقتدار کی غیر مشروط تائید و حمایت، ان کی لغزشوں اور بے عنوانیوں کی توجیہ و تاویل اور ان کے احکام جابرہ اور بعض اوقات اسلام کو صریح طور پر نقصان پہنچانے اور اس کو بدنام کرنے والے اقدامات اور منصوبوں کے لئے علمی دلائل اور فقہی و کلامی سندیں فراہم کرنے کی نظیروں سے مسلم سلطنتوں کی طویل تاریخ خالی نہیں، علمائے وقت سے بڑی لغزشیں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور انھوں نے کسی اختیاری مصلحت یا کسی اضطراری ضرورت کی بناء پر اپنے منصب و مقام کے خلاف کام کیا ہے لیکن ایسے شاہان وقت کی پشت پناہی بلکہ دین و شریعت کے خلاف منصوبہ بندی کے سلسلے میں اس محضر کی

جس کو شیخ مبارک اکبر کے لئے تیار کیا تھا، مشکل سے نظیر ملے گی، اس میں ایک ایسے جوان سال[1] بادشاہ کو مجتہد سے اونچا درجہ دیا گیا ہے اور اس کو مجتہدین کے اختلافی مسائل میں ترجیح اور انتخاب کا حق عطا کیا گیا ہے اور اس کو اعدل و اعقل و اعلم باللہ مانا گیا ہے جو ناخواندہ محض ہے جس کی طبیعت میں پہلے سے بے قیدی اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی ہے، جس کا علمائے سوء اور شارحین دین و شریعت پر سے اعتقاد و اعتماد اٹھ چکا ہے اور اپنے گھر اور دربار کے ہندوانہ ماحول سے بشدت متأثر اور تیزی کے ساتھ ہندوانہ خیالات و رسوم و عادات کے اختیار کرنے کی طرف مائل ہے، جو مطلق العنان سلطنت اور کامل اختیارات کا مالک ہے، اس کا فائدہ صرف اہل ہوا و ہوس کو یا ان درباری علماء کو پہونچتا تھا، جو بادشاہ کے نام سے اور اس کے احکام و فرامین کے پردہ میں آزادی و بے قیدی کی فضا پیدا کرنا چاہتے تھے، شریعت اسلامی کو بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے تھے یا اپنے پرانے دشمنوں یا حریفوں سے انتقام لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، شیخ مبارک جیسے ذہین و فطین انسان سے اس اقدام کے عواقب و نتائج مخفی نہیں رہ سکتے تھے، اس لئے اس کی توجیہ بڑی مشکل ہے کہ اس محضر کے پیچھے کیا منصوبہ کام کر رہا تھا؟ ایک بالغ نظر مؤرخ جس کی اس طرح کے اقدامات کے نتائج و عواقب پر نظر ہے آج ملا مبارک کی روح کو مخاطب کر کے کہہ سکتا ہے ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم[2]

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال

اس محضر کے صدور اور ملا مبارک کی علمی پشت پناہی اور اس کے بالکل فطری نتیجہ کے طور

---

[1] اس محضر کے صدور کے وقت اکبر کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔

[2] اگر تم کو اس طرز عمل کا نتیجہ معلوم نہیں تھا تو یہ ایک افسوسناک بات ہے، اور اگر معلوم تھا اور تم نے دانستہ یہ کام کیا تو معاملہ نہایت افسوسناک اور مصیبت انگیز ہے۔

ابوالفضل کے دربار میں آ جانے کے بعد مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطانپوری اور صدر الصدور مولانا عبدالنبی گنگوہی کا زوال شروع ہو گیا، مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو جو دربار کا یہ رنگ دیکھ کر خانہ نشین ہو گئے تھے ایک دن زبردستی لایا گیا اور جوتوں کی صف میں بٹھایا گیا، مخدوم الملک کو حجاز جانے کا حکم ہوا، ۹۸۷ھ میں وہ حجاز گئے، وہاں کے اکابر علماء نے ان کا بڑا استقبال کیا اور استاذ العلماء شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی بڑی تعظیم سے پیش آئے، مکہ معظمہ میں تقریباً تین سال قیام کر کے وہ ہندوستان واپس ہوئے، لیکن گجرات پہنچے تھے کہ ان کو زہر دے دیا گیا، اور وہیں ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں انھوں نے انتقال کیا، اس بات کے بارے قرائن موجود ہیں کہ زہر خورانی کا یہ عمل اشارۂ سلطانی سے ہوا، خوافی نے مآثر الامراء میں اس کی تصریح کی ہے۔

شیخ عبدالنبی نے بھی حجاز کا قصد کیا، کچھ مدت وہاں قیام بھی کیا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنا جاہ و جلال اور عہد رفتہ کی یاد بھولی نہ تھی، وہ ہندوستان آئے اور دربار شاہی سے عفو و درگذر کی درخواست کی، ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل کو حکم دیا کہ ان سے حساب فہمی کرے، راجہ نے ان کو محبوس کر لیا، اور ان سے سخت دار و گیر کی، اسی دار و گیر میں ان کا انتقال ہو گیا، لیکن مآثر الامراء میں ہے کہ بادشاہ نے ان کا معاملہ ابوالفضل کے سپرد کیا، اسی نے ان کو گلا گھونٹ کر مار دیا۔

الف ثانی کی تیاری اور دین الٰہی کا اجراء

بادشاہ کو مجتہد مطلق اور مطاع برحق بنانے کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ ظہور اسلام پر ایک ہزار سال گزر چکے ہیں اور دوسرے ہزار سال کا آغاز ہو رہا ہے، اس نئے ہزار سال سے

---

۱ منتخب التواریخ حصہ ۲ صفحہ [illegible]   ۲ نزہۃ الخواطر جلد ۴   ۳ ایضاً

دنیا کی ایک نئی عمر شروع ہو گی۔ اس کے لئے ایک نیا دین، ایک نیا آئین اور ایک نیا شارع اور نیا عالم چاہئے، اور اس کے لئے اکبر جیسے صاحب تیغ و نگین اور امام عادل اور عاقل سے بڑھ کر کوئی موزوں نہیں۔ ملا عبد القادر لکھتے ہیں:-

چوں در ذہن خویش مقرر ساختند کہ	بادشاہ کے ذہن میں چونکہ یہ بات
ہزار سال از زمانہ بعثت پیغمبر اسلام	راسخ ہو گئی تھی کہ پیغمبر اسلام کی بعثت
علیہ السلام کہ مدت بقائے ایں دین بود	کی مدت کے ہزار سال پورے ہو چکے
تمام شد و ہیچ مانع برائے اظہار دعاوی	جو اس دین کی عمر طبعی ہے اور اب کوئی
خفیہ کہ در دل داشتند نماند۔[1]	مانع ان پوشیدہ دلی تقاضوں کے
	اظہار میں نہیں رہا۔

اس فیصلے کے بعد وہ تمام تبدیلیاں شروع کر دی گئیں جن سے یہ خیال مملکت میں عام اور پختہ ہو جائے، چنانچہ سکہ پر، جو ہر ایک کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور جس سے بڑھ کر کوئی اشتہار نہیں، الف کی تاریخ ثبت کر دی گئی[2]۔ تاریخ عالم میں ایک حد فاصل قائم کرنے کے لئے اور اس کو دو دوروں میں تقسیم کرنے کے لئے تاریخ الفی کے نام سے ایک نئی تاریخ کی تدوین کا کام علماء کے ایک بورڈ کے سپرد ہوا۔ اس میں سنین میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی تھی کہ:-

"اس صاحب زمان کا وقت آگیا ہے جو ہندو مسلمان کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہو گا اور وہ بادشاہ کی ذات قدسی صفات ہے۔"[3]

اسی سے دین الٰہی اکبر شاہی کا آغاز ہوا جس میں توحید کے بجائے عبادت آفتاب کی

---

[1] منتخب التواریخ ص [illegible] [2] ایضاً [3] ایضاً ص [illegible]

شکل میں) شرکِ صریح کو اکب پرستی، ایمان بالبعث کے بجائے عقیدۂ تناسخ تھا، اکبر باقاعدہ بیعت لیتا تھا، اس دین میں داخل ہونے والوں سے جو کلمہ پڑھوایا جاتا تھا، اس میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اکبر خلیفۃ اللہ بھی شامل کیا جاتا تھا، کلمہ کے ساتھ ایک اقرار نامہ بھی ہوتا تھا جس میں کہا جاتا تھا کہ:۔

> "میں اپنی خواہش اور رغبت و دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا علیحدگی و جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس و عزت، ترکِ دین کو قبول کرتا ہوں۔"[1]

اس دین میں سود، جوئے اور شراب اور لحم خنزیر کی حلت تھی اور ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت، قانونِ نکاح میں ترمیمات کی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کی ممانعت تھی، جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ مقرر کر دی گئی تھی، اور اس کے لئے قانون بنا دیا گیا تھا، تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی، غرض ایک مستقل ہندی اکبری دین کی تدوین ہوئی تھی جس میں فطرت انسانی کے قانون تدریج کے مطابق اس دین اور طریقۂ زندگی کا پلڑا جھکا ہوا تھا جس کی طرف طبعی میلان اور تسکینِ نفس کا سامان تھا، اور خارجی و ملی و سیاسی مصالح اس کی ترجیح کے حق میں تھے۔[2]

---

[1] منتخب التواریخ ج۲ ص ۳۰۱ [2] اس رواداری اور صلح کل کی تحریک یا نئے دین و آئین میں اسلام اور ہندو مذہب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ قائم نہیں رہ سکا، چنانچہ اس مذہب اور فرقہ کا پلڑا جھک گیا جس کا دربار میں رسوخ اور طبیعت میں رجحان تھا، مختصر تاریخ ہند کے مصنفین ڈبلیو ایچ مورلینڈ اور اے سی چٹرجی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اکبر نے ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے گاؤ کشی بھی بند کر دی تھی اور اس کے اس حکم کی زبانی [illegible]

اکبر کے دینی و مزاجی انحراف و اختلال کا نقطۂ عروج

اکبر کا یہ دینی و مزاجی انحراف و اختلال کس نقطہ تک پہونچ گیا تھا، اس کے لئے ہم سب سے پہلے اکبر کے عقل کل اور نفس ناطقہ ابوالفضل علامی کے چند بیانات پیش کریں گے۔ یہ اس ہمہ گیر تبدیلی اور انحراف کی متفرق کڑیاں ہیں جو ابوالفضل کے بیانات میں پائی جاتی ہیں، ان کو جمع کر کے اس زنجیر آتشیں کا کچھ تصور کیا جا سکتا ہے جو اس وقت اسلام کے گلے میں ڈال دی گئی تھی۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

آتش پرستی

کیہان فروز روشن دل، نور دوستی را	جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے
ایزد پرستی شمارد و ستائش الٰہی اندیشد	روشنی کو بہت عزیز رکھتے ہیں، اور اس کی
نادان تیرہ خاطر داور فراموشی و آذر پرستی	تعظیم و تکریم کو خدا پرستی اور ستائش الٰہی
خیال کند۔[1]	خیال فرماتے ہیں، نادان کور باطن
	اس کو خدا فراموشی و آتش پرستی کہتے ہیں۔

(باقی صفحہ کا) خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں، اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت لئے ہوئے تھے، اس کی یہ حکمت عملی کامیاب رہی۔

A SHORT HISTORY OF INDIA کا اردو ترجمہ از مولانا محمد یوسف کوکن صاحب

[1] آئین اکبری جلد ۳ صفحہ [illegible] طبع لکھنؤ ([illegible])

و چوں بروشنی بخش جہاں ، نور خورش
بگیرد خدمت گزاران سعادت
گرائے درو دوازدہ لگن ہائے زریں
و سیمیں کافوری شمعہا افروختہ در پیشگاہ
حضور آورند و یکے از سرایندگان
شیوا زبان شمع بدست ایزدی بپا
برگزارد و بگوناگوں نوا سراید و بس
دعائے دولت روز افزوں برخوانند

آفتاب کے غروب ہونے کے بعد خدمت
گزار بارہ کافوری شمعیں روشن کرتے
ہیں۔ — اور مہر چراغ چاندی اور
سونے کی لگن میں رکھ کر بادشاہ کے حضور
میں لاتے ہیں اور ان میں سے ایک چرب
زبان خوش گو خادم شمع ہاتھ میں لے
مختلف و دلکش سروں میں خدا کی حمد کے
اشعار گاتا ہے اور آخر میں خود جہاں پناہ
کے اقبال و عمر و دولت کی دعا کرتا ہے۔

آفتاب پرستی

در آشیانہ منزل ایزد پرستش ورزید
نہ ہمت کہ بہ شکوہ دنیا پرستی خورشید والا
ازیں جا پرستش آغاز شدہ
می فرمودند خورشید والا را بفرمانروایان
عنایت ست خاص و ازیں رو نیایش گری
بدو نمایند و اینی پرستش یزدان شمرند و
کوتاہ بین و بدگمانان در افتند

وہ آشیانہ منزل شاہ کی حضرت میں
ابر پرستی ہوتی تھی اور حسینی سے آفتاب
کی تعظیم کی ابتدا ہوتی تھی۔
فرماتے ہیں کہ آفتاب کی سلاطین کے
حال پر ایک خاص عنایت ہے اسی
وجہ سے اس کی عبادت خدا کی عبادت
خیال کی جاتی ہے لیکن کوتاہ بیں شخص

[illegible] ج ۱ ، صفحہ [illegible]

می خزند درصف سرتجیان نبض جگو خواستہ
دانش از (الفرزندان) سیہ درون را
بزرگ دارند و از نابینائی در احترام
این چشمۂ نور کوتہی ورزند و بر نیایشگر زبان
پیغارہ زنند بر نشاید اگر خرد را
آفتے نرسیدہ سورۂ والشمس چرا
از یاد رفت [1]۔

جو بزرگی میں مبتلا ہوتا ہے عوام جس طرح
سیہ دل دو دشمن دوست کی نبض کی
غرض سے عزت کرتے ہیں اور اپنی بینائی
کی وجہ سے جس چشمۂ نور کے احترام میں
کوتاہی کرتے ہیں اور عبادت گزار پر
طعنہ زنی کرتے ہیں اگر خود ان کی عقل
پر آفت نہ آگئی ہے تو سورۂ والشمس
کیوں فراموش کر دی گئی ہے۔

گنگا جل

در سفر و حضر آب گنگ بر آشامد و چندے
از راستان معادت گرائے برساحل
آن بنشستہ با خنیا ہا برگزیدہ و کوزہ ہا
سر بمہر آیند۔
در آں ہنگام کہ مرکب اقبال بدار الخلافت
آگرہ و فتحپور بود، از قصبۂ سوروں کی
آوردند امروز کہ عرصۂ پنجاب بقدوم
شاہنشاہی آراستہ گرفتہ از ہردوار می آرند

بادشاہ سفر و حضر ہر وقت گنگا کا پانی
نوش فرماتے ہیں۔ معتمد لوگوں کا ایک
گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو
سر بمہر کوزوں میں پانی بھر کر لاتا ہے۔
جب جہاں پناہ آگرہ اور فتحپور میں تھا تو
فرماتے ہیں تو قصبہ سوروں سے پانی
لایا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ
شاہی خیمہ لاہور میں نصب ہے ہردوار

---

[1] ج ۲ ص ۱۸۳

و در خورش پختن آب جمنا و چناب و
آب باراں بکار رود و لختے از (گنگا)
نیز بر آمیزند۔[1]

کے عمدہ پانی سے آبدار خانہ سیراب ہے
باورچی خانہ میں جمنا اور چناب کا پانی
یا آب باراں صرف ہوتا ہے لیکن ان میں
تھوڑا پانی گنگا کا ملایا جاتا ہے۔

تصویر کشی

بر قدسی زبان رفت آنکہ بسے نکوہش
ایں پیشہ ناپسند دل بر نتابد بخاطر
چناں رسد کہ در خدا شناسی افزونی تر
از بسیارے بود چہ ہرگاہ جانور نگار رو
عضو عضو برکشد و از پیکر روحانی پیوند
نیارد داد بہ بیرنگی جہاں آفریں گراید
و شناسائی اندوزد۔[2]

ایک روز قبلۂ عالم نے خلوت کدے
میں جہاں صرف مریدان سعادت مند کا
مجمع تھا، فرمایا کہ ایک گروہ فن تصویر کشی
کا دشمن ہے اور اس پیشے کے معائب
بیان کرتا ہے لیکن اس کے اقوال و
دلائل کو دل قبول نہیں کرتا بلکہ قرین
عقل یہ ہے کہ مصور اکثر طبقات انسانی
سے زیادہ خدا شناس ہو سکتا ہے اس لئے
کہ شخص جانور کی تصویر بنانے بیٹھتا ہے
ہر عضو کی شبیہ کھینچتا ہے اور تصویر کو
تمام کر کے جب دیکھتا ہے کہ باوجود
اس ظاہری نقش نگاری کے وہ اس میں

---

[1] آئین اکبری، ج ۱، ص ۲۳۳

[2] ج ۱، ص [illegible]

روح پھونکنے سے عاجز ہے تو اس کو
خالق مطلق کی قدرت کا اندازہ
ہوتا ہے اور صانع باکمال کے آگے
سر بسجدہ ہو جاتا ہے۔

اوقات عبادت

سحرگاہ کہ دیباچۂ بہروزی و عنوان
نورپاشی است و نیمروز کہ فروغ آفتاب
عالمتاب جہاں را در گیرد و در مردم نشاط
گوناگوں فروغ آید و شامگاہ کہ ایں
روشنیہا از چشم خاکیاں پنہاں شود۔

صبح جو مبارک دن کا آغاز اور نور پاشی
کی ابتدا ہے، دوپہر جبکہ آفتاب عالمتاب
کی روشنی تمام عالم کو محیط ہوتی ہے اور
لوگوں میں گوناگوں نشاط پیدا ہو جاتا
ہے اور شام جبکہ خورشید روشنی (آفتاب)
لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے۔

سجدۂ تعظیمی

بندگان ارادت گرائے سجود نیایش
افزایند و آں را سجدۂ ایزدی برشمارند

بندگان عقیدت مند سجدۂ تعظیمی کرتے
اور اسے سجدۂ ایزدی شمار کرتے ہیں۔

بیعت و ارشاد

جویائے آگہی دستار برکف سرفرازی

جویائے آگہی ہاتھ میں دستار لے کر

ایضاً ج ۱ صفحہ

ایضاً ج ۱ صفحہ

بزشے بر سجدہ و بزبان حال بیان مے کرد
کہ یاوری بخت بیدار و رہنمونی
از خود آرائی و خود بینی گزینی کرنگاہ
گوناگون گزند بود از سر افگندہ روئے
دل بہ شائستگی گری آوردم۔ الخ

سر کو چوکھٹ اقدس پر رکھتا اور زبان حال
سے اس طرح کہتا ہے کہ بخت بیدار
کی یاوری اور رہنمائی خود آرائی و خود بینی
گزینی کی رسوائی میں اجو گوناگوں
نقصانات کا سبب تھا، میں دل کی
توجہ بادشاہ کی اطاعت کی طرف
مبذول کرتا ہوں۔ الخ

آداب ملاقات

ہنگام دیدار ہم یکے استغفر آید و
دیگرے جل جلالہ سراید۔

ملاقات کے وقت ایک آدمی استغفر اللہ
کہتا اور دوسرا جل جلالہ کہتا ہے۔

تاریخ ہجری سے تنفر

اندریں بار پسیں آرائے اقبال براں
بود کہ در آباد بوم ہندوستان از نو سال
و مہ برشمے کہ برآید و دشواری آسانی
گراید و نیز از تاریخ ہجری کہ آنرا کالی
آگہی بخشد سرگرانی داشتند سیکی

عرصہ دراز سے قلبی عزم کا ارادہ تھا کہ
ملک ہندوستان میں جاری ہندسال و ماہ
جاری فرماکر مشکلیں رفع کریں دیرینہ
ہم پہونچنے میں جناب پیاہ و سن ہجری
کو بوجہ اس کے نقائص کے پسند نہیں فرماتے

از انبوہ کوتاہ بینان کاوش نمائی کہ
دود آں تاریک را ناگزیر دین پندارند
شاہنشاہ مدارا پژوہ و دلہا گرائی
شمردہ اندیشہ بیروں نمی فرمودند[1]

لیکن نا عاقبت اندیش و کم فہم افراد
کی کثرت کی وجہ سے جو تاریکی وسوسہ
کے اجزاء کو بھی ایک دینی مسئلہ سمجھتے ہیں
حضرت کی خاطر پرنور طبیعت نے
گوارہ نہ کیا کہ اس گروہ کی دل شکنی فرمائیں
اور یہی وجہ تھی کہ قبلۂ عالم ابتداء میں
خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

غیر اسلامی تہوار اور عیدین

و در لوازم جشن نوروزی و عیدہا اہتمام
نخستین عید بزرگ نوروز است کہ
ابتدائے آں در وقت تحویل نیر
نور بخش عالم در برج حمل است و
آغاز ماہ فروردین است عید دیگر
نوزدہم ماہ مذکور کہ روز شرف است
و عید دیگر سوم ماہ اردی بہشت و
عید دیگر ششم ماہ خرداد و عید دیگر
سیزدہم ماہ تیر است عید دیگر ہفتم

پہلا جشن، جشن نوروزی کے نام سے
موسوم ہے جب آفتاب سال کا دورہ
تمام کر کے برج حمل میں داخل ہوتا
ہے اور اپنی برکات سے اہل عالم کو
مستفید کرتا ہے تو انیس روز کامل
عشرت و نشاط کی ہنگامہ آرائی ہوتی
ہے اس زمانہ میں دو روز عید کا تہوار
منایا جاتا ہے اور بے شمار نقد اور
طرح طرح کی اشیاء بطور صدقہ اور

---

[1] ج ۱ ص ۱۵۲

ماه مرداد ست، عید دیگر چهاردهم
ماه شهریور ست، عید دیگر شانزدهم
ماه مهر ست، عید دیگر دهم ماه آبان ست،
عید دیگر نهم ماه آذر ست، و در دی
ماه سه عید ست، هشتم و پانزدهم و
بست و سوم، عید دیگر دوم ماه بهمن
ست، عید دیگر پنجم ماه اسفندار ست،
و عیدہائے متعارف را بہ تقریب کردہ
باشند و شب نوروز و شب شرف
بطریق شب برات چراغاں کنند و در
اول شب کہ صباح آں عید باشد نقارہ
نوازند و روز ہائے عید بر سر ہر شہر
نقارہ نوازند۔[1]

تحفہ اور ہدیے تقسیم کی جاتی ہیں، یکم فروردین
اور انیس فروردین کو یوم شرف ہیں،
عید کے لئے مخصوص ہیں، پارسیوں کا
دستور ہے کہ ہر ماہ کے اس روز جو ماہ
کا ہمنام ہوتا ہے عید مبارک خیال
کرتے ہیں، اور اس روز جشن عشرت
منعقد کرکے عید نغمہ نوازی و سامان
ضیافت وغیرہ کرتے ہیں، قبلۂ عالم
نے بھی اس رسم کی تقلید کی اور ہر شمسی
ماہ ایک خاص جشن کے لئے مخصوص
ہو گیا، ان ایام کی فہرست مندرجہ ذیل ہے
انیس فروردین، تیسری اردی بہشت
چھٹی خورداد، تیرہ تیر، ساتویں امرداد
چوتھی شہریور، سولہ مہر، دس آبان،
نویں آذر، آٹھویں، پندرہویں اور
تیئسویں دے، دوسری بہمن، پانچویں
اسفندار۔

ان ایام میں جشن منعقد ہوتا ہے، اور ہر جشن میں انواع و اقسام کی زیب و زینت و

---

[1] ص ۱۲

آرائش کی جاتی ہے، حاضرین فرطِ مسرت سے بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے نشاط بلند کرتے ہیں۔ ہر پہر کے آغاز پر نقارہ نوازی ہوتی ہے اور ارباب نشاط اپنی نغمہ سرائی اور اپنے ساز سے ہنگامۂ عیش برپا کرتے ہیں۔

فرمان در منع زکوٰۃ

متصدیان حال و استقبال کروڑیان	ملازمان حال و استقبال اور ممالک
کل و جزو ممالک محروسہ بدانند کہ دریں	محروسہ کے کارپردازوں کو معلوم ہونا
ہنگام سعادت انتظام کہ از ابتدائے	چاہیے کہ اس دور سعادت میں جس کی
جلوس بر اورنگ جہانبانی کہ سنہ	ابتدا اس جلوس سے ہے اور جو قرن
سابع است از قرن ثانی (دی سال	ثانی کا ساتواں سال ہے (یعنی ہر
سی و ہفتم، چہ مراد از قرن دریں جا سی	کیونکہ قرن سے یہاں تیس سال مراد
سال است) و آغاز اہتمام بہار	ہیں) اور جو بہار دولت و اقبال اور
دولت و اقبال و زمان انکشاف	صبح جلال و جمال کے ظہور کا عہد ہے
صبح جلال و جمال است، فرمان	یہ فرمان صادر ہوا کہ سلطنت کی
عدالت منشور را قاعدت بنیان	حکمت عملی کا تقاضا ہے کہ حکومت و
باز نو بروز اشعۂ ظہور یافت کہ	سیاست جو تقسیم و بہاجرا اور ملازم و
چوں ناموس اکبر و قانون اعظم سلطنت	تاجر طبقہ کے مفاد کی حفاظت کا نام
کہ ابد پیوند الٰہی جل جلالہ قدسہ	ہے اور جو خراج کا ایک ذریعہ ہے
بمقتضائے حکمت بالغہ ازلی کہ	جس پر نظام عساکر کا مدار ہے،

سلسلهٔ جنبان داور گیر عالم ایجاد
و تعبیه پرداز کن فیکون دائرهٔ کون و فساد
ست چنان اقتضا کرده که ریاست
ممالک و سیاست مدن که عبارت
ست از ارتباط احوال مقیم و مهاجر
و انتساق مصالح کاسب و تاجر
به هشیاری پادشاهان عادل و دیدبانی
شهریاران دریا دل عطوفت نهاد صورت
پذیر باشد و یکے از وجوه خرج کلیه
نظام عساکر نصرت رهنمود و اتیان کفاء و ما
حراس اموال و حافظان عقائد و احوال
خلائق یعنی مایحتاج اشیا ست که در بازار
بیع و شرا و چارسوئے ہوں و چار آید
کرا گر سنجیده میزان اعتدال ارباب
صیانت و دیانت کرتاران نقود و
اجناس کونی ایمنی ز نقصان بعراض نفسی
و آفاقی اندکرود هر آئینه جمیع مصالح
بمفاسد انجامد تمامی محامد بنا کام گشته
لله الحمد که از مبادی احوال نصفت

جو جان و مال اور عقائد کی حفاظت
اور بازاروں کی نگرانی کرتے ہیں،
اگر ان اصحاب امانت و دیانت
کی میزان غلط ہو جائے جو نقد و جنس
کے پرکھنے والے ہیں تو تمام
مصالح مفاسد سے اور اچھائیاں
برائیوں سے بدل جائیں، الحمد للہ
کہ شروع ہی سے ہماری دولت کی
توجہ رفاہ عام اور رعایا کی پرورش
کی طرف رہی ہے، جو بادشاہ
کی اولاد معنوی اور امانت
خداوندی ہیں، الحمد للہ کہ
ہندوستان اور دیگر ممالک
محروسہ عدل و خوشحالی کا گہوارہ
اور مسافران عالم کی فرودگاہ
ہیں۔

حال ہی میں مراحم خسروانہ
سے یہ حکم صادر ہوا کہ حاصلات
غلہ و نباتات، غذائیں اور

اشتمال می کرد بجہت ظہور عدالت من ظہور بر
باطن جلادت مواطن ما و رضا بسبب عموم
بریت و براستم تربیت خصوصی رعیت کہ
فی الحقیقت فرزندان معنوی دولت
خداوندی اند معروف بود و الحمد للہ کہ
باضافت و اتساع عدالت سواد اعظم ہندوستان
ست و دیگر ممالک محروسہ بل اصناف
نازو نعیم با امن و اقران ہفت اقلیم است
درینولا بموجب توسعہ حکم والا وکلاء
مکارم فکری حکم بلند و امر جازم شرف
اصدار و عزت ایراد یافت کہ از اصناف
حبوبات و غلات و نباتات از اغذیہ و
ادویہ و روغن و نمک و مشک و اقسام عطریات
کرباس و غیرہ و اسباب شیشہ وار و آلات
چرمینہ و آلات مسیہ و ظروف چوبیہ و
نے و کاہ و دیگر اشیاء و اسباب استعد و
اجناس کہ مدار معاش جمہور انام و طوائف
مختلفہ خواص و عوام است سوائے
اسپ و فیل و شتر و گوسفند و بز و اسلحہ

دوائیں، نمک و مشک، اقسام
عطریات، کپڑے اور روئی،
اسباب شیشہ، چرمی سامان
وتانبہ اور لکڑی کے ظروف،
بانس اور گھاس، اور دیگر اشیاء
واجناس سے کہ مدار زندگی ہیں
سوائے ہاتھی، گھوڑے،
اونٹ، بکری، اسلحہ اور فوجی
سامان کے (جو پہلے سے مستثنیٰ
ہیں) تمام ممالک محروسہ میں
زکوٰۃ اور چھوٹے بڑے تمام
ٹیکس معاف کیے جاتے ہیں۔

قماش کردہ تمامی ممالک محروسہ تمغا و باج
و زکوٰۃ و صدیکی و آنچہ از قلیل و کثیر
می گرفتند بہ ساعات و مرفوع القلم
بودہ باشند۔[1]

ہندو موحد ہیں

روشن شد کہ آنچہ زبان زد روزگار است
کہ ہنود ایزد بے ہمال را انباز گیرد فروغ
راستی بازار دارد اگرچہ در بیشے معائب
و بستے دلائل بجائے آوریش لیکن خدا یگانگی
و وحدت گزینی ایں طائفہ دلنشین آمد[2]

ہم پر روشن ہوا کہ یہ جو بات زبان زد
عام ہے کہ ہندو خدائے واحد کا شریک
ٹھہراتے ہیں صحیح نہیں اگرچہ بہت سی
باتیں اور دلیلیں قابل اعتراض ہیں
لیکن اس قوم کی وحدت گزینی اور
خدا پرستی کا یقین سا ہے ۔

گوشت خوری

می فرمودند اگر دشوار زندگی بخاطر
نیامدے مردم را از گوشت خوردن
باز داشتے ، وآنکہ خود یک بارگی نمی
گزاریم از آں است کہ بسیارے کام ناکام

فرماتے ہیں کہ اگر دشوار زندگی میرے
ذہن نشین نہ ہو جاتی تو میں انسانوں کے
گوشت خوری سے مانع ہوتا اور یہ
اس لحاظ سے اس پر یکبارگی عمل کرنا

---

[1] طبقات اکبری ص ۳۹۱ ـ ۱۹
[2] آئین اکبری ج ۳ ص

خواہد گذاشت و بہ جنگلہا کہ عمر کالیوہ (دیوانہ) خواہند شد.....	نہیں ہوا بلکہ بہت کام نا تمام رہ جائیں گے اور انسان اس وقت جنگلوں میں دیوانے ہو جائیں گے.
می فرمودند قصاب و ماہی گیر و مانند آنہا کہ جان کشی پیشہ دارند بیگانہ و ایشان را دیگر مقام جدا باشند و اگر آمیزند تاوان گیرند[1]۔	فرماتے ہیں کہ قصاب اور ماہی گیر اور مثل ان کے دیگر اشخاص جن کا پیشہ جانکشی ہے ان کی قیام گاہ کو عام آبادی سے علیحدہ کر دیا جائے اور ان سے ملنے والوں سے تاوان وصول کیا جائے

خنزیر

می فرمودند اگر سرمایۂ حرمت خوک بے غیرتی باشد بایستے شیر و مانند آن حلال بودے[2]۔	فرماتے ہیں کہ اگر سور کی حرمت کا باعث اس کی بے غیرتی ہے تو لازم ہے کہ شیر یا مثل اس کے دوسرے جانور حلال ہوں

شراب نوشی

در جشن این ماہ بادۂ ہوش افزا می نوشیدند میر صدر جہان مفتی و میر عدل و میر عبد الحی نیز ساغرے در کشیدند گیتی خدیو این بیت بر زبان رفتہ ؎	اس ماہ کے جشن میں بادۂ ہوش افزا نوش فرماتے تھے میر صدر جہاں مفتی و میر عدل اور میر عبد الحی نے بھی بادہ پیمائی کی اور بادشاہ کی زبان پر یہ شعر آیا ہے ؎

---

[1] آئین اکبری ج ۳ ص ۲۰۱ [2] ایضاً ج ۳ ص ۲۰۳

در دور پادشاہ خطا بخش و جرم پوش
قاضی قرابہ کش شدہ و مفتی پیالہ نوش[1]

رسمِ ہندوانہ

مادر خان اعظم مرزا کوکہ بشدت رنجوری	والدہ خان اعظم مرزا کوکہ سخت بیماری کے
درگذشت و جہاں سالار در ماتم او	سبب چل بسیں اور جہاں پناہ کو ان کا
گرفت و زسوگواری موئے سر و بروت	غم ہوا کہ ماتم میں سر اور مونچھیں منڈا
ستردند چنانچہ کشش وقت فرمود	دیں چنانچہ کشش ہوئی اکسوالیں
فرزندان آں جلیلہ و دیگر ستودہ بندگان	مرحومہ کے بیٹے فرزندوں کے علاوہ
اخلاص سرشت پیروی کردند۔[2]	خدمت گذار بندگان مخلص نے بادشاہ
	کی پیروی کی۔

سنینِ الٰہی کا اجراء

سنہ ۹۹۲ھ میں شہنشاہی انتہائی عقل و دانش نے علم و کمال کی وہ فروزاں شمع جلائی جس نے اپنی بابرکت روشنی سے تمام عالم کو تاباں و درخشاں کر دیا، خوش نصیب حق پسند گروہ نے یاس ناکامی سے سر اٹھایا اور بیہودہ گو شکست کھائے اقرار کرتے گوشہ گمنامی میں منہ چھپایا۔ قبلہ عالم کے نیک ارادوں نے عملی جامہ پہنا اور بارگاہ کے کماندار میر فتح اللہ شیرازی نے اس کام کو انجام دینے پر کمر ہمت باندھی۔ علامہ شیرازی نے جدید زیج گورگانی کو پیش نظر رکھ کر جہاں پناہ کے سال جلوس

---

[1] آئین اکبری ج [illegible] ص [illegible] (اردو)   [2] کتاب مذکور ج [illegible] ص [illegible]

کو سنہ الٰہی کی ابتدا قرار دی[1]:

ان بنیادی حقائق کے بعد جن سے اکبر کے دینی فکر کا پورا ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے، اب کوئی حرج نہیں کہ ہم ملا عبدالقادر بدایونی کی دی ہوئی بعض تفصیلات و جزئیات سے اس ڈھانچہ کو اور مکمل و متشکل کر دیں، اور دین اسلام سے انحراف نے اسلام اور صاحب شریعت اسلامیہ سے جو بُعد و وحشت بلکہ تنفر و عناد پیدا کر دیا تھا اس کا صحیح نقشہ بھی لوگوں کے سامنے آ سکے۔

دین اسلامی کی تحقیر

ملت اسلام بہ نامعقول و عادت
و مصنع آں فقراء عربان بودند کہ جملہ
مفسدان و قطاع الطریق، بودند
و بیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی
بطریق نقل آوردہ متمسک می ساختند۔

ملت اسلامی کا سارا سرمایہ عادت و تقلید کا مجموعہ ٹھہرایا گیا اور اس کے بنانے والے (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بدو قرار پائے جن میں سب کے سب مفسد اور راہزن تھے، اور شاہنامۂ فردوسی کے دو مشہور شعروں سے سند پکڑی گئی جو اس نے بطور نقل لکھے تھے۔

ز شیر شتر خوردن و سوسمار — عرب را بجائے رسید ست کار
کہ ملک عجم را کنند آرزو — تفو باد بر چرخ گردوں تفو[2]

---

[1] آئین اکبری ج ۱ ص ۱۳۲ (اردو ترجمہ مولوی فدا علی طالب حیدرآباد ۱۹۳۸ء)

[2] منتخب التواریخ صفحہ ۳۰۲

اسراء و معراج کا استہزاء

این سخن را عقل چہ گونہ قبول کند کہ
شخصے در یک لحظہ با گرانی جسم از خواب
بآسماں رود و نود ہزار سخن گو گوید
با خدائے تعالےٰ کند و بستر گرمی ہنوز
گرم باشد و مردم بآں دعوی گرایند
ہم چنیں شق قمر و امثال آں ۔

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمان پر چلا جائے اور اللہ کے ساتھ نوے ہزار باتیں کرتا ہے لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعوی کو مان لیتے ہیں اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں ۔

پھر اپنی انھی بولی کا رنگ کی طرف حضرت موسیٰ کو مخاطب کرکے سوال کرتا ہے ۔

ممکن نیست کہ تا پائے دیگر بر جا ماند
استادہ توانم این چہ حکایتہا است

نہ ممکن ہے کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے نکالا نہ ہو میں کھڑا نہیں ہو سکتا آخر یہ ہیں کیا قصے ؟

مقام نبوت کی اہانت

زدن قافلہ قریش در اوائل ہجرت
وچہار دہ زن خواستن و تحریم شہد کرد[1]

یعنی اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا

---

[1] مختصر التوحید صفحہ ۲۱۳ جلد سوم

برائے خوشنودی زنان شد

اور بیویوں کی رضا مندی کے لئے شہد کو
حرام کر ڈالا ان سے ثبوت پر اعتراض کیا کرتا تھا

اسمائے نبوی سے وحشت و گرانی

نام احمد و محمد و مصطفیٰ و امثال آں
بجہت کفار بیرونی و زنان اندرونی
گراں می آمد تا مجبور بر اسامی چند
یا از مقربان کہ بایں نام می بودند
تغییر دادہ مثلاً یار محمد محمد خان را رحمت
می خواندند و می نوشتند

احمد و محمد و مصطفیٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں
کی خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی
وجہ سے بادشاہ پر گراں گزرنے لگے
آخر کچھ دن کے بعد اپنے خاص لوگوں
کے نام ۔ بدل بھی ڈالے مثلاً
یار محمد و محمد خان کو وہ رحمت ہی کے
نام سے پکارتا بھی تھا اور لکھنے کے
وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا تھا۔

نماز کی عدم اجازت

در دیوان خانہ ہیچ کسے یارائے آں
نداشت کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند

دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ
علانیہ نماز ادا کرسکے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

نماز و روزہ و حج پیش ازاں ساقط

نماز و روزہ اور حج تو اس سے پہلے

منتخب التواریخ ج ۲ ص [illegible] محمد بخش ص [illegible]

محمد بخش ص [illegible] ج ۲

شدہ بود۔[1]

ہی مافوق ہو چکے تھے۔

ارکانِ اسلام کی توہین و استہزاء

پسر ملا مبارک شاگرد ابوالفضل رسائل
در باب قدح و تحقیر عبادات
بہ دلائل [illegible] خود مقبول افتادہ باعث
تربیت گشتہ۔

ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل
کا شاگرد تھا، اسلامی عبادات کے
متعلق اعتراض اور تحقیر کے پیرایہ میں
چند رسالے تصنیف کئے (شاہی حلقہ)
میں اس کے ان رسالوں کو بڑی مقبولیت
حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ
یہی رسالے بن گئے۔

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا سنگین اور خطرناک موڑ

غرض یہ کہ اس وقت ہندوستان جس میں دینِ فطرت کے شجرۂ طیبہ کے نصب اور بار آور کرنے کے لئے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں، دماغی صلاحیتیں اور اربابِ قلوب اور اصحابِ صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں، ایک ہمہ جہتی دینی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ رہا تھا، جس کی پشت پر اس عہد کی ایک عظیم ترین سلطنت اور قوی طاقت تھی، جس کو اپنے زمانہ کے متعدد ذہین و فاضل انسانوں کی علمی و ذہنی کمک حاصل تھی، اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی

---

[1] منتخب، ص ۲۰۵

[2] ایضاً

کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اسلامی اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودہویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا لیکن ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

ہم اس باب کو سیرت نگار نبوی اور مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندویؒ کی اس بلیغ عبارت پر ختم کرتے ہیں جو انہوں نے ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافر اسلامؐ کی داستان غربت سناتے ہوئے لکھی ہے۔

"اس غفلت کی نیند پر چار سو برس گزر گئے، اور مسافر کے آغاز سفر پر ہزار برس گزر رہا تھا، یہ اکبر کا دور تھا، جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ رمز پھونکا کہ دین عربی کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ ہی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلاۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو، مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے، صنم پرستوں نے ناقوس بجائے، برہمنوں نے بت آراستہ کئے، اور جوگی اور تصوف نے دل کو حرم اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا، اس پچاس سالہ تحریک کا جو اثر ہوا اس کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہے تو دبستان مذاہب کا مطالعہ کرے، کتنے زنار داروں کے ہاتھوں میں تسبیح آ گئے، کتنے تسبیح خوانوں کے گلوں میں زنار آ گئے، کتنے ابرار شاہی آستانہ پر کتنے امیروں کے سر سجدہ میں جھکے اور شہنشاہ کے دربار میں کتنے دستار بند کھڑے دکھائی دیئے، اور مسجدوں کے منبر بے صدا ثابت ہو گئے۔

تعالیٰ شانہ ۔ اللہ اکبر

یہ عین وقت تھا کہ سرہند کی سمت سے ایک پکارنے والے کی آواز آئی: راستہ صاف کرو کہ راستہ کا چلنے والا آتا ہے، یہ ایک فاروقی مجدد تھا جو فاروقی خاندان سے ظاہر ہوا، احمد سرہندی تھے۔"[1]

---

[1] مقدمہ سیرت سید احمد شہید ص ۲۱

بابِ سوم

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حالاتِ زندگی از ولادت تا خلافت

خاندان

حضرت مجدد صاحب نسباً فاروقی ہیں[1] آپ کا سلسلۂ نسب[2] ۳۰ واسطوں سے

---

[1] حضرت مجدد کو حضرت فاروق اعظم سے اس نسبت پر فخر تھا اور وہ اس نسبت کو اس کا تقاضا اور سعادت سمجھتے تھے جمہور اہل سنت اور خلفاء ثلاثہ کے خلاف ایک عالم شیخ عبد الکبیر یمنی کی ایک تحقیق کو سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں: "مخدوما! این فقیر را تاب استماع امثال این سخنان نیست بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید" (مکتوب ۱۰۰ دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری) ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کہ قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبۂ عید میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کر دیا تحریر فرمایا: "چوں استماع این خبر وحشت انگیز شورش آورد و رگ فاروقیم را در حرکت آورد و بجد کتابت اقدام نمود" (مکتوب نمبر ۱۵ حصہ ہشتم دفتر دوم)

[2] سلسلۂ نسب کے بارے میں ہم نے اسی خاندان والا شان کے ذی علم و صاحب تحقیق فرزند مولانا شاہ ابو الحسن زید فاروقی کی اس محققانہ بحث پر اعتماد کیا ہے جو انھوں نے مجدد صاحب کے سلسلۂ نسب کے بارے میں اپنی تصنیف مقامات خیر میں حضرات آباء و اجداد کرام کے عنوان سے ص ۲۲ تا ۳۳ میں کی ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ شاہ فیروز [illegible]

امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) ابن مخدوم عبد الاحد بن زین العابدین بن عبد الحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبد اللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ الواعظ الاصغر بن عبد اللہ الواعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبد اللہ بن حضرت عمر الفاروق رضؓ۔

آپ کے پندرہویں جد شہاب الدین علی فرخ شاہ کابلی اس سلسلہ کے نامور جد امجد اور مورث اعلیٰ ہیں، ہندوستان کے اکثر باکمال اور شہرۂ آفاق فاروقی النسب فضلاء اور مصلحین مشائخ و اصحاب سلسلہ مثلاً حضرت بابا فرید الدین گنج شکر وغیرہ آپ ہی کے سلسلۂ نسب میں ہیں افسوس ہے کہ افغانستان کے علماء و مشائخ کے حالات پر کوئی مبسوط تذکرہ اور کتب طبقات کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، ان کے جو کچھ حالات ملتے ہیں ان کا ماخذ وہی کتابیں ہیں جو مجدد صاحب اور ان کے خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہیں[1] موصوف

(باقی صفحہ ۱۲۷) واسطہ عمر کے بعد جس کو امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سمجھا گیا ہے چار واسطے عام طور سے کتب انساب میں ساقط ہو گئے، اور وہ حفص، عاصم، حضرت عبد اللہ اور حضرت عمر الفاروق ہیں، غالباً ستائیسویں واسطہ عبد اللہ کے بعد عمر کا نام دیکھ کر مصنفین کو مغالطہ ہوا کہ یہی مشہور عبد اللہ بن عمر صحابی ابن صحابی ہیں، لیکن چونکہ ان عبد اللہ بن عمر کے کسی فرزند کا نام ناصر تھا اس لئے یہ اشکال پیدا ہوا اور تحقیق کی ضرورت پیش آئی، اس خاندان کے ایک فاضل محقق جناب شاہ محمد حسن مجددی (رسالہ میں ولد شدہ) ابو محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب پر تحقیق ہے اور انہی نے چار واسطوں کا اضافہ کیا ہے۔

[1] خلاصۃ المقامات، حضرات القدس وغیرہ۔

شیخ نور الدین کے صاحبزادہ اور شیخ نصیر الدین کے پوتے تھے، اسی لئے ان کے خاندان کو بھی کابل کی نسبت سے یاد کیا جاتا ہے، وہ اوصاف محمودہ سے متصف تھے، اسلام کی اشاعت و ترویج اور شعائر کفر و شرک کی اہانت و تذلیل میں خاص امتیاز اور خصوصی ذوق رکھتے تھے۔[1]

والد ماجد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے اور افغانوں اور دشمنوں کے تنازعات ختم کرنے میں انھوں نے سعی محمود فرمائی، دنیاوی وجاہت و سیادت کے ساتھ دولت باطنی سے بھی حصۂ وافر رکھتے تھے، ایک کثیر تعداد نے آپ سے اکتساب فیض کیا، وفات سے پیشتر زمام حکومت صاحبزادۂ والا قدر شیخ یوسف کے حوالہ کر کے ایک درہ میں جو آپ کی نسبت سے درۂ فرخ شاہ کہلاتا ہے اور کابل سے ساٹھ میل مسافت پر جانب شمال واقع ہے، عزلت و انزوا کی زندگی اختیار کی اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

شیخ یوسف نے تحصیل علوم ظاہری کے بعد اپنے والد بزرگوار سلطان فرخ شاہ سے تربیت باطنی حاصل کی، اور ان کے ترک سلطنت کے بعد ان کی جانشینی کی، عدل و صلاح اور دینداری میں نیک نام اور مقبول خاص و عام تھے، آپ کے ضمیر میں بھی عشق الٰہی کی وہی چنگاری تھی جو آپ کے آباء کرام کو وقتاً فوقتاً مولانا روم کے اس شعر پر کاربند ہونے پر آمادہ کرتی رہی تھی ؎

ملک دنیا تن پرستاں را حلال
ما غلام ملک عشق لا یزال

آپ نے بھی آخری عمر میں سلطنت و اقتدار سے دست کش ہو کر خلوت گاہ حق کو اختیار کیا، اور ان کے صاحبزادہ شیخ احمد نے سلطنت کا کاروبار سنبھالا، وہ بھی اپنے

---

[1] زبدۃ المقامات ص [illegible]

والد ماجد کی طرح صاحب علم و تقویٰ اور لباس شاہی میں درویش صفت بزرگ تھے آپ پر جذب الٰہی نے ایسا غلبہ کیا کہ سلطنت کو بالکل ہی خیرباد کہا اور اولاد کو بھی اس سے دور رہنے کی وصیت کی تھوڑا سا اثاثہ اہل و عیال کے لئے رکھ کر باقی تمام مال فقراء میں تقسیم کر دیا آپ نے اپنے والد بزرگوار کے علاوہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا اور خلافت سے سرفراز ہوئے تھے۔

ان کے بعد خاندان کے اکابر بھی صاحب فقر و ارشاد تھے اور اپنے اپنے زمانہ کے مقبول و عالی مرتبہ مشائخ سے تربیت سلوک اور فیض باطنی حاصل کرتے رہے، خواہ وہ کسی سلسلۂ عالیہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

امام رفیع الدین جو مجدد صاحب کے جد سادس اور شیخ شہاب الدین علی فرخ شاہ کی نویں پشت میں ہیں، صاحب "زبدۃ المقامات" کے بیان کے مطابق علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، تربیت باطنی اور تعلیم سلوک حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری (م ۷۸۵ھ) سے حاصل کی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کی ابتدا کے بزرگ تھے، اس خاندان کے یہ پہلے بزرگ ہیں جو کابل سے ہندوستان تشریف لائے اور سرہند کی اقامت اختیار کی جس کا قدیم نام سہرند تھا، یہ جگہ غیر آباد اور جنگلی جانوروں کا مسکن تھی، اور اس کے اور سامانہ کے درمیان جہاں شاہی خزانہ جایا کرتا تھا کوئی آبادی نہ تھی، اس بنا پر اس کے نواح و اطراف کے رہنے والے باشندوں خصوصاً قریۂ سرالیس کے ساکنوں نے جو وہاں سے ۲۰ کوس پر واقع ہے حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہو کر (جن سے سلطان فیروز شاہ ارادت و عقیدت رکھتا تھا) التماس کیا کہ دارالحکومت تشریف لے جا کر وہاں شہر آباد کرنے کی تحریک فرمائیں، سلطان نے آپ کی اس خواہش پر

کی تعمیل کی اور خواجہ فتح اللہ کو جو امام رفیع الدین کے بڑے بھائی اور مقربان سلطانی میں تھے اس پر تعینات فرمایا اور خواجہ صاحب دو ہزار سواروں کے ساتھ تشریف لائے اور قلعہ کی تعمیر فرمائی حضرت مخدوم جہانیاں نے امام رفیع الدین کو جو آپ کے خلیفہ اور امام نماز تھے اور قصبہ سنام میں مقیم تھے ارشاد فرمایا کہ وہ اس قلعہ کا سنگ بنیاد رکھیں اور اس شہر میں سکونت اختیار کریں کہ وہ وہاں کے صاحب ولایت ہیں؛ اس وقت سے آپ کا خاندان وہاں سکونت پذیر ہے[1] قلعہ کی بنیاد اور سرہند کی آبادی کا آغاز ۷۶۰ھ سے بتایا جاتا ہے[2]۔

اس طرح حضرت مجدد کی ولادت سے دو سو برس پہلے سے سرہند آباد چلا آرہا تھا[3]۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات صفحہ ۔۔

[2] جہاں تک قدیم تاریخ کا تعلق ہے سرہند پنجاب کا مشہور مقام تھا، مشہور چینی سیاح ہیون سانگ (HIUEN TSANG) نے بھی جس نے ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اس کا ذکر کیا ہے اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ اس کے لوگ سخت دلیر ہوتے ہیں ہندی میں سر شیر کو کہتے ہیں اور ہند کے معنی ہیں جنگل، ایک زمانہ میں یہ جنگل شیروں اور درندوں کے لئے مشہور تھا، یہ سرحد کا کام دیتا تھا اور اس سے آگے ہند شروع ہوتا تھا غالباً اس لئے اس کا نام سرہند مشہور ہو گیا جو سرحد کا قریب المخرج ہے [illegible] میں سلطان محمود غزنوی نے سرہند فتح کیا، فیروز شاہ تغلق کی تخت نشینی تک سلاطین دہلی نے سرہند کو چنداں اہمیت نہیں دی جس کی وجہ سے سلاطین [illegible] فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے سرہند کی طرف اس پر توجہ شروع ہوئی اس کے بعد سے یہ امرائے سلطنت سرہند و فیروز پور کے ناظم ہوتے رہے [illegible] لیکن اس کی اہمیت میں معتد بہ اضافہ ہوا، بابر کی آمد پر سرہند آ گیا ہمایوں بھی سرہند آیا اور یہیں سے وہ دہلی آکر دوبارہ تخت و تاج کا مالک بنا عہد مغلیہ میں یہ شہر بہت خوشحال اور معمور تھا کہ یہاں ۳۶۰ مساجد سرائے، کنوئیں اور مقبرے پائے جاتے تھے۔ (ملخص از دائرۂ معارف اسلامیہ مضمون سرہند شریف)

[3] حضرت مجدد نے اپنے وطن سرہند کے متعلق مکتوبات میں بڑے بلند کلمات فرمائے ہیں اور اس پر خاص انوار و برکات و سکینت کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو مکتوب ۲۲ مکتوبات دفتر دوم

تذکرہ و تراجم کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں شرفاء و علماء کے خاندان آباد ہو گئے تھے اور اس خاک سے کئی باکمال پیدا ہوئے[1]، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا عروج اور اسلامی علوم و فنون کے رشتہ دسویں صدی ہجری کے ابتداء میں قائم ہوا۔ آٹھویں اور نویں صدی میں حضرت مجدد کے خاندان کے چند برگزیدہ افراد کے علاوہ کسی بڑے سرہندی عالم کا نام کتب تذکرہ و تراجم میں نہیں آتا، لیکن دسویں صدی کے شروع ہونے کے بعد سرہند میں علمی و دینی بیداری اور درس و تدریس کی گرم بازاری نظر آتی ہے اور متعدد اہل کمال اور سربرآوردہ علماء کے نام نظر آتے ہیں جو مسند درس و ارشاد پر متمکن اور مصروف افادہ و افاضہ تھے، ان میں سب سے پہلے مشہور صاحب درس و افتاء مولانا الہ داد بن صالح سرہندی (م [illegible]) کا نام ملتا ہے، ان کے بعد مولانا شیر علی قادری (م [illegible]) اور مولانا علی شیر (م [illegible])[2] مفتی احمد سرہندی (م [illegible])، الحاج ابراہیم سرہندی تلمیذ علامہ شہاب الدین ابن حجر ہیتمی مکی (م [illegible])، مولانا عبداللہ نیازی مہدوی[3] (م [illegible]) اور چند ان فضلاء کے نام نظر آتے ہیں جن کا سن وفات معلوم نہیں، مثلاً مشہور استاذ زمانہ مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کے استاد مولانا عبدالمعز، مولانا عبدالصمد حسینی مرید شیخ علی عاشقاں جونپوری، مولانا امان اللہ، مولانا قطب الدین اور مولانا مجدالدین۔ آخر الذکر کے متعلق مولانا یعقوب کشمیری استاد حضرت مجدد کی شہادت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، بابر سے سرہند میں ان کی ملاقات ہوئی اور بابر نے ان کا بڑا اعزاز کیا، مولانا میر علی اور مولانا بدرالدین سرہندی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[4]

---

[1] تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں صرف تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحییٰ بن احمد کا نام ملتا ہے جو نویں صدی کے مصنفین میں ہیں، انھوں نے تاریخ مبارک شاہی [illegible] کے حدود میں لکھی، وہ اپنے آپ کو یحییٰ سرہندی لکھا کرتے تھے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

[2] ممکن ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں [illegible] نزہۃ الخواطر میں دونوں کا نام معکوس ترتیب سے آیا ہے۔

[3] کہا جاتا ہے کہ انھوں نے آخر عمر میں مہدوی عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔

[4] یہ سب نام نزہۃ الخواطر جلد چہارم سے انتخاب کئے گئے ہیں، اس کتاب میں ان کے حالات دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے "زبدۃ المقامات" میں حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد کا کسی قدر تفصیل سے تذکرہ کیا ہے چونکہ حضرت خواجہ حضرت مجدد کی خدمت میں مسلسل تین سال حاضر رہے، اور ان کی معلومات کا زیادہ تر ماخذ وہ اقوال اور ارشادات ہیں جو انھوں نے حضرت مجدد کی زبان سے وقتاً فوقتاً سنے، ان میں اگر کوئی اضافہ ہے تو صاحبزادگان والاشان سے حاصل کئے ہوئے معلومات کا ہے، اس لئے ان کے بیان کو ہر طرح مستند اور بواسطہ حضرت مجدد کے ارشادات کا مجموعہ سمجھنا چاہئے، یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالاحد پر عنفوان شباب اور اثنائے تحصیل علم میں طلب صحیح اور جوش علم الیقین کا ایسا غلبہ ہوا کہ تکمیل علوم کا انتظار کئے بغیر اس عہد کے شہرۂ آفاق چشتی (صابری) شیخ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو گئے، اور ان سے ذکر واذکار کی تلقین اور سلوک کی تعلیم حاصل کی، جب حضرت شیخ ..... کے آستانہ پر پڑ رہنے، ع

یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

کے شوق وعزم کا اظہار کیا، تو پیر روشن ضمیر نے اس کو منظور نہ فرمایا اور علوم دینی و شریعت کی تحصیل و تکمیل کی تاکید کی، اور فرمایا کہ "علم کے بغیر جو درویشی ہوتی ہے اس میں کچھ آب و نمک نہیں ہوتا" مخدوم نے حضرت شیخ کی کبرسنی کا لحاظ کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے خیال ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب اس آستانہ پر حاضر ہوں گا تو یہ دولت جاوید پاؤں گا یا نہ پاؤں گا؟[1] شیخ نے فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے وہ دولت حاصل کر لینا، مخدوم نے

---

[1] اشارہ تھا حضرت شیخ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کی طرف۔

تعمیلِ ارشاد کی اور تحصیلِ علم میں مشغول ہوگئے۔

تقدیری بات کہ آپ کو جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا، اور فراغت سے پہلے شیخ نے رختِ سفر باندھا، بعدہٗ مخدوم نے علوم مروجہ کی تکمیل کرنے کے بعد کچھ دن مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کے بزرگوں سے استفادہ کیا، پھر حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، منازلِ سلوک طے کئے اور چشتیہ و قادریہ سلسلہ میں خرقہ و خلافت اور تلقین و تربیت کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔[1]

ان دو بزرگوں شیخ عبد القدوس اور شیخ رکن الدین پر وحدۃ الوجود، غیبت و بیخودی، سکر و شورش اور استغراق کا غلبہ تھا، اور وہ صاحبِ وجد و سماع تھے، خاص طور پر شیخ عبد القدوسؒ وحدۃ الوجود کے اظہار و اعلان پر اپنے کو مجبور سمجھتے تھے، اور اس کے پرجوش داعی و مبلغ تھے۔ یہ اتباعِ سنت اور عمل بالعزیمت میں قدم راسخ رکھتے تھے، [illegible] و بے نفسی کا غلبہ تھا، نہایت رقیق القلب، کثیر العبادت بزرگ تھے، موت کو ہمیشہ یاد کرتے تھے، اور خاتمہ کی فکر غالب رہتی تھی۔[2]

اپنے پیرِ بیعت شیخ عبد القدوس اور شیخ رکن الدین کے علاوہ مخدوم شیخ عبد الاحد کا قادریہ سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بھی رابطہ خاص تھا۔ حضرت شاہ کمال اپنے زمانہ کے بڑے باکمال اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔[3]

شیخ عبد الاحد کا یہ قول گزر چکا ہے کہ نظرِ کشفی سے کام لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] شیخ رکن الدین نے آپ کو جو خلافت نامہ دیا وہ "زبدۃ المقامات" میں بعینہٖ درج ہے ص ۱۹۱-۱۹۲ اس کا ترجمہ اصل کتاب میں ہے۔ ان کے کمالات اور اذواق و مواجید کے لئے ملاحظہ ہو "لطائف قدوسی" تالیف شیخ رکن الدین فرزند حضرت شیخؒ۔

[2] زبدۃ المقامات از خواجہ محمد ہاشم کشمی ص ۱۹۹-۲۰۰ و نزہۃ الخواطر ج ۴۔

[3] ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۴۔

سلسلۂ علیہ قادریہ میں باقی سلسلہ پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بعد اس مرتبہ کا آدمی کم تر نظر آتا ہے۔ ان کے پوتے شاہ سکندر بھی بڑے عالی مرتبت شیخ تھے اور حضرت مخدوم نے ان سے بھی استفادہ کیا۔

حضرت مخدوم جب اکتساب علوم سے فارغ ہوئے تو مردان خدا کی تلاش میں مختلف شہروں کا سفر کیا، سفر کرتے وقت عزم کیا کہ جہاں بدعت کے آثار نظر آئیں گے وہاں رات تو درکنار صحبت سے بھی پرہیز کریں گے اس سفر میں شیخ الہ داد کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے، رہتاس میں شیخ الہ داد اور مولانا محمد بن فخر صاحب "توضیح بحواشی" سے بھی ملاقات کی ان کے درس میں شریک ہوئے، بنگالہ بھی تشریف لے گئے، اور جونپور بھی چند دن حضرت سید علی قوام (علی عاشقاں) کی خدمت میں رہے اس سفر سے واپس سرہند تشریف لائے پھر سفر آخرت تک یہیں مقیم رہے اور کہیں کا سفر نہیں کیا، معقولات و منقولات کی کتب متداولہ بڑی پابندی سے اور بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھاتے تھے حضرت مجدد صاحب فرماتے تھے کہ تمام علوم میں دستگاہ کامل رکھتے تھے لیکن فقہ و اصول فقہ میں ان کی نظیر نہیں تھی جب اصول بزدوی کا درس دیتے تھے تو امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کی علو شان اور ان کی جلالت و امامت عیاں و نمایاں ہو جاتی تھی کتب تصوف کا بھی درس دیتے تھے خاص طور پر "تعرف" "عوارف المعارف" اور فصوص الحکم کے مطالب اور دقیق مضامین کو حل کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے تحقیقاً و ذوقاً بھی شیخ اکبر کے مشرب پر تھے لیکن خداداد عالی ظرفی اور ضبط و احترام شریعت کی وجہ سے کبھی زبان سے سکر و شطحیات کی کوئی بات نہ نکلتی، بے نفسی اور تفرید کا بڑا غلبہ تھا، تلامذہ کی کثرت کے باوجود بھی کسی سے خدمت نہ لیتے گھر کی ضرورت کی چیزیں خود بازار سے لاتے اتباع سنت کا بڑا اہتمام تھا حتی الامکان کوئی سنت فروگذاشت نہ ہوتی امور عادیہ،

لباس و پوشاک میں بھی اتباع سنت کا اہتمام کرتے، عزیمت پر عمل کرتے اور رخصت سے اجتناب۔ اگرچہ بیعت و خلافت سلسلۂ چشتیہ و قادریہ میں بھی تھی، اور ان طرق میں نسبت عالی رکھتے تھے، لیکن آپ کے اخلاص اور بلند ہمتی کی دلیل یہ ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کا بڑا شغف ظاہر کرتے تھے، اور اس کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے، مثلاً اس کی دعا کرتا ہوں کہ یہ سلسلۂ عالیہ ہمارے ملک میں پہونچے یا خدا ہمیں اس کے مرکز میں پہونچائے کہ اس سے استفادہ کیا جا سکے، صاحب تصنیف بھی تھے، کنوز الحقائق اور اسرار التشہد آپ کی تصنیفات میں سے ہیں۔[1]

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا والد ماجد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل بیت کرام کی محبت کو ایمان کی حفاظت اور حسن خاتمہ میں بڑا دخل ہے، جب والد صاحب کو سکرات شروع ہوئے تو میں نے آپ کو یاد دلایا، فرمایا الحمد للہ والمنۃ کہ میں اس محبت میں سرشار اور اس دریائے احسان میں غرق ہوں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ[2]

اثنائے سفر میں جب سکندرہ[3] کے مقام پر پہونچے اور وہاں کچھ دن قیام کیا تو وہاں آپ کی شرافت و نجابت اور صلاح و تقویٰ اور علم و عمل کی جامعیت دیکھ کر ایک شریف خاندان نے

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں اسرار التشہد کے کچھ مضامین نقل کئے ہیں ص ۱۳۱-۱۴۱ حضرت مجدد کی زبانی حضرت کے والد کے بعض ارشادات و تحقیقات بھی نقل کئے ہیں ص ۱۴۱-۱۴۲۔

[2] زبدۃ المقامات ص ۱۲۳

[3] صاحب زبدۃ المقامات نے اس کو اٹاوہ کے قریب بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ صوبہ اترپردیش میں واقع تھا۔

خود رشتہ کی پیش کش کی اور اس خاندان کی ایک نیک سیرت صالحہ خاتون سے آپ کا عقد کر دیا۔ حضرت مخدوم کی سب اولاد انہی سے ہوئی۔

حضرت مخدوم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرشد ہی کی طرح سات فرزند عطا فرمائے تھے جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں: شاہ محمد، شیخ محمد مسعود، شیخ غلام محمد، شیخ مودود[1]، دو بھائیوں کے نام اور کچھ تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔ ان میں واسطۃ العقد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ تھے، بقیہ فرزند بھی صاحب علم اور صاحب استعداد تھے، اور انھوں نے بھی علوم رسمیہ اور سلوک کی تعلیم اپنے والد یا مشائخ عصر سے حاصل کی تھی۔

حضرت مخدوم نے اکسٹھ سال کی عمر میں ۱۷ رجب سنہ ۱۰۷۰ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی[2]۔ قبر مبارک شہر سرہند سے غربی جانب تقریباً ایک میل پر واقع ہے[3]۔

حضرت مخدوم کی سیرت کا جوہر خاص حق پسندی، انصاف، شریعت و سنت کی تعظیم و احترام اور ان پر عمل کرنے کی کوشش و اہتمام، جمعیت دینی اور ترقیات باطنی میں عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کہا جا سکتا ہے، اور یہی جوہر ان کے لخت جگر کے ضمیر (جس کے لئے دین کی تجدید اور ہندوستان میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی سعادت مقدر ہو چکی تھی) ودیعت ہوا تھا، جس کو فضل ربانی نے چمکا کر اور دوسرے وہبی کمالات عطا فرما کر آفتاب عالمتاب بنا دیا۔

---

[1] شیخ غلام محمد اور شیخ مودود کے نام حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات ہیں۔ (ملاحظہ ہو جلد اول)

[2] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۲ بعض حضرات نے تاریخ وفات ۱۷ رجب اور بعض نے ۲۷ جمادی الآخرہ لکھی ہے سنہ پر سب کا اتفاق ہے۔

[3] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۲

ولادت وحالات

ولادت وتعلیم

شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ ۱۵۶۴ء کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ "خاشع" سے سن ولادت نکلتا ہے، صغر سنی ہی سے آپ میں رشد و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

صلحائے وقت بالخصوص حضرت شاہ کمال کیتھلی (رح) سے والد بزرگوار کو نسبت باطنی تھی، آپ کی طرف خاص توجہ اور شفقت تھی، اور وہ آپ کے ساتھ خصوصی معاملہ فرماتے تھے۔[1] آپ کی عمر سات سال کی تھی کہ شیخ کمال نے رحلت کی، آپ کو ان کا حلیۂ مبارک یاد تھا، اور جس گھر میں والد صاحب کے ساتھ جا کر زیارت کی تھی، اس کا نقشہ بھی ذہن میں موجود تھا۔

تعلیم کی ابتدا حفظ قرآن سے ہوئی، اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کرلی، پھر والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق مضامین کے جلد اخذ کر لیتے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم کی والد بزرگوار سے اور چند کی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات صفحہ [illegible]

اپنے عہد کے بعض علماء سے بہارے تحصیل کی کچھ عرصہ کے بعد سیالکوٹ جو اس زمانہ کا بڑا علمی و تعلیمی مرکز تھا تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیری سے جن کو منطق و فلسفہ، علم کلام و اصول فقہ میں کمال حاصل تھا۔ اور جن کی ذکاوت و حافظہ، کثرت مطالعہ اور قوت تدریس کا شہرہ تھا[1]۔ اور جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء اور مدرسین پیدا ہوئے اس وقت کے نصاب تعلیم کی بعض انتہائی اور اعلیٰ کتابیں (مثلاً عضدی) پڑھیں۔ حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے پڑھیں، جو حدیث میں مسند وقت شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر ہیتمی مکی کے شاگرد تھے، اور جن کی تصنیفات میں صحیح بخاری کی بھی ایک شرح ہے[2]۔

شیخ یعقوب کو بڑے بڑے محدثین اور مصنفین کتب حدیث و تفسیر اور ان کی تالیفات کی اجازت حاصل تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ کے مشہور عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے جو علم حدیث و تفسیر میں پایہ بلند رکھتے تھے اور حدیث میں شیخ وقت عبدالرحمن بن فہد کے تلمیذ رشید تھے صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی اور دوسری کتب حدیث ثلاثیات بخاری اور حدیث مسلسل کی سند حاصل کی، نیز متقدمین کے دستور کے مطابق کتب تفسیر وغیرہ

---

[1] مولانا کمال الدین بن موسیٰ سنہ [illegible] میں کشمیر سے سیالکوٹ منتقل ہوئے اور تقریباً نصف صدی درس و تدریس میں معروف رہ کر سنہ [illegible] میں لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص [illegible])

[2] مولانا یعقوب بن الحسن الصرفی کشمیری کی سنہ ۹۰۸ھ میں کشمیر میں ولادت ہوئی، تحصیل علم اور حصول طریقہ کے لیے سمرقند کا سفر کیا جہاں شیخ حسین خوارزمی سے طریقہ کبرویہ حاصل کیا اور ایک عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے حجاز جا کر علم حدیث حاصل کیا اور وہاں سے فقہ، حدیث و تفسیر کی نفیس کتابیں اپنے ساتھ لائے، ۱۸ ذی قعدہ سنہ ۱۰۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص [illegible]) اس طرح اپنے استاذ مولانا یعقوب کے ذریعہ حضرت مجدد کو صحاح کے مطالعہ اور امہات کتب حدیث سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہوگا۔

کی سند بھی ان کے مصنفین تک پہونچائی[1]۔ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

آپ جب علوم عقلیہ و نقلیہ اور اصول و فروع سے فارغ ہوئے تو درس و تدریس کے کام کا آغاز کیا اور عربی و فارسی میں کچھ رسائل بھی لکھے جن میں رسالہ تہلیلیہ، رسالہ رد مذہب شیعہ شامل ہے۔ آپ دار الحکومت اکبر آباد (آگرہ) بھی گئے، وہاں ابو الفضل و فیضی سے صحبتیں رہیں، لیکن اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے ان سے مناسبت نہ ہوئی، بعض مرتبہ کچھ رد و کد کی بھی نوبت آئی اور ابو الفضل کے بعض بے باکانہ الفاظ پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور آمد و رفت موقوف کر دی، ابو الفضل نے آدمی بھیج کر بلوایا اور معذرت کی، ایک مرتبہ فیضی کو جو اُس زمانہ میں تفسیر غیر منقوط (سواطع الالہام) لکھنے میں مصروف تھے، ایک جگہ مناسب (غیر منقوط) الفاظ ملنے میں اور مطلب کے ادا کرنے میں دقت پیش آئی اور قلم رک گیا، حضرت مجدد سے انھوں نے تذکرہ کیا، آپ نے مشکل کشائی فرمائی اور فیضی کو آپ کے طبع رسا اور وفور علم کا اعتراف کرنا پڑا۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل ہو گیا، والد ماجد کو شوق ملاقات ہوا، باوجود کبرسنی اور بُعد مسافت کے آگرہ تشریف لے گئے، حضرت مجدد نے والد ماجد کے ساتھ وطن مراجعت فرمائی، دہلی و سرہند کے درمیان جب شہر تھانیسر سے گزر ہوا تو شیخ سلطان جو وہاں کے رؤسا و عمائد اور اس کے ساتھ علماء و فضلاء وقت میں تھے، اور ان کو تقرب سلطانی بھی حاصل تھا، اور اس وقت علاقہ تھانیسر کے حاکم تھے، اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آئے اور اپنے یہاں مہمان رکھا، اور ایک اشارۂ غیبی کی بنا پر اور حضرت مجدد کے اخلاق و خصوصیات کو دیکھ کر ان سے نسبت مصاہرت قائم کرنے کی خواہش کی، والد صاحب نے اس رشتہ کو منظور فرمایا اور وہیں عقد مسنون انجام پایا، اور آپ بہو کو رخصت کر کے سرہند تشریف لائے۔

---

[1] حدیث مسلسل بالاولیت اور دوسری اسانید "زبدۃ المقامات" میں موجود ہیں۔

سلوک کی تربیت و تکمیل اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت و استفادہ

اس موقع پر تصوف و سلوک کی ضرورت اور اس کے شرعی و عملی ثبوت پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں کہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کے سلسلہ کے (جس کا یہ چوتھا حصہ ہے) قارئین کو اس کی پہلی جلد کے مطالعہ ہی سے جس میں حضرت خواجہ حسن بصری، سیدنا عبد القادر جیلانی اور مولانا جلال الدین رومی کے تذکرے موجود ہیں، اور تیسری جلد تو سر اسر ہندوستان کے مشائخ کبار ہی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اس مضمون سے واسطہ پڑ چکا ہے، اگر اس سلسلہ میں مزید تحقیق اور اطمینان کی ضرورت ہو تو مصنف کی کتاب "تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک" کا مطالعہ کیا جائے۔

یہاں صرف اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس ماحول اور عہد میں حضرت مجدد کو اپنا نازک و دشوار تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، اس میں تصوف اسلامی معاشرہ اور ماحول میں اس طرح گھل مل گیا تھا کہ وہ اس کا مزاج و مذاق بن گیا تھا، خواص تو خواص عوام بھی کسی عالم، معلم یا مصلح کے اس وقت تک قائل، اس کے عقیدت کیش اور اس کے خطاب و تفہیم سے مستفیض نہیں ہوتے تھے، جب تک کہ وہ تصوف و سلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول و مستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو، اور یہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں، تزکیۂ نفس، اخلاص و یقین اور درد و سوز کے بغیر (جو عموماً کثرت ذکر و صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا) محض زور علم اور زور تقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، غرض یہ کہ اس عہد و ماحول میں تصوف و سلوک اور قوت روحانی اور نور باطنی کے بغیر اصلاح و انقلاب کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ ہتھیاروں اور سپہ گری کے مشق و تربیت کے بغیر کوئی شخص میدان جنگ میں اتر آئے اور کسی تربیت یافتہ و مسلح فوج کا مقابلہ کرے یا کوئی ایسا شخص توپ کو گر

سے فطرتاً محروم ہو تعمیر و تفہیم کا کام انجام دینا چاہیے یہی حکمت و تدبیر الٰہی کا اقتضا تھا کہ اس میدان اصلاح و انقلاب میں اترنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو تصوف و سلوک کا نہ صرف رمز آشنا اور محرم راز بنایا بلکہ اہل کمال و تکمیل کی صحبت و تربیت سے پھر موہبت ربانی اور اجتبائے خاص سے ان کو اس درجۂ امامت و اجتہاد تک پہنچایا کہ وہ اس کارِ عظیم کو پوری تیاری اور پورے اعتماد کے ساتھ انجام دیں اور اس کا اثر دنیا کے دور دراز گوشوں اور بعد کی صدیوں تک قائم رہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔

سرہند پہنچ کر آپ والد ماجد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے، ان سے بیش بہا فوائد باطنی حاصل کئے اور سلسلۂ چشتیہ و قادریہ کا سلوک طے کیا، اسی کے ساتھ علوم ظاہری کی تعلیم کا مشغلہ بھی جاری تھا۔

اس زمانہ میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ کے شوق نے غلبہ کیا اور اس کی کشش نے مضطرب و بے آرام بنا دیا، لیکن چونکہ والد ماجد کبیر السن تھے اور بظاہر ان کی رحلت کا زمانہ قریب تھا اس لئے ایسی حالت میں ان کو چھوڑ کر جانا مناسب نہ معلوم ہوا، جب ۱۰۰۷ھ میں ان کا واقعۂ ارتحال پیش آ گیا تو اب آپ کو کوئی مانع نہ رہا اور ۱۰۰۸ھ میں آپ نے حرمین شریفین کی حاضری اور ادائے حج بیت اللہ کے لئے رخت سفر باندھ لیا اور سرہند سے کوچ کر کے دہلی پہنچ گئے، وہاں کے علماء و فضلاء جن کے کانوں تک آپ کا آوازۂ فضل و کمال پہنچ چکا تھا، ملاقات کے لئے آئے، ان میں مولانا حسن کشمیری بھی تھے، جن سے حضرت کا پرانا تعارف تھا، انھوں نے دوران گفتگو حضرت خواجہ باقی اللہ کے علو مرتبہ اور قوت باطنی کا تذکرہ کیا، جن کا کچھ عرصہ پہلے دہلی میں ورود ہوا تھا، حضرت مجدد اپنے والد ماجد سے سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر اور اس کا اشتیاق سن چکے تھے، اس لئے آپ کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، اور اس کو حرمین شریفین کی

حاضری کی تیاری اور اس کی ایک سوغات سمجھ کر حاضری کا قصد فرمالیا، اور مولانا حسن کشمیری کی معیت میں وہاں حاضر ہوگئے، اس وقت ہاتف غیب نے صدا دی ہوگی ؎

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم!

قبل اس کے کہ اس "قران السعدین" کا حال بیان کیا جائے اور اس کے بعد کے واقعات لکھے جائیں، حضرت خواجہ کا تعارف کرا دینا ضروری ہے[1]، اس سلسلہ میں ہم وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو مصنف "نزہۃ الخواطر" نے (جلد پنجم) حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "ما قل ودل" کا مصداق ہے اور اس میں متعدد کتابوں اور تذکروں کا لب لباب آگیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالباقی نقشبندی دہلوی (خواجہ باقی باللہ)

شیخ اجل، قطب الاقطاب، امام الائمہ، رضی الدین ابوالموید عبدالباقی بن عبدالسلام البدخشی مشہور بہ باقی باللہ کابلی ثم دہلوی، آپ کا وجود دنیا کے لئے باعث برکت وزینت، آپ کی حیات طیبہ مقصد آفرینش وغایت خلق کا مظہر[3]، آپ کی زبان حقیقت ترجمان اور آپ کی ذات خلاصۂ عرفان تھی، علم ومعرفت میں اللہ کی کھلی نشانی، اور ولایت وروحانیت کے منارۂ نورانی

---

[1] حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ان کے احسان مند اور شکر گزار رہے کہ ان کے ذریعہ آپ کو یہ دولت جاوید حاصل ہوئی، ملاحظہ ہو مکتوب ۸۴ دفتر اول۔ [2] سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار، خصوصی بانی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حالات اور سلسلہ کی خصوصیات اور نسبت خاصہ کی اجمالی واقفیت کے لئے اسی سلسلہ کی کڑی سید حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات بالخصوص "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" اور "ہمعات" کا مطالعہ کیا جائے۔

[3] یعنی آیت "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں) کی عملی تفسیر اور روشن تصویر۔

۹۷۱/۹۷۲ھ کے حدود میں کابل میں پیدا ہوئے اور مولانا محمد صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا اور ان کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر ان کے دل میں طریقۂ صوفیہ میں داخل ہونے کا داعیہ پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں آپ نے رسمی علوم کی تحصیل چھوڑ دی اور بلاد ماوراء النہر کے بہت سے مشائخ کبار کی مجلسوں میں حاضر ہوتے رہے آپ نے سب سے پہلے شیخ خواجہ عبید خلیفہ مولانا لطف اللہ خلیفہ مخدوم اعظم دہبیدی کے دست حق پرست پر توبہ کی مگر جب آثار استقامت ظاہر نہ ہوئے تو شیخ افتخار کی سمرقند آمد کے موقع پر ان کے ہاتھ پر دوبارہ توبہ کی جو شیخ احمد یسوی کے سلسلہ کے بزرگ تھے جب دوبارہ اپنی عزیمت واستقامت میں کمی محسوس کی تو اضطراری حالت میں امیر عبداللہ بلخی کے ہاتھ پر تیسری بار توبہ کی اور کچھ عرصہ حفظ حدود کے پابند رہے مگر آخری بار یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی اسی عرصہ میں ان کو خواب میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی زیارت ہوئی اور اہل اللہ کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا جہاں آپ کے لئے ممکن ہوتا وہاں جاتے رہتے تھے یہاں تک کہ کشمیر میں شیخ بابا کبروی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے مستفیض ہوئے ان کی صحبت میں ان ربانی فیوض کی بارش ہوئی اور اس سلسلہ کی معروف غیبت وفنائیت کے آثار ظاہر ہوئے شیخ مذکور کی وفات کے بعد آپ شہروں میں پھرتے رہے اور سیاحت واستفادہ کا عرصہ گزرنے کے بعد حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی روح نے ظاہر ہو کر آپ کو نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور آپ کی تکمیل ہو گئی اس کے بعد ماوراء النہر گئے جہاں شیخ محمد امکنگی سے ملاقات ہوئی جنھوں نے تین دن کے بعد اجازت و رخصت عطا کی جس کے بعد آپ ہندوستان واپس ہوئے اور لاہور میں ایک سال ٹھہرے جہاں بہت سے علماء نے آپ سے استفادہ کیا پھر وہاں سے ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی تشریف لائے اور قلعۂ فیروزی میں قیام فرمایا جس میں ایک بڑی نہر اور ایک بڑی مسجد تھی آپ وہاں اپنی وفات

تک مقیم رہے ۔

آپ اعلیٰ درجہ کے صاحبِ وجد و ذوق، نہایت متواضع و منکسر مزاج تھے اغیار اور نا محرموں سے اپنے احوال رفیعہ کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اپنے کو مقام ارشاد کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور اگر کوئی آپ کے پاس باطنی استفادہ کے لئے حاضر ہوتا تو آپ یہی فرماتے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اس لئے آپ کسی اور بزرگ سے رجوع کریں اور اگر آپ کو کوئی شخصیت مل جائے تو مجھے بھی خبر کر دیں، غرض آپ ادعا سے دور رہ کر آنے والوں کی خدمت و تالیف قلب میں مشغول رہتے تھے اور کسی ضرورت یا دقیق مسئلہ کی وضاحت ہی کے لئے لب کشائی کرتے اور طالب کی رہنمائی کے لئے مسئلہ کی پوری وضاحت فرماتے تھے اپنے احباب کو قیام تعظیمی سے منع فرماتے اور اپنے کو انھیں جیسا سمجھتے تھے اور تمام حالات میں ان سے مساوات کا معاملہ فرماتے تھے تواضع و مسکنت کے خیال سے ننگی زمین پر بھی بیٹھ جاتے تھے ۔

آپ کو عجیب و غریب کیفیت روحانی اور قوت تاثیر حاصل تھی جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی اس کے حالات بدل جاتے اور پہلی ہی صحبت میں اُسے ذوق و شوق اور اہل معرفت کی دوسری کیفیات حاصل ہو جاتیں اور پہلی ہی توجہ و تلقین میں طالبین کا قلب جاری ہو جاتا تھا، آپ کا فیض اور مخلوق پر شفقت سب کے لئے اس قدر عام تھی کہ کہا جاتا ہے کہ ایک رات میں آپ کسی کام سے بستر سے اٹھ کر گئے اور جب واپس ہوئے تو اپنے لحاف میں ایک بلی کو سوتا دیکھ کر اسے جگانے اور ہٹانے کے بجائے صبح تک بیٹھے رہے اسی طرح آپ کے قیام لاہور کے زمانہ میں قحط پڑا تو اس عرصہ میں آپ نے کچھ نہیں کھایا آپ کے پاس جو کھانا آتا اسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے تھے لاہور سے دہلی جاتے ہوئے راستہ میں ایک معذور شخص کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑے اور اُسے سوار کر کے اور پہچاننے والوں سے بچنے کے لئے

چہرہ چھپاتے ہوئے اس کی منزل مقصود تک پیدل گئے اور پھر سوار ہوئے غلطی کے اعتراف اور اپنے کو خطاکار سمجھنے میں کوئی تأمل نہ کرتے تھے اور اپنے اصحاب ہی سے نہیں بلکہ عوام سے بھی اپنے کو ممتاز نہیں سمجھتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پڑوس میں رہنے والا ایک نوجوان ہر قسم کی برائیوں کا ارتکاب کرتا تھا مگر باخبر ہونے کے باوجود آپ اسے برداشت کرتے رہے کسی موقع پر ان کے مرید خواجہ حسام الدین دہلوی نے حکام سے اس کی شکایت کی اور انھوں نے اسے پکڑ کر بند کر دیا جب شیخ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے ان مرید پر ناراض ہوئے اور ان سے باز پرس کی انھوں نے عرض کیا "حضرت وہ بڑا ہی فاسق ہے" اس پر آپ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ جی ہاں! آپ لوگ اہل صلاح و تقوی تھے اس لئے آپ نے اس کا فسق و فجور محسوس کر لیا، مگر ہم تو اپنے کو اس سے بہتر نہیں سمجھتے اس لئے اپنی ذات کو چھوڑ کر حکام تک اس کی شکایت نہیں لے گئے، پھر آپ کی کوشش سے حکام نے اسے رہا کیا اور وہ تائب ہو کر اہل صلاح میں سے ہو گیا۔

جب آپ کے کسی مرید سے کوئی غلطی ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ میری ہی غلطی تھی جو بالواسطہ اس سے ظاہر ہوئی عبادات و معاملات میں احتیاطی پہلو اختیار کرتے اس لئے ابتداء میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں اور قوی دلیلیں ہیں۔

یہ چند چیزیں ان کے فضائل و کمالات کا صرف ایک معمولی حصہ اور ان کے بحر شمائل کا صرف ایک قطرہ ہیں اسی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ قلیل مدت میں کتنے انسانوں کو آپ سے فیض باطنی پہونچا جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس سلسلہ مبارکہ کو آپ ہی کے ذریعے

فروغ حاصل ہوا، جسے آپ سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔[1]

شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری کہتے ہیں کہ آپ وعظ و ارشاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے کیونکہ کل تین چار سال کی مدت میں اپنے افادات کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلا دی، اس کی تفصیل ملا ہاشم کشمی کی "زبدۃ المقامات" میں ہے، آپ نے کل چالیس سال کی عمر پائی اور ہندوستان آنے کے بعد کل چار سال حیات رہے اور اس تھوڑی مدت میں آپ کے اصحاب و رفقاء کمالات کے اعلیٰ مدارج پر پہونچ گئے یہاں تک کہ انھوں نے گذشتہ سلسلوں کے آثار محو کر دیئے اور طریقہ نقشبندیہ تمام سلسلوں پر غالب آگیا۔

محمد بن فضل اللہ محبی نے "خلاصۃ الاثر" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ خدا کی ایک نشانی و روشنی اور سر الٰہی اور علم ظاہر و باطن اور تصرفات کے حامل تھے، خاموش طبع، متواضع اور ایسے خوش اخلاق تھے کہ لوگوں میں اپنے کو ذرا بھی ممتاز نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے احباب کو بھی قیام تعظیمی سے روکتے اور معمول سلوک کی تلقین کرتے تھے۔

محبی کا کہنا ہے کہ آپ سے بڑے تصرفات ظاہر ہوئے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی یا داخل سلسلہ ہوتا تو اس پر محویت و فنائیت کا غلبہ ہو جاتا، اگرچہ اسے اس راہ سے پہلے کوئی مناسبت نہ ہوتی، لوگ آپ کے دروازہ پر مدہوشوں کی طرح پڑے رہتے، بعض لوگوں

---

[1] سلسلۂ نقشبندیہ ہندوستان دو طریق سے پہونچا، ایک میر ابو العلاء اکبرآبادی کے ذریعہ جن کو اپنے چچا عبداللہ احراری کے طریقۂ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت تھی، اس طریق میں چشتیت و نقشبندیت باہم مخلوط ہیں، کالپی، امروہہ، داناپور وغیرہ کا ابو العلائی سلسلہ انہی سے چلتا ہے، دوسرا طریق حضرت خواجہ باقی باللہ کا ہے، اصلاً اسی طریقہ کی ہندوستان میں اشاعت حضرت خواجہ کی آمد اور حضرت مجدد کے اس سلسلہ میں داخل ہونے سے ہوئی، پھر وہ سارے عالم میں پھیل گیا۔

(الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، تالیف مولانا سید عبد الحئی مصنف نزہۃ الخواطر)۔

پر پہنچے ہی دو ماہ میں عالم ملکوت منکشف ہو جاتا جو غیبی کشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کے مریدوں میں طریقہ مجددیہ کے امام و بانی حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شیخ تاج الدین بن سلطان عثمانی سنبھلی، شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بدخشی، شیخ الٰہ داد دہلوی جیسے جلیل القدر مشائخ اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

آپ کی تصنیفات میں نادر رسالے، قیمتی مکاتیب اور پاکیزہ اشعار ہیں جن میں کتاب "سلسلۃ الاحرار" ہے جس میں آپ نے فارسی میں اپنی عرفانی رباعیات کی شرح کی ہے۔

چہارشنبہ ۲۵ جمادی الآخرۃ ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں چالیس سال چار ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر مغربی دہلی میں قدم رسول کے قریب ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

بیعت و تکمیل

حضرت مجددؒ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ گویا آپ کے انتظار ہی میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت و مہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی محجوب اور دیر آشنا واقع ہوئی تھی، کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے، لیکن یہاں طالب خود مطلوب تھا، اور خدا کو حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجدد کی روحانی تکمیل کر کے اور اس نسبت خاص کو عطا کر کے جس کا طریقۂ نقشبندیہ اس عہد میں حامل تھا، اور جس کی سلوک باطنی کی دنیا اور ہندوستان کے اس روحانی ماحول میں ضرورت تھی، ایک نئی نوعیت و طرز سے دین کی تجدید کا کام لینا، طریقت کو شریعت کے تابع بنانا، منازل سلوک کو طے کرانا اور وسائل سے مقاصد تک پہونچانا مقصود تھا، حضرت خواجہ نے خلاف معمول فرمایا کہ "آپ چند روز ہمارے مہمان رہیں" ایک ماہ ایک ہفتہ ہی رہے۔

حضرت خواجہ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تو استخارہ کیا تھا، استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے ان کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا، وہ اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنے منقار سے ان کے منہ میں شکر ڈال رہا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ "طوطی ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا"۔[۱]

حضرت مجدد کے لئے اس ارشاد کے بعد انکار و معذرت کی کیا گنجائش تھی کہ ان کے اندر خود خضر طریق اور چشمۂ حیواں کی طلب موجود تھی، آپ نے یہ دعوت قبول فرمائی اور رفتہ رفتہ یہ قیام ایک ماہ دو ہفتہ کو پہنچ گیا، اس صحبت میں طریقۂ نقشبندیہ کے اکتساب و تحصیل کا ایسا جذبہ طاری ہوا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بلا تامل قبول فرمایا اور خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی، اور آپ کی توجہ سے اسی وقت ذکر قلبی جاری ہو گیا اور ایسی حلاوت و لذت محسوس ہوئی جو یوماً فیوماً بڑھتی اور ترقی کرتی رہی، حضرت خواجہ نے ان حالات اور سرعت رفتار ترقی کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہی وہ طوطی خوش نوا ہے جو خواب میں دکھایا گیا تھا، اور اسی کی خوش نوائی و خوش ادائی سے ہندوستان کے چمن بلکہ چمن اسلام میں بہار آئے گی

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اس دو ڈھائی مہینہ میں حضرت مجدد کو جو باطنی کیفیات و ترقیات حاصل ہوئیں اور جو مراحل سلوک طے ہوئے ان کا بیان کرنا اور الفاظ کے ذریعہ ان کا سمجھنا یا سمجھانا ممکن نہیں۔[۲]

---

[۱] زبدۃ المقامات ص[illegible]، و حضرات القدس ص[illegible]

[۲] جو شخص اس کی تفصیل دیکھنے کا شائق ہو وہ مکتوب [illegible] دفتر اول حصہ چہارم بنام حضرت خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہ نیز مکتوب [illegible] دفتر اول حصہ پنجم بنام مولانا محمد ہاشم کشمی کا مطالعہ کرے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

حضرت مجددؒ اس کے بعد سرہند شریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی اور یوماً فیوماً ترقی ہونے کی امید ہے۔ دوسری مرتبہ جب دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی، اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجددؒ اس کے بعد تیسری اور آخری مرتبہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے بہت دور باہر نکل کر استقبال کیا اور بڑی بشارتیں دیں، اپنے حلقۂ توجہ میں آپ کو سرحلقہ بنایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے، رخصت کرنے کے وقت فرمایا کہ اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے امید حیات بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ اور حضرت خواجہ عبد اللہ کو جو اس وقت شیرخوار تھے اپنے سامنے آپ سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجئے، چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔[1]

حضرت مجددؒ کے علو مرتبہ کی شہادت حضرت خواجہ کی زبان سے

حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو اس تعلق کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا کہ شیخ احمد نے جو سرہند کے باشندہ کثیر العلم قوی العمل بزرگ ہیں، فقیر کے ساتھ چند روز نشست و برخاست

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ

کی فقیر کے مشاہدہ میں ان کے عجیب کمالات و اوصاف آئے، امید ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے ایک عالم روشن ہو جائے گا، ان کے احوال کاملہ پر میرا یقین استوار ہے۔

تو حضرت مجدد کو پہلی ہی توجہ و تلقین سے یہ نصیب ہو گیا کہ وہ اس راہ کے مدارج عالیہ تک پہونچیں گے، اسی کے ساتھ وہ یہ تصور اور اپنی نفی بھی دل میں راسخ تھی، اسی کے ساتھ شعر بھی وردِ زبان تھا۔

ازیں نورے کہ از تو بردلم تافت
یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت[1]

حضرت مجدد ان ترقیات باطنی اور فضائل[2] علمی و عملی کے ساتھ اپنے شیخ و مرشد کا نہایت درجہ ادب کرتے تھے، کسی وقت اگر شیخ نے ان کو طلب فرمایا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا، اور حضرت شیخ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہو گیا جو کم تر کسی شیخ کا اپنے مسترشد کے ساتھ ہوا ہوگا، ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ احمد آفتاب است کہ مثل ما ہزاراں ستارگان در ضمن ایشاں گم اند[3] (شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔)

* * *

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۱۵۱
[2] ایضاً ص ۱۳۹
[3] ایضاً ص ۲۳۰

بابِ چہارم

اہم واقعات و حالات، ارشاد و تربیت کی سرگرمی، وفات

سرہند کا قیام

اس اکتسابِ فیض اور تکمیل کے بعد حضرت مجدد نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا بشدت احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھیں اور طبیعت عروج کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرنا جس کے لئے نزول شرط ہے جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ (اس حالت میں) اپنے نقص کا علم روشن ہو گیا جو طالب میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوال منتظرہ عطا فرما دیئے۔[1]

آخر وہ وقت آ گیا کہ آپ کا فیض عام ہو، اور طالبین کی تکمیل اور ارشاد کا کام

---

[1] مکتوبات، مکتوب ۲۹۰ دفتر اول۔

شروع ہو، مجدد صاحب اپنے احوال مسترشدین اور برادران طریقت کی ترقیات باطنی کی تفصیل شیخ کو لکھتے رہے، ایسی بشارتیں، منامات اور کیفیات بھی ظاہر ہوئیں جن سے آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور آپ سے دین کی کوئی عظیم الشان خدمت وجود میں آئے گی۔[1] تیسری حاضری کے بعد حضرت خواجہ کی صحبت میسر نہ ہو سکی۔

لاہور کا سفر

حضرت مجدد نے کچھ عرصہ سرہند مقیم رہ کر شیخ کے اشارہ و ارشاد پر لاہور کا سفر اختیار فرمایا، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی و دینی مرکز تھا، اور وہاں بکثرت علماء و مشائخ تھے، ان میں سے ایک جم غفیر نے آپ کی آمد کی خبر سن کر آپ کا پرجوش استقبال کیا اور بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آئے[2] مولانا طاہر لاہوری (جو بعد میں حضرت مجدد کے اجلّہ خلفاء میں ہوئے) مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، ذکر و مراقبہ کا حلقہ قائم ہوتا اور مجالس صحبت گرم رہتیں۔[3]

حضرت مجدد ابھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی اطلاع ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک اضطراب و اضطراری حالت میں دہلی کی طرف عنان سفر موڑ دی، راستہ میں سرہند پڑتا تھا لیکن گھر نہ گئے، پہلے اپنے شیخ و مرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشدزادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز دہلی میں قیام

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۳ دفتر دوم

[2] زبدۃ المقامات ص ۱۵۱

[3] زبدۃ المقامات ص ۱۵۰، روضۃ القیومیہ میں ہے کہ اسی سفر میں خان خاناں اور مرتضیٰ خاں (سید فرید) بھی حلقۂ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے ص ۱۱۱

فرمایا اور تربیت و ارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے ارتحال سے سونی ہو گئی تھی، دوبارہ آباد اور مغموم و پژمردہ دل شگفتہ اور تازہ ہو گئے۔ ۱؎

کچھ روز قیام فرما کر آپ سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا اتفاق ہوا، آخر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ہمراہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) بعض شہروں اور مقامات سے آپ کا گذرنا ہوا، تو وہاں کے اہل طلب اور اہل شوق آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ ۲؎

تبلیغ و دعوت اور ارشاد و تربیت کے وسیع انتظامات اور رجوع عام

سنہ ۱۰۲۶ھ میں آپ نے اپنے بہت سے خلفاء تبلیغ و ہدایت کے لئے مختلف مقامات پر بھیجے، ان میں سے ستر مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ترکستان کی طرف روانہ کئے گئے، چالیس حضرات مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرات مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراسان گئے، اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ ۳؎

بہت سے نامی گرامی علماء و مشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے سفر کی دشوار گذار منزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے اور بیعت و استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے محسود علیہ شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے

۱؎ زبدۃ المقامات ص ۶۸ ۲؎ ایضاً ص ۱۵۹ ۳؎ روضۃ القیومیہ ص ۲۳۰-۲۳۱

جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برکی، مولانا یار محمد اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو معرفت واجازت عطا فرماکر دعوت وارشاد کے لئے اپنے اپنے مقامات کو واپس کیا۔[1]

ہندوستان میں بھی آپ نے جا بجا اپنے خلفاء کو دعوت وارشاد پر مامور فرمایا۔ خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا فرماکر دکن بھیجا۔ ان کی خانقاہ میں کئی کئی سو سوار اور بے شمار پیادہ ذکر ومراقبہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرماکر پہلے سہارنپور پھر شاہی لشکرگاہ (معسکر) آگرہ میں متعین کیا۔ ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی۔ میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلفاء میں تھے، تجدید بیعت واجازت نامہ مرحمت فرماکر برہان پور روانہ فرمایا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے، اور لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی۔ شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے، جو ہندوستان کا دوسرا علمی ودینی مرکز تھا، طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے روانہ فرمایا اور ان سے اس دیار میں بڑا فیض پہونچا۔ شیخ نور محمد پٹنی کو اجازت مرحمت فرماکر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، وہاں سے ان دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادۂ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرکے اور تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر بنگال روانہ کیا۔ شیخ طاہر بدخشی کو تکمیل حال کے بعد تعلیم طریقت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا۔ مولانا احمد برکی تعلیم وتربیت میں مجاز ہونے کے بعد برک

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روضۃ القیومیہ ص [illegible]۔ حضرات القدس میں بھی خلفاء کے ضمن میں متفرق طور پر ان کی مختلف مقامات کی طرف روانگی، دعوت وارشاد وتربیت پر مامور کرنے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو حضرات القدس ص [illegible]

پہونچ کر ارشاد وتربیت میں مشغول ہو گئے۔ اور اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب حضرت کی خدمت میں لکھتے رہے۔ شیخ عبدالحی حصار شادمان (علاقۂ اصفہان) کے باشندے تھے، مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ حضرت نے آپ کو تعلیم وطریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا، شیخ عبدالحی شہر کے درمیان تشنگان طریقت کی پیاس بجھاتے تھے، اور شیخ نور محمد دریائے گنگا کے کنارے ارشاد وتربیت کا چشمہ جاری کئے ہوئے تھے۔ شیخ حسن برکی اپنے وطن میں اشاعت طریق وسنت پر مامور تھے، سید محب اللہ مانکپوری کو خلافت عطا کر کے مانکپور روانہ کیا، پھر حضرت کی اجازت سے وہ الہ آباد منتقل ہو گئے۔ شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی توجہات خصوصی سے سرفراز ہو کر وطن واپس ہو گئے۔[1] سنہ ۱۰۲۲ھ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مجدد کی جلالت شان اور قوت ارشاد وحسن تربیت کا آوازہ بیرون ہند تک پہونچ چکا تھا، لوگ جوق در جوق زیارت واستفادہ کے لئے آنے لگے، اور ماوراء النہر، بدخشاں، کابل اور بعض دوسرے عجمی ممالک کے بہت سے شہروں میں آپ کے خلفاء موجود تھے، اور عرب ممالک تک بھی آپ کی شہرت پہونچ گئی تھی، ہندوستان میں تو مشکل سے کوئی شہر ہوگا جہاں آپ کے تابعین اور دعوت الی اللہ دینے والے موجود نہ ہوں۔

سلطانِ وقت جہانگیر کا رویہ

سنہ ۱۰۱۴ھ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، اور نورالدین جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا، اکبر کے دور میں اسلام اور مسلمانوں پر جس طرح عرصۂ حیات تنگ ہوا اور اس عظیم ملک میں جس کو مسلمان فاتحین کے خون، مصلحین اور خادمین اسلام کے پسینہ اور اہل باطن و

---

[1] حضرات القدس، حضرۃ الخلفاء، تذکرۃ فی بیان احوال الخلفاء، ودیگر کتب۔

اہل قلوب کے اشک سحرگاہی سے سیراب و بار آور کیا گیا تھا) اسلام کی بیخ کنی کا کام جس قوت اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا، وہ آپ کے درد مند دل اور غیور اسلامی طبیعت کو مضطرب کرنے کے لیے کافی تھا، لیکن کچھ تو ابھی تکمیل حال اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت کی بنا پر اور کچھ اس لیے کہ وہ فتنہ اپنے شباب پر تھا، اور ابھی وہ سرا ہاتھ میں نہیں آیا تھا جس کے ذریعہ آپ سلطنت اور اس کے رجحان اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں، آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا، اور اگر فرمایا تو تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خان خاناں سید صدر جہاں اور مرتضیٰ خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز پیغامات بھیجے ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب و اعتماد حاصل تھا، اور حضرت مجدد کی عظمت و عقیدت بھی ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

جہانگیر کو صرف یہ کہ اسلام سے کوئی عناد نہ تھا بلکہ ایک طرح کی سلامت روی اور حسن اعتقاد تھا، اور اس کو کسی نئے دین و آئین کے جاری کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کا عمل اپنے جد امجد کی اس ہدایت پر تھا کہ ؎

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے بادشاہ کی اس سادہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے، اور جس کی تفصیل آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی۔

لیکن قبل اس کے کہ آپ یہ انقلاب انگیز کام شروع کریں، گوالیار کی اسیری کا واقعہ پیش آگیا جو کئی حیثیتوں سے حضرت مجدد کی حیات اور اس عہد کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے

بعض سیر و سوانح کی عام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جہانگیر کے سامنے مکتوبات کے وہ نازک مضامین پیش کئے گئے جن کا تعلق تصوف کی اصطلاحات و دقائق اور لکھنے والے کے ذوق و مقام کے سمجھنے پر موقوف ہے اور جو درحقیقت وہ جزوی کشوفات و محسوسات تھے جو سالک کو اپنے سیر و سلوک میں عارضی طور پر پیش آتے ہیں، اور جن کی اپنے شیخ و مربی کو اطلاع دینی ضروری ہے۔[1]

جہانگیر کے لئے ان مضامین میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھے اور جن میں ایک سادہ لوح سنی العقیدہ مسلمان کے لئے جو کشف و واقعہ اور عبور و استقرار کے فرق کو نہیں جانتا، وحشت و تشویش کے پورے اسباب موجود تھے، اس نے ان پر بڑی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا، اور ان کو جمہور مسلمین و اہل سنت کے مسلّم عقائد کے خلاف سمجھا اور ادعاء و خود بینی پر محمول کیا، اپنی توزک میں اس نے جہاں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس میں اس کی حیرت و استعجاب صاف جھلکتا ہے، مجدد صاحب کا ذکر اس نے بہت نامناسب انداز اور کسی قدر تحقیر آمیز طریقہ پر کیا ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۱ دفتر اول بنام حضرت مرشد خواجہ باقی باللہ

* جہانگیر کے علاوہ جو اس کوچہ سے نابلد تھا، بعض دیگر اہل علم حضرات کو بھی ان مضامین کو پڑھ کر بڑا اشکال پیش آیا، ان میں یہاں صرف ایک نام کافی ہے، وہ عالم ماہر علم حدیث و جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہیں، [illegible] مگر ان کو اس پر [illegible] ان کی حضرت مجدد سے مراسلت بھی ہوئی، آخر میں ان کو اس بارے میں اطمینان و شرح صدر ہو گیا جس کا اظہار انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں فرمایا، ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق کی روایت ہے کہ آخر میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک شخص حسن نامی تھا جو حضرت شیخ احمد کے پاس رہتا تھا، کسی بات پر ان سے ناراض ہو کر چلا گیا اور شیخ کے مکتوبات میں جتنا کچھ لکھا ہوا اس کے پاس تھا تحریف و اضافہ کر کے مسخ شدہ حالت میں جا بجا پھیلا دیا۔ ارشاد آب العارفین از شیخ محمد نور الحق ص ۲۳

شاید جہانگیر اور اس کے اعوان کی بدگمانی کی بنیاد یہی تحریف شدہ مکاتیب ہی ہو سکتے ہیں۔ [2] ملاحظہ ہو توزک جہانگیری ص ۲۷۲-۲۷۳ و تاریخی مقالات [illegible]

اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجدد صاحب کے مرتبہ و مقام سے بالکل بے خبر ہے اور وہ ایک تورانی مغل امیر کے قلم سے جو مسلمانوں کے عام عقائد کے سوا کچھ نہیں جانتا، اور اپنے کو ان کا حامی و محافظ سمجھتا ہے، بے تکلف اظہار خیال کر رہا ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو لشکر شاہی میں جو مقبولیت حاصل ہوئی تھی اور اعیان سلطنت کی ان کے یہاں بکثرت آمد و رفت شروع ہو گئی تھی اس کو بھی لوگوں نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا، اور اس سے خطرہ ظاہر کیا، یہ بھی کہا گیا کہ حضرت مجدد و شیخ کے ذریعہ فوج سے ساز باز کر رہے ہیں، اور بغاوت کا منصوبہ تیار کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ بدیع الدین سے اپنے جوش عقیدت میں بھی بعض بے احتیاطیاں ہوئیں، اور انھوں نے اپنے بعض وقائع و کشوف "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کی نصیحت پر عمل نہ کرتے ہوئے ایسے بیان کیے جو خواص کالعوام اور عوام کالانعام کے فہم و ادراک سے بالاتر اور محل قیل و قال تھے[1]، اس کا اثر حضرت مجدد تک بھی پہونچا، جہانگیر اس کو پہلے سے بالکل ناآشنا تھا، اور دربار میں اس کے کان بھرنے والے بھی موجود تھے، اور چونکہ مجدد صاحب تشیع کے ان اعتقادی اور عملی اثرات کا مقابلہ کرتے تھے جو ایرانی عنصر کے ہندوستان میں آنے اور دربار پر حاوی ہو جانے کے بعد سے مسلم معاشرہ پر چھاتے چلے جا رہے تھے، اور عقائد اہل سنت کی صاف صاف تبلیغ فرماتے تھے، اس سے اگر دربار کے بارسوخ ایرانی عنصر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا ہو تو تعجب نہیں، مسئلہ کو سیاسی رنگ دینے کے بعد اس کی اہمیت اور بڑھ گئی، اور جہانگیر نے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت مجدد کا آفتاب ارشاد نصف النہار پر تھا، اور آپ کی سرگرمی و مصروفیت اور اسی کے ساتھ شہرت و مقبولیت نقطۂ عروج پر تھا، اس میں بھی

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ [illegible]

حکمت الٰہی تھی کہ اس عظمت و عروج کے عین شباب کے زمانہ میں آپ کو اس ابتلاء و امتحان میں ڈال کر وہ مقامات عبدیت طے کرائے جائیں اور روحانی ترقی کے اس مقام پر پہونچایا جائے جو عادۃً اس مجاہدہ و امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

گوالیار کی اسیری کے اسباب

تاریخ و سوانح کی عام کتابوں میں اسیری اور قلعۂ گوالیار میں نظر بند کئے جانے کا سبب اسی خاص مکتوب کے (جو حضرت نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا تھا) وہ نازک مضامین، مکاشفات اور سیر و سلوک کے سلسلہ کی ان دقیق باتوں ہی کو ٹھہرایا گیا ہے جن سے آپ کا بہت اکابر امت سے عالی مقام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

لیکن راقم سطور کو اس میں بہت شبہ ہے کہ حضرت مجدد کو یہ ابتلاء محض اس غلط فہمی میں پیش آیا، اور اس کا سبب جہانگیر کی دینی حمیت اور جمہور اہل سنت کے عقائد و مسلمات کی حمایت تھی، یا محض علمائے دربار یا اس عہد کے قابل احترام علماء و مشائخ کے اصرار و تقاضہ سے کیا گیا، جہانگیر کسی زمانہ میں بھی اس دینی مزاج کا آدمی نہیں تھا، اور اس کی دینی حس کبھی اتنی تیز اور نازک نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ میں جو اس کے فہم سے بالاتر تھا اور جس کا امور سلطنت اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایک ایسی بلند پایہ دینی شخصیت کے خلاف اتنا بڑا اقدام کرے جو ہزاروں آدمیوں کی محبت و عقیدت کا مرکز تھی۔

اس سے پہلے اس کے والد اور دادا کے زمانہ میں شیخ محمد غوث گوالیاری معراج کا دعویٰ کر چکے تھے اور اس کی وجہ سے علماء کے حلقہ میں شورش و بے چینی تھی[1]، اور ان پر فتوے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد مسعود صاحب کی کتاب "شاہ محمد غوث گوالیاری" مطبوعہ کراچی

لگائے جا رہے تھے، لیکن نہ ہمایوں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی کی اور نہ اکبر نے، خود جہانگیر کے زمانہ میں بہت سے مشائخ وحدۃ الوجود کے آخری حدود "عینیت" اور "مساوات"[1] تک پہونچ گئے تھے اور اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اسی کے زمانہ میں شیخ محب اللہ الہ آبادی[2] نے عربی میں کتاب "التسویۃ" لکھی اور فارسی میں اس کی شرح کی، لیکن جہانگیر نے ان تحقیقات و عجیب اقوال کا کوئی نوٹس نہیں لیا، یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متنازعہ فیہ مکتوب[3] (جس کو اس پورے قصہ کی بنیاد بنا لیا گیا ہے) حضرت خواجہ کے نام سنہ ۱۰۱۰ھ کا لکھا ہوا ہے اور گرفتاری سولہ سال بعد ۱۰۲۸ھ میں عمل میں آئی۔

راقم سطور کے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت مجدد کے ارکان سلطنت اور امرائے دربار سے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے اور ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی، جو ایک ایسے ذکی الحس حکمراں کے لئے جو اپنے والد کے خلاف علم بغاوت بلند کر چکا تھا اور بیٹوں سے زور آزمائی کر کے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، وسوسہ اندازی کے لئے کافی تھا، یہی ممکن ہے کہ جہانگیر کو ان موثر اور ولولہ انگیز خطوط کا بھی علم ہو گیا ہو جو حضرت مجدد نے ان ارکان سلطنت کو اصلاح حال اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی حمیت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے تھے۔

ان امرائے دربار اور اراکین سلطنت میں خان اعظم مرزا عزیز الدین خان جہاں خاں لودھی، خان خاناں مرزا عبدالرحیم، مرزا داراب، قلیچ خاں وغیرہ تھے۔[4]

مغل سلاطین مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت، رجوع عام اور ان کے گرد لوگوں کے پروانہ وار جمع ہو جانے سے ہمیشہ خائف رہے ہیں۔۔۔ مجدد صاحب کے خلیفۂ اکبر حضرت سید آدم بنوری کے ساتھ بھی یہی پیش آیا، وہ جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے تو ان کی

---

[1] متوفی ۱۰۵۸ھ [2] اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جہانگیر تزک میں خود لکھتا ہے کہ شیخ کے خلفا و مریدان در

ہر شہر و دیار تعینات کردہ (تزک) نیز کہا اس کی گرفتاری کی مصلحت یہ ہے کہ شورش عوام نیز فرو نشیند (ص ۲۷۳)

ہر کابلی بیہ دس ہزار سادات ومشائخ اور مختلف طبقوں کے عقیدت مند تھے۔ اس وقت شاہجہاں لاہور ہی میں تھا۔ اس کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ایسے اسباب پیدا کئے کہ آپ نے ہندوستان کو خیر باد کہا اور حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ جہانگیر نے گوالیار کی نظر بندی ختم کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت کو اپنے لشکر میں سفر وحضر میں ساتھ رکھا تاکہ وہ امراء وارکان سلطنت کے تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ کر سکے اور اس کا اطمینان کرے کہ آپ سے سلطنت واقتدار کے لئے کوئی خطرہ نہیں، اور نہ آپ سے کوئی مخالف عنصر یا حوصلہ مند یا طالع آزما فائدہ اٹھا سکے گا۔ اس کو جب حضرت کے طرز عمل سے اس کا اطمینان ہو گیا، اور اس نے آپ کے اخلاص، للہیت، بے لوثی، اور بے غرضی اور علو مقام کا مشاہدہ کیا، اور اس کو بچشم خود دیکھ لیا کہ آپ دنیا کی شوکت وحشمت کو خس و خاشاک کے برابر نہیں سمجھتے تو اس نے آپ کو سرہند میں آزادانہ طریقہ پر قیام کی اجازت دی۔

قلعۂ گوالیار کی نظر بندی

بہر حال جہانگیر نے حضرت مجدد کو اپنے مستقر پر طلب کیا اور حاکم سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہو سکے آپ کو وہاں بھجوادے۔ آپ حاضر الوقت پانچ مریدوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ بادشاہ نے جب آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کے لئے بھیجا، اپنے محل کے قریب خیمہ نصب کرایا، اور ملاقات کے لئے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ دربار میں تشریف لے گئے تو آداب شاہی جو خلاف شرع تھے آپ نے ادا نہ کئے ایک نامدار ترین درباری نے بادشاہ کو متوجہ کیا اور کہا کہ جہاں پناہ شیخ نے آداب سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی۔ بادشاہ نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ میں نے آج تک خدا کو

رسول کے بتائے ہوئے آداب و احکام کی پابندی کی ہے، اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہو کر کہا مجھے سجدہ کرو،[1] آپ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کیا اور نہ کروں گا، بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم[2] دے دیا۔

اس واقعہ سے پہلے شاہجہاں نے (جس کو حضرت سے عقیدت و خلوص تھا) علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمن مفتی کو کتب فقہ اور اس پیغام کے ساتھ حضرت مجدد کے پاس بھیجا تھا کہ سجدۂ تحیہ سلاطین کے لئے آیا ہے، اگر آپ سجدہ کرلیں تو میں اس بات کا ضامن و ذمہ دار ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ محض رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔[3]

گرفتاری کا یہ افسوسناک واقعہ ربیع الثانی ۱۰۲۸ھ کی کسی تاریخ کو پیش آیا، اس لئے کہ جہانگیر نے اسی مہینہ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے، قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کرلی گئیں، اور متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کردیا گیا۔[4]

زندانِ گوالیار میں سنتِ یوسفی

گوالیار کی یہ نظر بندی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتوں اور دینی مصالح پر مبنی تھی، اور ترقیاتِ باطنی و ازدیادِ مقبولیت و محبوبیت کا موجب، یہاں اس یوسفِ زندانی نے یوسفِ کنعانی کی طرح اپنے رفقائے زندان میں تبلیغ و ارشاد کا کام پوری سرگرمی سے

---

[1] یہ درباری سجدہ اکبر کے زمانہ سے رائج تھا اور شاہی آداب میں شامل تھا، اورنگ زیب نے اس کو ختم کیا۔

[2] حضرات القدس ص ۱۱۰ [3] ایضاً ص ۱۱۱ [4] تزک جہانگیری ص ۲۷۲-۲۷۳ و مکتوب ۴۳ دفتر سوم۔

شروع کر دیا اور یہی زندان "یاصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار" کی آواز اس بلند آہنگی سے بلند کی کہ قلعہ کے در و دیوار گونج اٹھے اور ان کی آواز باہر پہنچ گئی کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت تبلیغ اور صحبت و تربیت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سیکڑوں قیدی ارادت و صحبت سے سرفراز ہو کر درجات عالیہ تک پہونچے، ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں ہے:-

> "شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء۔ ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کرادیا، دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقائے زنداں میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنایا۔"
>
> (ص۴۱۲ طبع ثالث)

اس طرح انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS) (مذہب و اخلاقیات کا دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے:-

> "ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا جو ناحق قید کر دیئے گئے تھے۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانے کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔"[1]
>
> ج ۸ ص۳۸

---

[1] ماخوذ از مضمون "حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں" بقلم مولانا عبدالماجد دریابادی "الفرقان" مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ۔

دورانِ اسیری کی نعمتیں اور لذتیں

زندانِ گوالیار کے اس چند روزہ مہمانی سے حضرت مجددؒ پر انعامات الٰہیہ کی جو بارش ہوئی اور آپ کو جو باطنی ترقیات، حقیقی شکستگی اور وارستگی کی لذت اور خلوت میں جلوت کی جو نعمت حاصل ہوئی، اس کا حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام خطوط میں تحدیث بالنعمت کے طور پر بڑے مزے لے لے کر ذکر کیا ہے، میر محمد نعمان کے نام ایک طویل مکتوب میں جو قلعۂ گوالیار سے بھیجا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

> "اگر محض فضل خداوندی سے فیوض و واردات الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات و عطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدہ میں مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس و ناامیدی کی حد کو پہنچ جاتا، اور رشتۂ امید شکستہ ہو جاتا، حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی، اور ظلم و جفا میں عزت بخشی، شدت و تکلیف میں مجھ پر احسان کیا، اور راحت و مصیبت میں شکر کی توفیق دی، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں اور اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا، اس سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اور اولیاء اور ان کے متبعین پر تا ابد"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے حکم سلطانی سے محبوس ہونے کی شہرت جب عام ہوئی تو اس پر طرح طرح کے تبصرے شروع ہوئے، لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے اور

---

[1] مکتوب ۱۰ دفتر سوم حصہ ہشتم اردو ترجمہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کے مکتوبات امام ربانی سے ماخوذ ہے۔

قیاس آرائیاں کیں، خدام و محبین کو اس سے قدرتاً اذیت ہوئی، اس تنقید و ملامت خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مخلص شیخ بدیع الدین کو اسی قید خانہ سے لکھتے ہیں:۔

> "جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہونچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہونچ رہے ہیں، اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لئے جا رہے ہیں، برسوں تربیت جمالی سے میری منزلیں طے کرائی گئیں، اب تربیت جلالی سے قطع مسافت کرائی جا رہی ہے، لہٰذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمالی و جلالی کو مساوی جانیں۔"[1]

حضرت صاحبزادگان والا شان کو بھی قید خانہ سے صبر و تسکین اور شکر و رضا کی ہدایت فرماتے رہے، اور توجہ الی اللہ، دعا و مناجات اور ذکر و تلاوت اور ماسوا اللہ کی نفی اور اپنی تعلیم و تکمیل میں مشغول رہنے کی تاکید فرماتے رہے۔[2]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے اس حبس بے جا کا اثر ہندوستان کے صحیح العقیدہ امراء اور ارکان سلطنت پر پڑا، بعض جگہ شورش اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے،[3] عبدالرحیم خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی وغیرہ بھی جہانگیر کے اس اقدام سے آزردہ تھے، اس شورش و انتشار کی معاصر تاریخ سے زیادہ شہادتیں نہیں ملتیں، اور وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا حضرت مجدد کی

---

[1] مکتوب ۵ دفتر سوم حصہ ہشتم [2] مکتوب ۱۲ دفتر سوم حصہ ہشتم بنام حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم۔

[3] اس سلسلہ میں مہابت خاں کی بغاوت کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، لیکن یاد رہے کہ مہابت خاں کی بغاوت کا واقعہ ۱۰۳۵ھ کا ہے جب کہ حضرت مجدد کی رہائی کو ۳۔۵ برس ہو چکے تھے، اور آپ دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

اسیری سے کتنا تعلق تھا۔

بہر حال بادشاہ کو (کسی وجہ سے بھی)[1] اپنے اس اقدام سے ندامت ہوئی یا اس نے اتنی مدت کی اسیری کو کافی سمجھا اور آپ کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کر کے تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت مجدد کامل ایک سال قلعہ گوالیار میں رہے، اس طرح آپ کی رہائی جمادی الآخرہ ۱۰۲۹ھ (مئی ۱۶۲۰ء) میں ہوئی ہوگی۔

لشکر شاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات و برکات

حضرت مجدد بڑی عزت و احترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے، تین یوم سرہند قیام فرما کر معسکر شاہی آگرہ میں تشریف لے گئے، ولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا۔ مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ چند روز آپ ہمارے لشکر میں رہیں، آپ نے منظور فرمایا، اس رفاقت سے بادشاہ اور اہل لشکر کو بہت نفع پہنچا، جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ میں نے خلعت اور ہزار روپیہ خرچ عنایت کیا، اور جانے اور رہنے کا اختیار دیا، انھوں نے ہمرکابی کو ترجیح دی۔

حضرت مجدد نے لشکر کی اس رفاقت اور اس کے فوائد و برکات کے متعلق صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ لشکر میں اس طرح بے اختیار و بے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں، اور اس عرصہ کی ایک ساعت کو دوسری جگہوں کی بہت سی ساعتوں سے بہتر تصور کرتا ہوں۔[2]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کو خواب میں زیارت نبوی ہوئی اور اس نے دیکھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر تو نے کیسے بڑے شخص کو قید کر دیا!

[2] مکتوب ۴۴ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ۔ اس طرف کے احوال و اوضاع حمد کے لائق ہیں عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ کی ان گفتگوؤں میں ذرہ برابر سستی اور مداہنت و تحمل نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں وہی باتیں بیان ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو اس کے لئے ایک دفتر چاہئے۔"[1]

ایک شاہی مجلس کے بارے میں جو اسی زمانہ میں پیش آئی تھی، ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ پہونچا، اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ صحت و عافیت سے ہے، ایک تازہ معاملہ جو آج تک ہوا ہے لکھتا ہوں، اچھی طرح سماعت کریں آج شب جمعہ کی رات کو بادشاہی مجلس میں گیا تھا، ایک پہر رات گزرے وہاں سے واپس آیا، اور تین سی پارہ قرآن مجید حافظ سے سنا، اور پہر سے زیادہ رات گزر چکی تھی کہ نیند میسر ہوئی۔"[2]

ایک دوسرے مکتوب میں جو خواجہ حسام الدین کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں :-

"برخورداران و رفقاء میں سے جو بھی ساتھ ہے ان سب کو وابستگی حاصل ہے اور ان کے احوال میں ترقی ہے ان کے واسطے یہ جیل خانہ گویا کہ خانقاہ بن گئی ہے۔"[3]

لشکر شاہی کے ساتھ لاہور پہونچے وہاں سے سرہند کوچ ہوا، سرہند میں حضرت نے بادشاہ کی ضیافت فرمائی، حضرت کی خواہش سرہند رہ جانے کی تھی لیکن بادشاہ نے

---

[1] مکتوب ۱۱ دفتر سوم۔ [2] مکتوب ۴۳ دفتر سوم، عبارات کے تراجم حضرت مجدد الف ثانیؒ تالیف مولانا سید زوار حسین سے ماخوذ ہیں۔ [3] مکتوب ۸۲ دفتر سوم۔

آپ کی جدائی گوارا نہ کی وہاں سے دہلی روانگی ہوئی، دہلی سے بنارس، پھر اجمیر قیام رہا۔

جہانگیر پر اثر

بعض کتابوں میں جو زمانۂ حال میں حضرت مجدد کی سوانح حیات میں لکھی گئی ہیں، جہانگیر کی حضرت کے ساتھ گہری عقیدت اور باقاعدہ بیعت و ارادت کو دکھایا گیا ہے لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ توزک میں جہانگیر نے کئی مقامات پر جس انداز میں حضرت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، وہ نشۂ سلطانی میں کتنا ہی مست ہو اور اس کا انداز تحریر کیسا ہی شاہانہ ہو وہ اپنے شیخ کا اس انداز میں ذکر نہیں کر سکتا، پروفیسر فرمان نے اپنی کتاب ـــ (صفحہ ۲۳-۲۲) میں بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ جہانگیر کی ارادت ثابت نہیں، اور اس میں کوئی بڑا تعجب نہیں ہے، دوسرے قدیم سوانح نگاروں نے نہ جہانگیر کی بیعت کا ذکر کیا ہے نہ شاہجہاں کی، البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہانگیر نے اس رفاقت سے فائدہ اٹھایا، اس کے اندر نئے دینی رجحانات پیدا ہوئے، منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دلچسپی میں اس کو بہت دخل تھا، ۱۰۲۹ھ میں قلعہ کانگڑہ کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اپنی اسلامیت کا اظہار کیا، اور وہاں شعائر اسلام کا اجراء کرایا[1] اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جس کو مجدد صاحب کی شرف ہمرکابی کا فیض کہا جا سکتا ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو توزک جہانگیری ص ۲ ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہفتم

قربِ سفر اور اس کے انتظامات

خواجہ محمد ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۰۳۳ھ تھا اور آپ اجمیر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ سفرِ آخرت کے دن قریب ہیں، مخدوم زادگان کو جو اس وقت سرہند میں تھے، ایک خط میں تحریر فرمایا کہ "ایام انقراض عمر نزدیک و فرزندان دور" (زندگی کے اختتام کے دن قریب ہیں اور فرزند دور) صاحبزادگان اس خط کو پاتے ہی اجمیر حاضر ہوئے، ایک دن خلوت میں دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) سے فرمایا کہ مجھے اب اس دنیا سے کسی طرح کی دلچسپی اور اس کی طرف التفات نہیں، اب اس عالم کا خیال غالب ہے، اور سفر کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں۔[1]

حضرت مجدد کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں دس ماہ یا ۹ دن رہا[2] جب اجمیر سے سرہند مراجعت فرمائی تو وہاں پہونچ کر تمام تعلقات سے انقطاع فرما لیا اور خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین مخصوص خادموں کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی، سوائے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے باہر تشریف نہیں لاتے تھے، سارا وقت ذکر و استغفار اور ظاہری و باطنی مشغولی میں گزرتا جو وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا[3] اور سب سے منقطع ہو کر

---

[1] زبدۃ المقامات ص [illegible] [2] حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص [illegible]

[3] ان ہی خوش نصیبوں میں خواجہ محمد ہاشم کشمی بھی تھے لیکن وہ وفات سے ۶ ماہ پہلے رجب ۱۰۳۳ھ میں اپنے اہل و عیال کو دکن سے لانے کے لئے (جہاں ان کا وطن یا مستقل قیام تھا) چلے گئے، اس عرصہ میں شیخ بدرالدین سرہندی کی حاضر خدمت رہے اور زندگی کے آخری ایام کے حالات "زبدۃ المقامات" میں انہی کے حوالہ سے نقل کئے گئے ہیں، اس میں صاحبزادگان کرام کی بیان کی ہوئی معلومات بھی ہیں۔

اسی کے ہو رہو کی تفسیر تھی۔

وسط ذی الحجہ سے ضیق النفس کے عارضہ میں شدت ہوئی، گریہ کا غلبہ ہوتا اور جب ضعف کی شدت ہوتی تو "اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ" زبان پر جاری ہوتا، اسی عرصہ میں چند دن صحت کے ساتھ گزرے، اور مغموم و مجروح دلوں کو کچھ تسکین ہوئی، اسی حالت میں فرماتے تھے کہ "ضعف کی شدت میں وہ حلاوت و لذت محسوس ہوتی تھی جس کا اس چند روزہ صحت میں پتہ نہیں" اس حالت میں بکثرت صدقہ اور خیرات فرمائی، ۱۲ محرم کو فرمایا کہ "مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس دن کے اندر تجھے اس عالم سے دوسرے عالم کا سفر کرایا جائے گا، اور مجھے قبر کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے" ایک دن صاحبزادگان نے دیکھا کہ آپ پر گریہ غالب ہے، انھوں نے سبب دریافت کیا، فرمایا کہ شوق وصال، صاحبزادوں نے کہا کہ ہمارے حق میں اس قدر (خلاف معمول) بے مہری و بے التفاتی کیوں ہے؟ فرمایا کہ "اللہ کی ذات تم سے زیادہ محبوب ہے۔"

۲۲ صفر کو خدام و اعزہ سے فرمایا کہ آج چالیس دن پورے ہوگئے، دیکھنا چاہیے کہ اس سات آٹھ دن میں کیا پیش آتا ہے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایات بے غایات اور انعامات بے حساب کا تذکرہ فرماتے رہے، ۲۳ صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدام کو تقسیم کردیئے، جسم مبارک پر چونکہ کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا، ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا اور دوبارہ بخار ہوگیا[۱]، اور جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بیماری سے قلیل افاقے کے بعد دوبارہ ناساز ہوا یہ سنت بھی ادا ہوئی۔

اس ضعف کی حالت میں علوم عالیہ کا افاضہ شدت کے ساتھ تھا، صاحبزادہ عالی قدر

---

[۱] مہینہ غالباً نومبر کا تھا، اس لئے کہ انتقال دسمبر کے مہینہ میں ہوا ہے، اس علاقہ میں یہ مہینہ سردی کا ہے۔

خواجہ محمد سعید نے عرض کیا کہ حضرت کا ضعف اس گفتگو کا متحمل نہیں، ان حقائق و معارف کے بیان کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی رکھیں، فرمایا کہ فرزند عزیز! اب وقت و فرصت کس کو ہے کہ دوسرے وقت پر ان مضامین کو اٹھا رکھا جائے؟ غلبۂ ضعف کے ان دنوں میں بھی نماز بغیر جماعت کے ادا نہیں فرمائی، صرف زندگی کے آخری چار پانچ دنوں میں لوگوں کے کہنے سننے سے تنہا پڑھی، ادعیہ اوراد و ماثورہ اور ذکر و مراقبہ میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا، شریعت و طریقت کے آداب و احکام میں سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ایک رات تحت اخیر میں اٹھ کر وضو فرمایا، تہجد کھڑے ہو کر پڑھی، فرمایا کہ یہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے، اور یہی ہوا کہ اس کے بعد تہجد کی نوبت نہیں آئی۔

وصال سے کچھ پیشتر غیبت اور استغراق کا غلبہ ہوا، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ یہ استغراق و غیبت آپ کو ضعف کی وجہ سے ہے یا استغراق کی وجہ سے؟ فرمایا استغراق کی وجہ سے بعض معاملات و حقائق درپیش ہیں، اس حالت ضعف و شدت و علالت میں سنت کی پابندی، بدعت سے اجتناب اور دوام ذکر و مراقبہ کی وصیت فرماتے تھے، ارشاد فرماتے تھے کہ سنت کو دانتوں سے پکڑنا چاہئے، فرمایا کہ صاحب شریعت علیہ الصلاۃ والسلام نے "الدین النصیحۃ" کے مطابق امت کی خیر خواہی اور نیک صلاح کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، دین کی معتبر کتابوں سے متابعت کامل کا راستہ حاصل کرنا اور اس پر کاربند ہونا چاہئے، فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے کوئی سنت ترک نہ کی جائے، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ چونکہ میری رحلت تمہاری رحلت سے پہلے ہوتی معلوم ہوتی ہے اس لئے میرے کفن کا سامان اپنے مہر سے کرنا، یہ بھی فرمایا کہ میری قبر کسی گمنام جگہ پر بنائی جائے، مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ پہلے تو حضرت کی

وصیت تھی کہ ہمارے برادر اکبر خواجہ محمد صادق[1] جہاں دفن ہیں وہیں دفن کیا جائے۔ اب حضرت یوں فرماتے ہیں، فرمایا کہ ہاں اس وقت مجھ پر یہی شوق غالب ہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ صاحبزادے یہ سن کر خاموش ہو گئے اور ان کو اس میں تردد ہے تو فرمایا: اگر ایسا نہ کر سکو تو بیرون شہر والد بزرگوار کے پاس یا باغ میں کہیں دفن کر دینا، میری قبر کو خام رکھنا تاکہ تھوڑے دنوں میں اس کا نشان باقی نہ رہے۔ اس پچھلی شب دیکھا کہ صاحبزادے سوچ میں پڑ گئے تو مسکرا کر فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے ۔ یہاں تک سب کچھ سپرد خاک کر دیا۔

سہ شنبہ کی شب اور ۲۸ صفر کی تاریخ تھی جس کے اگلے روز سفر آخرت تھا، ان خدام سے جنہوں نے راتوں کو جاگ کر خدمت اور تیمارداری کی تھی فرمایا کہ تم نے بڑی محنت کی بس اس رات کی محنت اور رہ گئی ہے پھر فرصت ہے۔ آخر شب میں فرمایا: [illegible] رات کسی طرح صبح کی، دن ہوا تو چاشت کے وقت پیشاب کے لئے طشت منگوایا جس میں ریت نہیں تھی، چھینٹیں آنے کے خیال سے اس کو واپس کر دیا، کسی نے کہا کہ ہم تھامتے ورنہ رکھنا چاہئے، فرمایا میں وضو شکستہ نہیں کرتا۔ مجھے بستر پر لٹا دو۔ آپ کو گویا اس کا انکشاف ہو گیا کہ اب کچھ ہی دیر کے بعد اس عالم سے کوچ ہے، وضو کی فرصت نہ ہوگی۔ جب بستر پر لٹا دیا گیا تو طریقہ مسنون کے مطابق داہنے رخسارے کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے۔ مخدوم زادوں نے سانس کی تیزی دیکھ کر عرض کیا کہ مزاج مبارک کیسا ہے؟ فرمایا کہ ہم اچھے ہیں! فرمایا کہ میں نے جو دو رکعت نماز پڑھی ہے کافی ہے۔ اس کے بعد سوائے اسم ذات کے ذکر کے کوئی بات نہیں فرمائی، ایک گھڑی کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ بروز سہ شنبہ چاشت کے وقت ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ کا ہے۔[2]

---

[1] حضرت مجدد کے فرزند اکبر جن کا انتقال ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ میں ہوا۔

[2] مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین)۔

صفر کا وہ مہینہ ۲۹ کا تھا۔ اگلے دن ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوا تھا کہ روح نے قفس عنصری سے اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کی یَا أَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً۔ اس وقت عمر مبارک ترسٹھ سال تھی۔[1]

جب غسل کے لئے لایا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ نماز کے طریقہ پر ہاتھ باندھے ہوئے بائیں ہاتھ کی کلائی پر داہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا سے حلقہ کئے ہوئے ہیں، مخدوم زادوں نے انتقال کے بعد ہاتھ پھیلا دیئے لیکن غسل کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک پہلی ہیئت کے مطابق حالت نماز کی طرح بندھ گئے اور یہ حالت آخر تک قائم رہی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ تبسم فرما رہے ہیں گویا؎

ہم چناں بزی کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

ہاتھوں کو کتنا ہی الگ کیا جاتا وہ نماز کی کیفیت میں ایک دوسرے پر خود بخود آجاتے۔[2] تجہیز و تکفین کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، فرزند کلاں خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور جسد مبارک کو آخری آرامگاہ میں پہونچا دیا گیا۔[3]

عادات و معمولات

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جو حضرت مجدد کی خدمت میں ان کی آخری حیات میں تین سال سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، حضرت کے عادات و معمولات کو تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔[4]

---

[1] مولانا سید ابوالحسن صاحب کی تحقیق ہے کہ عمر شریف قمری حساب سے باسٹھ سال [illegible] اور شمسی حساب سے ساٹھ سال [illegible]

[2] [illegible] حضرت مجدد الف ثانی [illegible] ۲۴۳ [3] ملخصاً از زبدۃ المقامات صفحہ [illegible] [4] ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات صفحہ [illegible]

یہاں اس کا خلاصہ لکھا جاتا ہے تھوڑے اضافہ مولانا بدرالدین سرہندی کی کتاب حضرات القدس[1] سے کیا گیا ہے[2]۔

• حضرت کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے وہ سب فضل خداوندی ہے لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جاسکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے جس پر مدار کار سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، جزئیاً وکلیاً، اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس وجہ سے کہ بلحاظ بشریت اتباع کامل میں نقص و فتور ہونے کی وجہ سے، ایک روز فرمایا کہ ایک دن سہواً جائے ضرور میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صانع خلال سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سی لونگیں لے آؤ! وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ ان اللہ وتر یحب الوتر۔ رعایت وتر مستحب ہے، مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا و آخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دے دیا جائے جو اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنائیے، انھوں نے کہا کہ مجھ بے بصیر کو کیا نظر آسکتا ہے لیکن میں نے اتنا دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فروگذاشت نہیں فرماتے کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت مشکل ہے۔

---

[1] حضرات القدس کی عبارت واوین " " کے درمیان کردی گئی ہے اور اس کے صفحات کا حوالہ دے دیا گیا

[2] اس کے علاوہ جو کچھ مضمون ہے وہ زبدۃ المقامات سے ماخوذ ہے۔

ایک دوسرے حاضر باش نے کہا کہ ان حضرات کے احوال باطنی ہمارے ادراک سے بالاتر ہیں لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت کے حالات دیکھ کر اولیائے متقدمین کے حالات پر (جو کتابوں میں لکھے گئے ہیں) یقین آگیا، اور معلوم ہوا کہ ان میں مبالغہ نہیں تھا بلکہ احساس ہوا کہ لکھنے والوں نے کم لکھا ہے، سارا دن اسی مشغولی میں گزرتا، ایک خادم خاص نے (جس سے وضو جانماز اور عبادات کے سلسلہ کی خدمات متعلق تھیں) کہا کہ صرف قیلولہ کے وقت اور رات کے ثلث دوم میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام و رفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر، حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اور مزرعۂ آخرت حضور باطن کو آداب و اعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہئے، حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علو مرتبہ کے) پائے مبارک کثرت عبادت سے متورم ہو جاتے تھے۔

اگرچہ حضرت کو مسائل فقہیہ کا استحضار تھا، اور اصول فقہ میں ملکہ تامہ رکھتے تھے لیکن بربنائے احتیاط مسائل میں معتبر کتابوں کی طرف رجوع فرماتے اور سفر و حضر میں ان کو ساتھ رکھتے، عمل مفتی بہ قول اور فقہائے کبار کے ترجیح دیئے ہوئے مسئلہ پر ہوتا، اکثر خود امامت فرماتے اور اس کی حکمت ایک مرتبہ ارشاد فرمائی کہ حضرات شافعیہؒ و مالکیہؒ کے یہاں قرأت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس لئے وہ امام کے پیچھے بھی فاتحہ پڑھتے ہیں، اور بہت سی احادیث صریحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، لیکن ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، اور جمہور فقہائے حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے، چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس لئے اس کی آسان صورت یہی معلوم ہوئی کہ خود امامت کروں۔[1]

---

[1] خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس فصل میں دوسری جگہ لکھا ہے "وفاتحہ خلف الامام نمی خواندند [illegible]
[illegible] صفحہ ۲۰۔

گرمی ہو یا سردی ہو حضرت کا سفر و حضر میں یہ معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے، اس وقت کے لئے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام و احتیاط (اسباغ وضو) کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پوری طرح پر پہونچ جائے، دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے، اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور و جمعیت اور طول قرأت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع و استغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھپکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے، تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے سنت و فرض کے درمیان مسنون طریقہ پر سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم ا پڑھتے رہتے، فجر کی نماز آخر غلس (اندھیرے) اور اول اسفار (روشنی) میں ادا کرتے تاکہ غلس و اسفار کے بارے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہو جائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل[1] (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پڑھتے تھے[2]، فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور تسبیحات و ادعیہ ماثورہ سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لاتے، اور اہل خانہ و متعلقین کی خبر خیریت لیتے، اور جو امور روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت کے بعد طالبین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق و ہدایات فرماتے، اسی وقت اخص اصحاب کو بلا کر مضامین و علوم خاصہ سے

---

[1] سورۂ حجرات سے سورۂ البروج تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں۔ [2] حضرات القدس ص

ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے، اور وہ اپنے حالات وکیفیات سے مطلع کرتے، اور آپ ان کو علو ہمت، اتباع سنت، اور دوام ذکر حضور اور اخفائے حال کی تاکید فرماتے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ساری کائنات اس کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی نہیں رکھتی جو ایک قطرہ کی دریائے محیط کے سامنے ہے۔ خدام وحاضرین کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تاکید اور علماء سے احکام شریعت کی تحقیق کی ترغیب فرماتے۔

فرماتے تھے کہ کشف میں ایسا نظر آتا ہے کہ سارا عالم بدعات کے گرداب ظلمانی میں ڈوب گیا ہے، اور اس میں سنت کا نور کرمک شب تاب (جگنو) کی طرح چمک رہا ہے۔ غیبت اور مسلمانوں کی عیب چینی سے سخت احتراز تھا، خدام بھی آپ کے احترام وہیبت سے آپ کے سامنے کسی کی غیبت نہیں کر سکتے تھے، اپنے حالات وکیفیات کا بے انتہا اخفاء فرماتے تھے، میں نے دو سال کی مدت میں صرف تین چار بار ایسا دیکھا کہ آنکھ کے چند قطرے چہرۂ مبارک پر ٹپک پڑے ہیں، تین چار بار مضامین عالیہ بیان کرتے وقت رخسار مبارک اور آنکھوں پر سرخی دیکھی۔

ضحوۂ کبریٰ[1] اور نماز چاشت کے بعد حرم سرا شریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، صاحبزادوں یا اہل تعلق میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو پیش کرتا، فرزندوں اور خدام میں سے اگر کوئی اس وقت موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے، کھانے میں اکثر کھلانے میں مشغول رہتے اور زیادہ وقت دوسروں کی خبر گیری اور خاطر میں گزرتا، بعض اوقات برائے نام تناول فرماتے، معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی احتیاج نہیں، محض سنت کی پیروی

---

[1] ضحوۂ کبریٰ صبح صادق اور غروب آفتاب کے ٹھیک بیچ کا وقت (انتصاف النہار الشرعی) ہے ضحوۃ الکبریٰ) شامی ج ۱ ص ۲۳۰

مقصود ہے[لہ] آخری زندگی میں جب گوشہ نشینی اختیار کی اور روزہ رکھتے تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے کھانے کے بعد فاتحہ پڑھنے کا (جیسا کہ عام طور پر رواج ہے) معمول نہیں تھا، اس لئے کہ صحیح احادیث میں نہیں آیا ہے۔ فرائض کے بعد بھی فاتحہ پڑھنے کا جیسا کہ بعض مشائخ کے یہاں دستور ہے معمول نہیں تھا:

دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، موذن ظہر کے اول وقت اذان دیتا، آپ وضو کر کے سنت زوال پڑھتے، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر کسی حافظ سے ایک پارہ یا کم و بیش سنتے، اور اگر درس ہوتا تو درس دیتے، نماز عصر بھی مثلین ہو جانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب تک اصحاب و خدام کے ساتھ سکوت و مراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے، نماز مغرب کی سنت کے بعد اوابین ادا کرتے، کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نماز عشاء شفق ابیض کے زوال کے بعد فوراً پڑھ لیتے، وتر کی دعائے قنوت میں احناف و شوافع کی دعائے قنوت کو جمع کر کے پڑھ لیتے، نماز وتر کے بعد کبھی دو رکعت بیٹھ کر کبھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے، آخر زمانہ میں شاذ و نادر یہ دو رکعتیں پڑھیں، وتر کے بعد دو سجدے جو متعارف ہیں نہیں فرماتے تھے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کے لئے لیٹ جاتے اور اوراد ماثورہ پڑھنے میں مشغول ہو جاتے، درود کثرت سے پڑھتے، خاص طور پر شب جمعہ اور روز جمعہ، شب دوشنبہ اور روز دوشنبہ، تلاوت کے وقت چہرۂ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے، نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب و استفہام آیا ہے

لہ حضرات القدس ص[illegible]

اس کا اندازہ بھی پیدا ہوجاتا۔ نماز میں تمام سنن و مندوبات اور آداب کی رعایت فرماتے، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے ادا نہ کرتے، لوگوں کو شب عاشورا یا شب قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے۔

مریضوں کی عیادت کے لئے جاتے، اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں وہ پڑھتے، زیارت قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے، بعض اعلیٰ دینی کتابوں (مثلاً تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوٰۃ المصابیح، فقہ و اصول و کلام میں ہدایہ، بزدوی، مواقف اور تصوف میں عوارف المعارف) کا درس دیتے، لیکن اس میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال نہ ہوتا، اخیر عمر میں درس سے اشتغال کم ہوگیا تھا، طلباء کو تحصیل علوم دینی کی تاکید فرماتے اور تحصیل علم کو سلوک و طریقہ پر مقدم رکھتے، کثرت سے حمد و استغفار کرتے اور تھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر ادا کرتے۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے، تین سے کم ختم قرآن نہ کرتے، خود حافظ قرآن تھے اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے[1]، افطار میں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس کا اہتمام فرماتے[2]۔

ادائے زکوٰۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذر آتی تو حولان حول یا سال گزرنے کا انتظار نہ کرتے، ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کرکے زکوٰۃ ادا کردیتے اور اس میں اہل اصلاح، بیوگان اور اہل قرابت کو ترجیح دیتے، حج کا کئی بار عزم مصمم فرمایا لیکن نوبت نہ آئی، ہمیشہ اس شوق میں رہے اور اسی شوق میں اس دنیا سے سفر کیا۔

اخلاق و تواضع اور خلق اللہ پر شفقت، رضا و تسلیم کی خو انتہا درجہ پر پہونچی ہوئی تھی،

---

[1] زبدۃ المقامات ملخصاً از ص ۱۱۱–۱۵۰

[2] حضرات القدس ص ۱۰۱

آپ کے اعزہ اور اہل تعلق کو ظالم حاکموں سے بڑی ایذا پہونچی لیکن تسلیم و رضا سے کام لیا اور کبھی اس کی شکایت زبان پر نہیں آئی۔ اگر کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور صدر مجلس میں اس کو جگہ دیتے، اور اسی کے ذوق و مناسبت کی باتیں کرتے۔ غیر مسلموں کی تعظیم خواہ وہ حاکم ہوں اور جاہ و اقتدار رکھتے ہوں نہیں کرتے تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، یاد نہیں آتا کہ کسی نے سلام میں آپ سے سبقت کی ہو، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے۔ کسی کے انتقال کی خبر آتی تو متاثر ہوتے اور کلمۂ ترجیع (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) پڑھتے اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے اور دعا و ایصال ثواب فرماتے۔[1]

"آپ کا لباس جبہ کرتہ جس کے دونوں کاندھوں پر چاک ہوتا تھا، اس کے اوپر ایک عبا لیکن گرمیوں میں اکثر کرتہ ہوتا، دستار سر پر لپیٹ لیتے جیسا کہ سنت ہے، اور شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان پیچھے پڑا ہوتا، ازار لنگی، استنجا اور قضائے حاجت کے وقت، پائجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، جمعہ اور عیدین میں لباس فاخر پہنتے تھے، جب نیا جوڑا زیب تن کرتے تو پہلا کسی خادم یا عزیز یا مہمان کو دے دیتے، آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو آدمیوں کے قریب ہمیشہ علماء، عارفین، مشائخ، حفاظ و شرفاء و سادات میں سے رہتے تھے، اور سب کو آپ ہی کے مطبخ سے کھانا پہونچتا تھا۔[2]

حلیۂ مبارک

شیخ بدرالدین سرہندی نے جو حضرت کے خلفاء میں ہیں اور سترہ[3] سال آپ کی صحبت میں رہے، حضرات القدس میں آپ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے:-

---

[1] حضرات القدس از شیخ بدرالدین سرہندی مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب [illegible] [2] ایضاً [illegible]

حضرت کا رنگ گندم گوں مائل بہ بیاض تھا، پیشانی اور رخسار پر ایسا نور معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں، کشادہ ابرو تھے، ابرو کمان کی طرح جھکی ہوئی، دراز سیاہ اور باریک، آنکھیں فراخ اور کشادہ جن میں سیاہی کی جگہ بہت سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت سفید، بینی بلند اور بہت باریک، لب سرخ نازک، دہانہ نہ دراز نہ کوتاہ، دانت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور لعل بدخشاں کی طرح چمکتے ہوئے، ڈاڑھی گھنی باوقار، دراز و مربع تھی، رخساروں پر ریش مبارک کے بال حد سے بڑھے ہوئے نہیں، میانہ قد، نازک اندام تھے۔[1]

اولادِ امجاد

حضرت مجدد کو اللہ تعالیٰ نے سات فرزند عطا فرمائے تھے، ان میں دو صغر سنی میں حضرت کی حیات ہی میں فوت ہو گئے، یعنی شیخ محمد فرخ، شیخ محمد عیسیٰ اور شیخ محمد اشرف جو زمانہ شیر خوارگی میں داغ مفارقت دے گئے، فرزند کلاں خواجہ محمد صادقؒ تکمیل علوم و سلوک کے بعد ۱۰۲۵ھ میں پچیس سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے، تین صاحبزادگان عالی قدر خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد یحییٰ رونق بخش حیات رہے، ان چاروں کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا۔

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

حضرت خواجہ باقی باللہ نے ان کو دیکھ کر بلند الفاظ فرمائے تھے اور "جواہر علویہ" اور "شجرۂ طیبہ" سے تعبیر کیا اور فرمایا تھا "فقرائے باب اللہ اند و دلہائے عجیب دارند"۔

فرزند اول حضرت خواجہ محمد صادقؒ، حضرت مجدد کے سامنے ہی درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے۔

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۵۵

حضرت نے ان کے متعلق بڑے بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں اور ان کی اعلیٰ علمی و باطنی استعداد کی شہادت دی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ "فرزند عزیز فقیر کے معارف کا مجموعہ اور جذب و سلوک کے مقامات کا صحیفہ ہے"۱؎

فرزند دوم حضرت خواجہ محمد سعید ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷ جمادی الآخر ۱۰۷۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، انھوں نے بھی حضرت مجدد کے سلسلہ کی اشاعت اور اہل ارادت و اہل طلب کی تعلیم و تربیت میں خاص حصہ لیا۔۲؎

فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم تھے جو اپنے والد ماجد کے علوم کے حامل و شارح، رازدار و امین اور خلیفہ و جانشین تھے، آپ سے طریقۂ مجددیہ اور اس کی تعلیم و اثرات کی ایسی عالمگیر اشاعت ہوئی کہ کہنے والے نے صحیح کہا ہے ؎

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی اور جس کی مسند ارشاد پر اپنے اپنے وقت میں خواجہ سیف الدین، مرزا مظہر جان جاناں، حضرت شاہ غلام علی اور حضرت شاہ احمد سعید متمکن رہے] آپ ہی کے سلسلہ کی تھی، اسی خانقاہ سے مولانا خالد رومی کردی حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ سلسلہ کو لے کر شام و ترکی پہونچے جن کا سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں شہر شہر اور گھر گھر پھیل گیا۔۳؎

۱؎ مکتوب [illegible] دفتر اول، فضائل و کمالات کے لیے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات ص [illegible]

۲؎ آپ کے حالات و کمالات کے لیے ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات ص [illegible]

۳؎ ملاحظہ ہو ان کے مناقب میں علامہ شامی صاحب شرح درمختار کی کتاب سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی ([illegible])

آپ کے مکاتیب جو سہ اجزاء، مکتوبات امام ربانی کی ایک طرح سے شرح اور تفصیل اور علوم و نکات کا ایک خزانہ ہے، آپ کے حالات و کمالات کے لئے ایک مستقل کتاب درکار ہے ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

سلطان محی الدین اورنگ زیب کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا اور آپ ہی کے صاحبزادہ خواجہ سیف الدین نے اس کی سلوک میں تربیت کی، آپ نے اس کو ہندوستان کا مسلمان حکمراں بننے اور اکبری اثرات سے پورے طور پر پاک کرانے کے لئے تیار فرمایا تھا اور آپ اس کو اپنے مکتوبات میں "شہزادۂ دین پناہ" کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ میں ہوئی اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو۔[1]

چوتھے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے، امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر دو سال کی تھی، تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی، وفات ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔[2]

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس وقت بھی اس سلسلہ کے مشائخ شام و عراق، ترکی اور کردستان میں موجود ہیں، راقم سطور نے ان میں سے متعدد کی زیارت کی ہے، ان میں شیخ ابراہیم غلامینی، شیخ ابوالخیر میدانی، شیخ محمد نبہان، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

[1] کتاب کے آخر میں آپ کا مستقل تذکرہ و ترجمہ ملحق ہے۔ نزہۃ الخواطر ملاحظہ ہو۔

[2] بھوپال کے حضرت شاہ دوست محمد اور ان کے پوتے حضرت شاہ ابو احمد اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ محمد یعقوب انہی کی اولاد میں ہیں۔

باب پنجم

حضرت مجددؒ کے دائرۂ تجدید کا مرکزی نقطہ

نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید

حضرت مجددؒ کا اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا؟

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کا جنھوں نے گیارھویں صدی (جس سے الف ثانی (ہزارۂ دوم) کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ پر عموماً اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ڈالی ہے[1] اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی سادہ و معروف اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے[2] اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے

---

[1] جس پر کتاب کے پہلے دو ابواب میں اجمالی نظر ڈالی جا چکی ہے۔

[2] سنن ابی داؤد کی مشہور روایت ہے: ان اللہ عزوجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے کو اٹھائے گا جو اس امت کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گا) (ابو داؤد وغیرہ) اس حدیث کی شرح اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب جامع المجددین از مولانا عبدالباری ندویؒ، و مولانا سید سلیمان ندویؒ کا مقالہ مقدمہ صفحہ ۲۳-۳۳

کر دوان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے، اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح و فکر اسلامی کی جلوہ تازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا سدِ باب اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت و ابدیت پر از سرِ نو اعتقاد و اعتماد بحال کرنا، ریاضت و اشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدا رسی کی کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو، ہمہ اوست اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو و مبالغہ اور اشاعت و مقبولیت کے نقطۂ عروج پر پہونچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا ہو رہا تھا، اور اس کے متوازی "وحدۃ الشہود" کے مسلک و نظریہ کو مدلل و مرتب شکل میں پیش کرنا، بدعات (جنھوں نے ایک مستقل تشریع کی شکل اختیار کر لی تھی) کی کھلی ہوئی تردید و مخالفت حتیٰ کہ "بدعت حسنہ" کے وجود سے بھی انکار، اور پھر آخر میں ہندوستان میں اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کے جمانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے ختم کرنے اور ہندوستان میں ایک ایسا تجدیدی و دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور کامیاب کوشش جس کے نتیجہ میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء و تلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلے سے وابستہ اور منسوب ہے، اور جس نے اشاعت و ترویج کتاب و سنت، ان کی تفہیم و ترجمانی، اور ان کے سلسلۂ درس و تدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ و تربیت باطنی، اصلاح عقائد و رسوم کے عظیم الشان کام، اور پھر آخر میں جہاد و سعی اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں اسلام کو قائم اور شعائر اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا، بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (بالخصوص علم حدیث) اور فکر و دعوت اسلامی کا مرکز بنا دیا۔

لیکن اس عظیم و وسیع تجدیدی دائرۂ عمل کا نقطۂ مرکزی اور حضرت مجددؒ کا وہ اصل تجدیدی کارنامہ کیا تھا جس کو ان کے سارے تجدیدی کارناموں پر اولیت و فوقیت حاصل ہے؟ لوگوں نے اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اس کا جواب دیا ہے۔

[illegible]

ان میں تین گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ ایک گروہ جو کہتا ہے کہ وہ اس لئے مجدد الف ثانیؒ کہلانے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہندوستان کو اسلام کے لئے دوبارہ بازیاب کیا اور اس کو برہمنیت یا وحدت ادیان کی گود میں جانے کے بجائے دوبارہ محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اور دین حجازی کی تولیت و نگرانی میں دیا۔ اور اس کو گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کی اہم صدی میں اس انجام اور حشر سے بچا لیا جو اس کا تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں ہونے والا تھا بلکہ درحقیقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس ہمہ گیر اعتقادی، ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے فوری خطرہ سے محفوظ کر دیا جو اکبر کی جیسی باعزم اور قوی الارادہ شخصیت اور اس کے یگانۂ روزگار مشیروں (ملا مبارک، فیضی اور ابو الفضل) کی ذہانت سے ایک امر واقعہ بن کر سامنے آگیا تھا، یہ معنوی و روحانی انقلاب اور یہ ذہنی و تہذیبی ارتداد اس سیاسی زوال اور اقتدار کے خاتمہ سے کہیں زیادہ سنگین، دیرپا اور دور رس ثابت ہوتا جو اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کی نوخیز غیر مسلم طاقتوں کے ابھرنے سے اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریزوں کے تسلط اور اقتدار سے پیش آیا، شاید اقبالؒ نے اپنے اس مشہور شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان   اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

۲۔ دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت و بالادستی کو ایسے پُر از اعتماد، بصیرت افروز تجربہ کارانہ انداز اور ایسی قوت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا، اور اس سے طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا، اور سلوک و طریقت کے حلقہ میں شریعت سے استغناء بلکہ کہیں کہیں انحراف اور ریاضت و مجاہدہ اور باطنی قویٰ اور طاقتوں پر کلی اعتماد کا جو فتنہ شروع ہو گیا تھا، اور جس کا (جوگ اور سنیاس کا ایک اہم مرکز ہونے کی بنا پر) ہندوستان سب سے بڑا نشانہ تھا، رک گیا، اور ان کے بعد پھر کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ شریعت و طریقت کے کوچے الگ الگ ہیں، اور طریقت پر شریعت کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔

۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ و نظریہ پر وہ کاری ضرب لگائی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی، اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے اس سیلاب کو روک دیا، بلکہ اس کا منہ پھیر دیا جس نے آخری صدیوں میں پوری علمی و روحانی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور جس کے خلاف کسی پڑھے لکھے آدمی کا لب کشائی کرنا بھی اپنی جہالت کا ثبوت دینا اور نصف النہار میں دن ہونے کا انکار کرنا تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنے معرکۃ الآراء مضمون "ہزارۂ دوم یا الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" میں صحیح لکھا ہے کہ:

> "وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی فنی نکتہ نوازیوں یا شریعت و طریقت کی ثنائیت و صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعی یا حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے ہیں کہ آج حضرت مجدد کو عموماً

مجدد الف ثانیؒ بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بظاہر اور کسی درجہ میں پہچانے نہیں جاتے۔[1]

نبوت محمدی اور اس کی ابدیت اور ضرورت پر اعتماد کی بحالی

لیکن حقیقت میں ان کا اصل کارنامہ جس کے جلو میں ان کے سارے تجدیدی کارنامے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں اور ان کی تجدید کا اصل سرچشمہ جس سے ان کی تمام انقلابی و اصلاحی کاوشوں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور جو دریا بن کر سارے عالم اسلام میں رواں دواں ہو جاتے ہیں، وہ نبوت محمدی اور اس کی ابدیت و ضرورت پر امت میں اعتقاد و اعتماد بحال کرنے اور مستحکم کرنے کا وہ تجدیدی و انقلابی کارنامہ ہے جو ان سے پہلے اس تفصیل و وضاحت و قوت کے ساتھ تاریخ عالم میں کسی مجدد نے انجام نہیں دیا، شاید یہ اس لئے بھی کہ اس کے زمانہ میں اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، اور اس کے خلاف کوئی منظم تحریک یا فلسفہ سامنے نہیں آیا تھا۔[2]

اس تجدیدی اقدام سے ان تمام فتنوں کا سدباب ہوتا ہے جو اس وقت عالم اسلام میں منہ پھیلائے ہوئے اسلام کے شجرۂ طیبہ اور اس کے پورے اعتقادی، فکری اور روحانی نظام کو نگل لینے کے لئے تیار تھے، ان میں ایران کی وہ نقطوی تحریک اور اس کے پیرو بھی شامل ہیں جنہوں نے نبوت محمدی اور اس کے بقا و دوام کے خلاف کھلے طریقہ پر علم بغاوت بلند کیا تھا، اور اعلان کیا تھا کہ نبوت محمدی کا ایک ہزار سالہ دور ختم ہوا، اور اب نئی زندگی

---

[1] تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص۲۲

[2] اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وضاحت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے یہاں ملتی ہے خاص طور پر ان کی جلیل القدر کتاب "النبوات" اور "نقض المنطق" اور "الرد علی المنطقیین" میں، لیکن وہ بھی اشارات و اجمال سے آگے نہیں بڑھ سکی کہ تنگی مقام مقالی۔

اور زندگی کی تشکیلِ جدید اور آئین سازی کا وہ دور شروع ہونے جا رہا ہے جس کی اساس عقلیت و فلسفہ پر ہوگی جس کی قیادت محمود پسیخوانی اور اس کی جماعت کے ہاتھ میں اور جس کا مرکز ایران و ہندوستان ہوگا[1] ان فتنوں میں اکبر کا "دینِ اکبری" اور "آئینِ جدید" بھی شامل ہے، جو ہندوستان میں نبوت و شریعتِ محمدی کی جگہ لینے اور اس کا بدل بننے کا مدعی تھا، دینی زندگی، اعمال و عبادات، اور معاشرہ و تمدن کی وہ دینی بدعات بھی داخل ہیں، جو ایک متوازی شریعت بنتی جا رہی تھیں، اور جن کی ایک "مستقل فقہ" مدون ہو رہی تھی، اور وہ بھی درحقیقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے لئے ایک چیلنج اور منصبِ تشریع کی مدعی تھی۔

اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کا فلسفہ بھی آتا ہے، جو اپنے داعیوں اور علمبرداروں کے بقول کشفی حقائق پر مبنی تھا، اور جس کے متعلق اس کے غالی معتقدین بھی اس بات کے مدعی نہیں ہیں کہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالاعلان تبلیغ کی، اور آپ نے صحابۂ کرامؓ کو اور صحابۂ کرامؓ نے اپنے بعد کے لوگوں کو اس کی دعوت دی، یہ فلسفہ اور دعوت بھی نبوت کی پیش کی ہوئی دعوت، اس کی واضح تعلیمات اور اس کے مقاصد کا (دانستہ یا نادانستہ طریقہ پر) حریف بنتی جا رہی تھی، اور اس کو جس قدر کامیابی حاصل ہوتی تھی، اور اس کی جڑیں دل و دماغ اور اسلامی معاشرہ میں پیوست ہوتی جاتی تھیں، احکامِ شریعت پر عمل کرنے، اسلام کے واحد دینِ حق اور ذریعۂ نجات ہونے کے عقیدہ میں ضعف پیدا ہوتا اور الحاد و زندقہ، حریت و اباحیت، تعطل و بے عملی کے لئے راہیں کھلتی تھیں، خواہ اس کے محتاط و متقی قائل صوفیہ و مشائخ خود شریعت کے کتنے ہی پابند اور اس کا کتنا ہی احترام

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب کا باب اول۔ معنون "دسویں صدی کا فتنۂ کبریٰ"۔

کرتے ہوں، اور اس طرز عمل کے کتنے ہی مخالف ہوں۔

اس ضمن میں فرقۂ امامیہ کا گروہ بھی آتا ہے جس کے اساسی عقائد میں امامت کا عقیدہ[1] بھی ہے اور جو امام کی ایسی تعریف کرتا ہے اور اس کے ایسے صفات و خصوصیات بیان کرتا ہے جو اس کو قریب قریب نبی کا ہمسر و مساوی بنا دیتی ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت کے متعلق ایسی رائے رکھتا ہے جس سے ذات نبوی کی تاثیر صحبت اس کی انقلاب انگیزی اور کیمیا اثری پر دھبہ آتا ہے اور جو هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کے منافی ہے[2]، اس فرقہ کے اثرات مختلف سیاسی و علمی وجوہ سے ہندوستان میں تیزی سے پھیل رہے تھے، اور مسلم معاشرہ (جس کی

---

[1] فرقۂ امامیہ کی معتبر کتابوں سے امام کے بارے میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ظاہراً و باطناً معصوم عن الخطا اور منصوص ہوتا ہے، اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے، اس کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور ہوتا ہے، اس کو متعلقات شریعت کا علم محیط (جس سے کوئی چیز خارج نہیں) علم لدنی کے طور پر حاصل ہوتا ہے اور وہ قیامت تک امت کی حجت کے طور پر ہر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ (مقتبس از کتاب الشافی للشریف المرتضیٰ، تلخیص الشافی للطوسی، واصل الشیعۃ و اصولہا للعلامۃ الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء)۔

علامہ محمد ابو زہرہ اپنی فاضلانہ کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیہ (ج ۱) میں ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فرقۂ امامیہ کے تمام علماء اس پر متفق ہیں، ان کے نزدیک امام کا مرتبہ نبی کے مرتبہ کے قریب ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، انھوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ وصی اور نبی میں صرف اتنا فرق ہے کہ وصی پر وحی نہیں آتی (ص ۵۳)

[2] سورۂ جمعہ آیت ۲ (ترجمہ) وہ پاک ذات جس نے ناخواندوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے اخلاق و نفوس کو سنوارتا اور بناتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اکثریت سنی العقیدہ تھی) اس کے عقائد، تصورات، افکار و خیالات اور رسوم و عادات سے گہرے طریقہ پر متاثر ہو رہا تھا۔

اس طرح انھوں نے نبوت محمدی پر ایمان و اعتماد کی تجدید کی، شاہ کلید سے وہ سارے بھاری اور پیچیدہ قفل کھول دیئے جو یونانی و ایرانی فلسفہ اور مصری[1] و ہندوستانی اشراقیت نے ایجاد کئے تھے، ایک تیر سے ان سب فتنوں کو شکار کیا جن کا مسلمانوں کا ذہین طبقہ نشانہ بنا ہوا تھا۔

عقل و کشف کا تعیینی اور ما بعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز و ناکام رہنا

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے عقل و کشف دونوں کو غیبیات اور ماوراء عقل علوم، ذات و صفات الٰہی کی صحیح معرفت، لاریبی علم اور قطعی الثبوت حقائق کے یقینی ادراک سے عاجز اور قاصر ثابت کیا، اور یہ کہ ان کے حاصل کئے ہوئے نتائج شک و ریب اور خطا و لغزش اور غلط فہمی سے بری نہیں، اللہ کی معرفت صحیح انبیاء ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے، جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، خدا کی تعظیم کا صحیح طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، معرفت الٰہی میں عقلائے یونان نے سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، اور مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں، جس طرح عقل خالص اور عقل مجرد کا وجود نہیں، کشف خالص اور کشف مجرد بھی (جو اندرونی خواہشات اور خارجی اثرات سے محفوظ ہو) نہایت دشوار بلکہ عنقا صفت ہے، اور اہل اشراق و صفائی نفس نے اسی طرح ٹھوکریں کھائی ہیں، اور وہم و جہالت کا شکار ہوئے ہیں، جیسے مدعیان عقل و فلسفہ، عقل و اشراق دونوں حصول الیقین

---

[1] مصر افلاطونیت جدیدہ (NEO PLATONISM) کا بڑا مرکز تھا جس میں فلاطینس (PLOTINUS)، فرفوری (PORPHYRY) پراکلس (PROCLUS) وغیرہ پیدا ہوئے اور ایک نئے مذہب "افلاطونیت جدیدہ" کی بنیاد پڑی۔

اور وصول الی اللہ کے لئے ناکافی ہے، بعثت ہی اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے۔

انھوں نے اعلان کیا کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ بھی داخلی عقائد و مسلمات اور خارجی عوامل و اثرات سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے بہت سے فیصلے اور نتائج ان خارجی رنگوں سے رنگین و ممزوج ہو کر سامنے آتے ہیں جو اس کے اندرون و بیرون میں پائے جاتے ہیں، انھوں نے ثابت کیا کہ عقل حجت ہونے میں ناقص ہے، حجت کاملہ انبیاء کی بعثت ہے، بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن ہی نہیں۔

انھوں نے صفائی نفس اور صفائی قلب میں حد فاصل قائم کی اور دونوں کا فرق بتایا، انھوں نے ثابت کیا کہ انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے، انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا نبوت کا انکار ہے، انھوں نے اس نکتہ کی وضاحت کی کہ مخالف عقل ہونا اور چیز ہے اور ماوراء عقل ہونا اور چیز۔

مجدد صاحب کی یہ تحقیقات جو عقل و کشف دونوں پر مبنی ہیں، اور جن میں تائید الٰہی اور مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کیا ہوا نور شامل ہے، علمی و روحانی دنیا میں ہلچل ڈال دینے والے، فکر و عقل کا ایک نیا دروازہ کھولنے والے، عقلی و علمی دنیا کے بہت سے رائج الوقت سکوں کو کھوٹا ثابت کرنے والے، نبوات و شرائع سماویہ کی صداقت و عظمت کا اعلان کرنے والے اور ان پر از سر نو اعتماد بحال کرنے والے علوم و معارف اور ایک نیا تجدیدی و انقلابی اور علمی و تحقیقی کارنامہ ہے، جو تنہا اس وقت کے نظام تعلیم، علمی ماحول اور دماغی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ ان میں وہ باتیں کہی گئی ہیں جن میں سے بعض تک فلسفہ اور فکر کی دنیا صدیوں کے بعد پہونچی ہے، اور جن کی صداقت پر بالآخر علم اور روحانی

تجربہ نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے یہ محض اس تائیدِ الٰہی اور ہدایتِ ربانی کا کرشمہ تھا، جس نے ان کو ہزارۂ دوم کے آغاز پر تجدیدِ دین اور نبوت و شریعتِ محمدی کے دفاع کے لئے انتخاب کیا، اور اس اخلاص، حمیتِ دینی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباعِ کامل کا فیض تھا جس پر وہ شروع سے گامزن تھے۔

اس اجمال کی تفصیل اور ان اشارات کی توضیح کے لئے اس پس منظر اور صورتِ حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے جس میں ان تحقیقات کی قدر و قیمت پورے طور پر واضح ہوگی۔

بنیادی سوالات اور ان کے جواب کی مختلف کوششیں اور ان کا جائزہ

دین و دنیا کے اہم ترین اور اولین سوالات جن کے صحیح جواب پر اس زندگی کی درستی، صحیح انتظام اور آخرت کی نجات کا دارومدار ہے، یہ ہیں کہ دنیا کا بنانے والا کون ہے؟ اس کے صفات کیا ہیں؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے، اور ہمارا اس سے کیا اور کیسا تعلق ہونا چاہئے؟ اس کی پسندیدگی اور خوشی کی چیزیں کیا ہیں اور ناپسندیدگی اور ناراضگی کی کیا؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے؟ اگر ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے، اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں؟

ان سوالات کے جواب کی تفصیل میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال، عالم کے حدوث و قدم، آخرت، جنت، دوزخ، وحی اور فرشتوں کے وجود کی بحث اور بعض وہ دوسرے مابعد الطبیعیاتی مباحث پیش آجاتے ہیں، جو عقائد و مذہب کے اصول کا درجہ رکھتے ہیں۔

ان سوالات کے جواب اور ان مسائل کے حل کے لئے عموماً دنیا میں دو تجربے کئے گئے ہیں، ایک عقلی دوسرا اشراقی، پہلے کا نتیجہ فلسفہ ہے اور دوسرے کا نتیجہ اشراقی تصوف۔

لیکن اصولی اور تنقیدی حیثیت سے یہ دونوں تجربے اور کوششیں بنیادی طور پر غلط اور چند ابتدائی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں، مکتوبات کے اقتباسات سے پہلے تمہید کے طور پر اس کی مختصر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔

عقلِ محض اور کشفِ خالص کی تنقید کا انقلابی کارنامہ

عقل کے متعلق سب سے پہلے یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اپنا طبعی فریضہ (اکتشاف و تحقیق اور استدلال) انجام دینے میں آزاد نہیں ہے، اس کو اپنے سے کمتر چیزوں کی احتیاج ہے، اس کا کام یہ ہے کہ محسوسات اور معلومات اور تجربات کے ذریعہ غیر محسوس اور غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرے اور اپنے ذخیرۂ معلومات اور مبادی و مقدمات کی مدد سے اور ان کو علمی طور پر مرتب کر کے وہ اس نتیجہ تک پہونچے جو اس کو ابھی تک حاصل نہیں تھا، اور محض حواس و تجربے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا، تمام معقولات کی تحلیل اور ان کا تجزیہ کرنے سے یہی حقیقت ظاہر ہوگی کہ عقل ان حقائق اور بلند معلومات تک انہیں غیر محسوسات اور ابتدائی معلومات کی مدد سے پہونچی ہے جو بلا کسی عقلی اور علمی ترتیب کے ان عظیم الشان نتائج تک نہیں پہونچا سکتے تھے۔

پس صاف ظاہر ہے کہ جہاں انسان کے حواس قطعاً کام نہ کر سکتے ہوں، جہاں اس کے پاس معلومات کا سرے سے کوئی ذخیرہ نہ ہو اور جس کے مبادی سے بھی وہ بالکل محروم ہو، جہاں کی حقیقت حال کا اس کو کوئی اندازہ و تجربہ نہ ہو اور جہاں قیاس کی بنیادیں موجود نہ ہوں وہاں اس کی عقل و ذہانت اور اس کا قیاس کیا کام کر سکتا ہے؟ وہاں اس کی عقل اسی طرح بے بس ہو جاتی ہے جس طرح انسان کشتی کے بغیر سمندر کو عبور نہیں کر سکتا اور طیارہ کے بغیر پرواز سے عاجز ہے، ذہین آدمی اعداد سے واقفیت کے بغیر ریاضی کا کوئی سوال حل نہیں کر سکتا، جس شخص نے کسی زبان کا رسم الخط نہیں سیکھا اور وہ اس کے حروف تہجی

(ALPHABET) سے بھی نا آشنا ہے کتنا ہی ذہین اور جینیس (عبقری) ہو اور ہزار عقل و قیاس اور ورق ریزی سے کام لے اس زبان کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتا بعینہٖ اسی طرح مندرجہ بالا سوالات محض عقل سے حل نہیں کئے جاسکتے کیونکہ اس کے مبادی بھی انسان کو حاصل نہیں، نہ وہاں قیاس کی کوئی گنجائش ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ عقل کی قوت ادراک کا عمل محدود ہے اس کا ایک دائرہ ہے جس سے وہ باہر نہیں جاسکتی جس طرح انسان کے حواس کے علاحدہ علاحدہ دائرے ہیں اور ان کا عمل ان کے اندر محدود ہے، حاسۂ بصارت سے ہزاروں مبصرات کا ادراک ہو سکتا ہے لیکن ایک آواز بھی وہ اخذ نہیں کر سکتا، اسی طرح دوسرے حواس بھی اپنے ان مخصوص محسوسات اور دائرہ عمل میں بھی ان حواس کی قوت ادراک کا عمل غیر محدود نہیں۔

اسی طرح عقل اگرچہ اس کا میدان ان حواس ظاہری سے زیادہ وسیع ہے لیکن بہرحال محدود ہے ابن خلدون کے عالمانہ الفاظ میں :۔

> "عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے یقینی ہیں جن میں کوئی دروغ نہیں لیکن تم اس ترازو میں امور توحید، امور آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں تول نہیں سکتے، یہ ناممکن کی خواہش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا، یہ ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اسی طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے"[1]

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صـ۴۷۳

تیسری بات یہ ہے کہ عقل میں پوری بے آمیزی اور اس کے فیصلوں اور نتائج میں مکمل غیر جانبداری بہت مشکل ہے، اہل حقیقت جانتے ہیں کہ "عقل خالص" اور "عقل مجرد" سے زیادہ عنقا صفت چیز دنیا میں مشکل سے کوئی ہوگی، جذبات وخواہشات، ماحول، خاص تعلیم وتربیت مخصوص اعتقادات ونظریات، وہم وخیال، سہو ونسیان کے اثر سے وہ مشکل سے آزاد ہوتی ہے اس لئے اس کے فیصلوں میں ہمیشہ صداقت اور اس کے نتائج میں قطعیت پیدا ہونا اتنا آسان اور عمومی نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔

لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ فلاسفہ نے ان تمام حقیقتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے موضوع کے تعین میں غلطی کی اور خدا کی ذات وصفات اور اس کے متعلقات پر بلا کسی سامان واسباب اور بلا کسی علم وروشنی کے ایسی تفصیل وتدقیق اور ایسے وثوق وعلم سے بحث کی جو ماہر کیمیا اپنے کیمیاوی تجربوں اور تحلیل وتجزیہ کے بعد کرتا ہے، ان کے یہ مباحث وتحقیقات تمام تر فرضیات، تخمینات اور خیالی طلسمات کا مجموعہ ہیں اور محض قیاس بر قیاس پر مبنی ہیں، یہ "الہیات" کا ایک اچھا خاصا "طلسم ہوشربا" اور "فسانہ عجائب"[1] ہے جس کا کچھ نمونہ آئندہ آئے گا۔

اس عقلیت وفلسفہ کے مقابلہ میں ایک دوسری کوشش ہے جس کا نام "اشراق" ہے اس کا اصول یہ ہے کہ حق اور یقین کی دریافت کے لئے عقل، علم اور برہان واستدلال مفید نہیں بلکہ مضر ہیں، صداقت وحقیقت کے یقینی حصول کے لئے مشاہدہ شرط ہے اور یہ مشاہدہ صرف نور باطن، صفائی نفس اور ایک اندرونی حاسّہ کو بیدار کرنے سے ممکن ہے جو روحانیات اور ماوراء طبیعیات کا اسی طرح ادراک کرتا ہے جس طرح یہ ظاہری آنکھیں ظاہری چیزوں کا ادراک کرتی ہیں اور یہ حاسّہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب مادیت کو بالکل فنا اور حواس ظاہری کو مردہ کر دیا جائے، حقائق کی تحصیل اسی خالص بے آمیز

---

[1] اردو کی دو مشہور افسانوی کتابیں جو انیسویں صدی عیسوی میں لکھی گئیں۔

عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نور باطن) سے ممکن ہے جو ریاضتوں نفس کشی مراقبہ اور تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ انسان میں یہ حاسۂ باطنی موجود ہے، ممکن ہے ایسے اور دوسرے حواس بھی ہوں لیکن بہرحال یہ ایک انسانی حاسہ ہی ہے اسی طرح کمزور اور محدود، خطا پذیر اور متأثر ہونے والا جس طرح انسان کی ساری طاقتیں اور انکشاف علم کے سارے ذرائع اس کے محسوسات اور مشاہدات میں بھی غلطی اور خود فریبی ہوتی ہے جیسے دوسرے حواس کے نتائج میں ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل اشراق و مشاہدہ کے مکاشفات و تحقیقات میں وہ عظیم الشان تعارض و تناقض اور بڑے بڑے اہم مسائل میں لغزش اور غلط روی ممکن نہ ہوتی جو غیر مسلم اور مسلمان اشراقیوں کے یہاں ملتی ہے۔[1]

بہرحال عقل کی طرح اس عقلِ خاص کا خالص ہونا بھی بہت مشکل ہے اس پر بھی اسی طرح خارجی اثرات اور ظاہری اور باطنی چیزوں کا عکس اور پرتو پڑتا ہے اور یہ آئینہ بھی حقیقت کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا، اشراقیوں کے ماحول، ان کے عقائد و مسلمات کا ان کے مشاہدات پر بھی اثر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سے حکمائے اشراق کو اپنے کشف و مشاہدہ میں بہت سے ان یونانی اور مصری اوہام و خیالات کی تائید نظر آتی تھی جن کا کوئی سر پیر نہ تھا اور بہت سے ایسے مفروضات حقیقت بن کر نظر آتے تھے جن کا عالم خارجی میں کہیں وجود نہیں۔[2]

پھر جس طرح مندرجہ بالا سوالات فلسفہ کے موضوع و حدود سے خارج ہیں اسی طرح

---

[1] تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب و تمدن" باب اول عنوان "اشراقیت"۔

[2] ملاحظہ ہو "مذہب و تمدن"۔

اشراق کے حدود سے بھی اس سے صرف عالم ارواح کے اسرار و عجائبات کی سیر ہوتی ہے، کچھ صورتیں نظر آتی ہیں کچھ رنگ نظر آتے ہیں کچھ آوازیں سننے میں آتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے منشا کا تفصیلی علم، اس کے قوانین شریعت، عالم آخرت کی تفصیلیں اور اس کے احوال سے وہ اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح عام انسان۔

درحقیقت فلسفہ اور اشراق میں ایک ہی روح اور ایک ہی ذہنیت کام کرتی ہے، دونوں حقیقت کو اپنی کوشش سے پیغمبروں کے واسطے کے بغیر معلوم کرنا چاہتے ہیں، منزل دونوں کی ایک ہے طریقۂ سفر مختلف ہے، ایک ہوا میں اڑ کر (خیالی پرواز سے) وہاں پہونچنا چاہتا ہے اور ایک کسی مخفی زمین دوز راستے سے (روحانی طریقے سے)۔

لیکن حقیقت اور علم کا لب لباب یہ ہے کہ یہ حقائق پیغمبروں کے واسطے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے، جن کو اللہ منصب رسالت سے سرفراز فرماتا ہے ان کو اپنی ذات و صفات اور ملکوت السمٰوٰت والارض "زمین و آسمان کی بادشاہی" کا سب سے بڑا علم بخشتا ہے اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی اور احکام کا براہ راست علم عطا کرتا ہے اور ان کو اپنے اور انسانوں کے درمیانی واسطہ بناتا ہے، ان کی رسالت و نبوت دنیا کے لئے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، ذات و صفات الٰہی کا جو عظیم الشان علم وہ بلا زحمت اور بلا قیمت عطا کرتے ہیں اس کے ایک ذرہ کو بھی ہزاروں برس کی فلسفیانہ غور و فکر اور بحث و استدلال اور سالہا سال کے مجاہدہ و مراقبہ و تزکیۂ نفس سے نہیں حاصل کیا جا سکتا، ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

یہ بالکل صحیح فرمایا کہ ولکن اکثر الناس لا یشکرون، فلاسفہ اور حکمائے اشراق اس نعمت نبوت کی ناقدری و ناشکری کرتے ہیں، اور ان حقائق تک اپنی محنتوں سے پہونچنا

چاہتے ہیں جن سے اللہ نے ان کو مستغنی کیا تھا، ہزاروں برس کی ان کاوشوں اور مجاہدوں کا نتیجہ وہ متعارض و متناقض اور مضحکہ خیز اقوال و تحقیقات ہیں جو "الٰہیات" کا سرمایہ ہیں، اور جنھوں نے اپنے مشتغلین اور متبعین کو خدا سے بجائے قریب و متعلق کرنے کے خدا سے اور زیادہ دور اور اس کی ذات و صفات سے ناآشنا اور اس سے بیگانہ اور مستغنی کیا......

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ"

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ و روحانیت دونوں کوچوں سے اچھی طرح واقف ہیں، دوسری طرف علوم نبوت کے وارث اور وحی و رسالت کے مرتبہ شناس ہیں، آپ نے حکماء اور اشراقیوں کے اس طرز عمل کی بڑی بصیرانہ تنقید کی ہے، جو آپ کی جامعیت اور رسوخ فی العلم کی دلیل ہے، یہ بحث آپ کی تجدید کا مرکزی و بنیادی شعبہ ہے اس لئے کہ پوری شریعت الٰہی اور پورے نظام دینی کی بنیاد اسی بحث کے فیصلہ پر ہے کہ علم قطعی اور حصول یقین کا ذریعہ اور سرچشمہ اور انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اپنے آغاز و انجام اور اپنی فلاح و نجات کے ضروری علم کا صحیح ماخذ کیا ہے؟ آیا وہ غور و فکر اور عقلی بحث و استدلال (جس کا نمائندہ فلسفہ ہے) یا اندرونی روشنی نفس کشی.. صفائی اور مشاہدہ اور علم جو باطنی حواس اور روحانی طاقتوں سے حاصل ہوتا ہے جس کو حکمت اشراق کہتے ہیں یا ان دونوں کے برخلاف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر ایمان یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے راستے ایک دوسرے سے کٹ کر بالکل مختلف سمتوں کی طرف جاتے ہیں اور جو آگے جا کر پھر کہیں نہیں ملتے، وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اس سلسلہ میں مجدد صاحب کے قلم سے جو نادر تحقیقات اور اعلیٰ علوم و معارف نکلے ہیں

اور ان کے مکتوبات کے ضخیم دفتر میں منتشر ہیں ان کا ترجمہ مختلف عنوانوں کے ماتحت پیش کیا جاتا ہے۔

عقل کا عجز صانع عالم کے اثبات اور اس کے کمالات کی معرفت میں

اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہمیں اسلام کی طرف رہنمائی کی اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں بنایا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے ان حضرات کی بعثت کے ذریعہ ہم ناقص عقل والوں اور عاجز فہم رکھنے والوں کو اپنی ذات وصفات کی خبر دی ہے اور ہماری کوتاہ فہم کے اندازہ سے اپنے ذاتی وصفاتی کمالات کی اطلاع بخشی ہے اور اپنی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی چیزوں کو علیحدہ علیحدہ اور ہمارے دنیوی اور اخروی منافع اور مضرات کو ممتاز فرما دیا ہے۔ اگر ان حضرات کے وجود گرامی کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو انسانی عقلیں کارخانۂ عالم کے بنانے والے کے ثابت کرنے میں درماندہ ہوتیں، اور اس ذات اقدس کے کمالات کے پہچاننے میں عاجز و ناکام ثابت ہوتیں، قدیم فلاسفہ جو اپنے کو سب سے بڑا عقلمند اور حکیم سمجھتے تھے عالم کے بنانے والے کے منکر تھے اور اپنی عقل کی کوتاہی سے اشیاء کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کے بارے میں نمرود کا مباحثہ حضرت ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے مشہور ہے اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہے، فرعون بدبخت کہتا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ”(اے اہل مصر مجھے اپنے سوا تمہارے کسی حاکم و معبود کا علم نہیں) نیز اس نے حضرت موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے خطاب کر کے کہا ”لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ“ (اے موسیٰ اگر تم نے میرے سوا کوئی اپنا معبود و حاکم

ٹھہرایا تو میں تم کو بھی قیدی بنادوں گا) ہامان سے اسی بدبخت نے کہا: یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ (اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل تیار کر تاکہ میں پہونچوں رستوں میں آسمانوں کے پھر جھانک دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میں تو اس کو خیال کرتا ہوں جھوٹا" خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرمدی کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔[1]

معرفت الٰہی میں عقلائے یونان کی بے عقلیاں

خالق و مدبر کائنات کے وجود جس کو فلاسفۂ یونان مبدأ اول کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے عمل خلق اور کائنات کے وجود میں آنے کے متعلق ان فلاسفہ نے جو عقلی موشگافیاں کی ہیں، اور تخیلات و مفروضات کا جو نقشہ تیار کیا ہے اور پھر اس ہوائی بنیاد پر جو فلک بوس عمارتیں تعمیر کی ہیں، ان کی تشریح و تفصیل تو فلسفہ کی کتابوں میں اور ان پر تبصرہ و تنقید محققین علم کلام کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

لیکن حضرت مجدد کے افکار و علوم عالیہ کے سمجھنے کے لئے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان تخیلات و مفروضات کی تردید میں جو محض یونانی ذہن کی تخلیق اور قوت متخیلہ کی ایجاد ہے، ان کے قلم میں اتنا زور اور ان کے بیان میں اتنا جوش کیوں پیدا ہو جاتا ہے، عقل فعال کا جو فلاسفۂ یونان کے نزدیک درحقیقت عالم کی مدبر اور کائنات کے اندر موثر ہے "نسب نامہ" پیش کر دیا جاتا ہے جو ان حکماء نے تجویز کیا ہے اور جس پر انھوں نے سارے خلق و امر کی

---

[1] مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

بنیاد رکھی ہے اس کے ایک ایک لفظ پر موافق اور مخالف دلائل کا انبار ہے لیکن یہاں صرف فہرست مجرد پر اکتفا کی جاتی ہے :-

مبداء اول (واجب الوجود) چونکہ تمام وجوہ سے واحد ہے اور یہ مسلّم ہے کہ واحد سے صرف واحد کا صدور ہو سکتا ہے اور عالم مختلف چیزوں سے مرکب ہے اس لئے اس کا صدور اس سے نہیں ہو سکتا اس کے وجود سے اس کے بلا ارادہ و اختیار اور علم عقل اول کا اس طرح فیضان ہوا جس طرح چراغ سے روشنی کا فیضان ہوتا ہے اور انسان کے ساتھ سایہ ہوتا ہے عقل اول ایک ایسا موجود ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے نہ تو وہ جسم ہے اور نہ کوئی جسم اس کا محل ہے اس کو اپنے نفس کی معرفت ہے اور اپنے مبداء کی بھی، اس کا نام خواہ فرشتہ رکھا جائے خواہ عقل اول خواہ کچھ اور اس کے وجود سے تین چیزیں لازم آتی ہیں عقل ثانی اور فلک اعلیٰ (یا فلک الافلاک جو نواں آسمان ہے) کا نفس اور اس فلک کا جرم پھر عقل ثانی سے عقل ثالث اور فلک کواکب کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر اس عقل ثالث سے عقل رابع اور فلک زحل کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل رابع سے عقل خامس اور فلک مشتری کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل خامس سے عقل سادس اور فلک مریخ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل سادس سے عقل سابع اور فلک شمس کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل سابع سے عقل ثامن اور فلک زہرہ کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل ثامن سے عقل تاسع اور فلک عطارد کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا پھر عقل تاسع سے عقل عاشر اور فلک قمر کا نفس اور اس کا جرم وجود میں آیا یہی عقل اخیر ہے جس کا نام عقل فعال ہے اس سے فلک قمر کا حشو لازم آیا جو ایک مادہ ہے جو عقل فعال اور طبائع افلاک کے اثر سے کون و فساد کو قبول کرتا ہے پھر ان مواد میں کواکب کی حرکات کے سبب مختلف طرح کے امتزاج ہوتے ہیں جن سے معادن، نباتات اور حیوانات پیدا ہوتے ہیں یہ عقول عشرہ

اور افلاک تسعہ ہیں:

یہ دراصل یونانیوں کا وہ علم الاصنام ہے جس کا نام انھوں نے فلسفہ اور الٰہیات رکھ دیا اور لوگوں نے اس پیچیدگی سے غور و فکر اور مباحثہ شروع کر دیا، یا محض فرضی داستان گوئی اور افسانہ آرائی ہے جس پر بے اختیار قرآن کی یہ آیت یاد آتی ہے۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر اور
وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ	خود ان کی پیدائش پر گواہ نہیں بنایا اور میں
الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا	گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بنانے
(الکہف ۵۱)	والا نہیں ہوں۔

امام غزالیؒ نے اس نقشہ کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "یہ محض دعاوی و تحکمات ہیں بلکہ درحقیقت ظلمات فوق ظلمات، تاریکی پر تاریکیاں ہیں، اگر کوئی شخص اپنا ایسا خواب ہی دیکھنا بیان کرے تو اس کے سوء مزاج کی دلیل ہوگی۔"[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "مجھے حیرت ہے کہ دیوانہ آدمی بھی ان خود ساختہ باتوں پر کیسے قانع ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ عقلاء جو اپنے خیال میں معقولات میں بال کی کھال نکالتے ہوں۔"[2]

ان فلاسفہ نے آخر میں تمام صفاتِ کمال، اور تمام مخلوقات کی خلق و صنعت کی نفی کی اور اس کو بالکل معطل و غیر مختار ثابت کیا اور یہ سب اپنے نزدیک ذات واجب الوجود کی تعظیم و تنزیہ کے لئے کیا، امام غزالیؒ اس موقع پر بے اختیار ہو کر لکھتے ہیں:

"جو اس پر قانع ہو کہ اللہ کے بارے میں اس کے قول کا حاصل یہ مرتبہ ہو تو اس نے اس کو ہر اس موجود سے بھی بدتر و حقیر قرار دیا جس کو اپنے نفس کا بھی شعور ہے اس لئے کہ جس کو دوسرے

---

[1] تہافۃ الفلاسفہ ص [illegible]

[2] ایضاً ص [illegible]

وہ اپنے شعور سے ہوگا وہ اس مرتبہ میں بلند ہوگا جس کو اپنے سوا کسی چیز کا شعور نہ ہو، تعظیم میں یہ بیہودگی ان کو یہاں تک لے گئی کہ انھوں نے عظمت کے تمام معانی اور مفہومات کو باطل کر دیا اور اس کو ایسے مردہ کے درجہ کو پہونچا دیا جس کو کچھ خبر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے بس صرف اتنا فرق ہے کہ اس کو اپنا شعور ہے (مردہ کو یہ بھی نہیں ہوتا) اللہ اس طرح لوگوں کو سزا دیتا ہے جو اس کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں اور ہدایت کے راستہ سے کترا کر چلتے ہیں، قرآن پاک کے اس قول، مَا أَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (میں نے ان کو آسمان و زمین کی پیدائش پر گواہ نہیں کیا) کے مصداق یہی ہیں جو اللہ کے ساتھ بدگمان رکھتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ امور ربوبیت کی حقیقت و گہرائی کو انسانی قوتیں پورے طور پر پا سکتی ہیں جو اپنی عقلوں پر نازاں ہیں جن کا خیال ہے کہ عقل کے ہوتے ہوئے انبیاء اور ان کے متبعین کی تقلید کی ضرورت نہیں اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ ان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے معقولات کا لب لباب وہ ہے کہ اگر خواب کے طور پر بھی بیان کیا جائے تو تعجب ہو[1]

ان سب چیزوں کو دیکھ کر نعمت رسالت کی قدر آتی ہے کہ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ یہ عقل کی بے بسی اور عقلاء و حکماء (جن کی حکمت و عقل علوم ریاضیہ اور علوم طبیعیہ میں کامیاب ہوئی) کی ان مسائل الٰہیہ میں ناکامی کا بڑا عبرت نمونہ ہے کہ انھوں نے اللہ کی طرف کس طرح ان چیزوں کی نسبت کی جن کی نسبت وہ اپنی طرف اور حقیر ترین مخلوقات کی طرف پسند نہیں کرتے اور اس کو کس طرح معطل و بے اختیار اور لاعلم قرار دیا اور اس کو اس کی تعظیم کا عین تقاضا سمجھا۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

---

[1] تہافت الفلاسفہ صفحہ ۳۳

اب حضرت مجدد کے مندرجہ ذیل ارشادات پر نظر ڈالئے جو ان کے مختلف مکاتیب سے اقتباس کئے گئے ہیں فرماتے ہیں:-

"عقل اگر صرف اسی کے مشاہدہ میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدا بنایا ہے گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو اوروں سے زیادہ پہچانتے، حالانکہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہٗ کو بیکار و معطل سمجھ لیا اور سوائے ایک چیز (عقل فعال) کے اس کو کسی چیز کا فاعل اور خالق نہیں مانتے اور وہ بھی (ان کے خیال کے مطابق) اس سے اضطراراً نہ کہ اختیاراً وجود میں آئی ہے انہوں نے اپنی طرف سے عقل فعال تراشی ہے حوادث کو زمین و آسمان کے خالق سے ہٹا کر اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اثر کو مؤثر حقیقی سے روک کر اپنی تراشیدہ چیز (عقل فعال) کا اثر مانتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک معلول علت قریبہ کا نتیجہ ہوتا ہے، علت بعیدہ کے لئے معلول کے حصول میں وہ کوئی دخل واثر نہیں مانتے اور اپنی نادانی سے ان اشیاء کی اللہ کی طرف نسبت نہ ہونے کو اللہ کی صفت کمال جانتے ہیں اور اس کو بیکار و معطل ماننے کو اس کی تعظیم سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے کو خود زمین و آسمان کا خالق کہتا ہے اور رَبُّ الْمَشْرِقِ وَرَبُّ الْمَغْرِبِ کے ساتھ اپنی تعریف بیان کرتا ہے۔

ان بے عقلوں کو اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی کچھ احتیاج نہیں اور نہ اس کے سامنے کچھ عجز و نیاز ہے بیچارگی اور ضرورت کے وقت چاہئے کہ یہ اپنی "عقل فعال" کی طرف رجوع کریں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل اسی سے چاہیں، اس لئے کہ اصل قدرت اور اصل اختیار ان کے نزدیک اسی کا ہے بلکہ "عقل فعال" بھی ان کے خیال کے مطابق اپنا عمل کرنے میں مجبور اور غیر مختار ہے اس لئے اس سے بھی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہنا غیر معقول ہے"

اصل یہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ" ان فرشتوں کا کوئی مرتبہ اور کاروبار نہیں، ان کو بھی کوئی حامی و ناصر نہیں، خدا بھی نہیں، اور عقل فعال بھی جس میں عقل آخر کیا چیز ہے جو چیزوں کا انتظام کرتی ہے اور حوادث کے ظہور و خلق کی جس کی طرف نسبت کی جاتی ہے محض اس کے ثابت ہونے اور اس کی ہستی میں ہزاروں اعتراض و کلام ہیں، کیونکہ اس کا ثبوت و وجود محض فلسفہ کے گھڑے ہوئے مقدمات پر مبنی ہے جو اسلام کے قواعد صحیحہ کی رو سے ناممکن اور ناقص ہیں، کوئی احمق ہی ہوگا جو اشیاء کو قادر و مختار جل شانہ سے ہٹا کر ایک محض فرضی اور موہوم چیز کی طرف منسوب کرے گا، بلکہ خود ان چیزوں کو اس بات سے ہزار ہزار ننگ و عار ہے کہ وہ اپنے خلق میں فلسفہ کی ایک تراشی ہوئی بے حقیقت چیز کی طرف منسوب ہوں، بلکہ یہ چیزیں اپنے نابود ہونے پر راضی و مسرور ہوں گی اور ان کو موجود ہونے کی کوئی خواہش نہ ہوگی اس بات کے مقابلہ میں کہ ان کے وجود کی نسبت ایک بے حقیقت فرضی شئی کی طرف ہو اور وہ قادر مطلق کی قدرت کی طرف منسوب ہونے کی سعادت سے محروم ہو جائیں (قرآن مجید میں ہے "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے یہ محض جھوٹ کہتے ہیں) اور اہل عرب کے کافر اپنی بت پرستیوں کے باوجود اس جماعت (فلاسفہ) سے بہتر ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے مشکل کے وقت التجا کرتے ہیں اور بتوں کو اس کے حضور میں شفاعت کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اصلی ہے) غلط ہیں اور کتاب و سنت کے مخالف

حکماء کا ان کو لقب دینا جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں البتہ طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔[1]

عقل حقائق دینی کے ادراک میں ناکافی ہے

اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی طرف ہدایت کی اور ہم کو ہدایت نہیں ہو سکتی تھی اگر اللہ خود ہماری ہدایت نہ کرتا، بیشک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے بھیجنے کے احسان کا شکر کس زبان سے بجا لایا جائے، اور کس دل سے اس محسن کا اعتقاد کیا جائے اور وہ اعضاء و جوارح کہاں ہیں کہ اعمال حسنہ کے ذریعہ اس نعمت عظمیٰ کی مکافات کی جائے، اگر ان حضرات کا وجود مبارک نہ ہوتا تو ہم کوتاہ فہم انسانوں کو زمین و آسمان بنانے والے کے وجود اور اس کی یکتائی کی طرف کون رہنمائی کرتا، متقدمین فلاسفۂ یونان باوجود اپنی ذہانتوں کے زمین و آسمان کے بنانے والے (جل شانہ) کے وجود کی طرف راستہ نہ پا سکے اور کائنات کے وجود کو انھوں نے دہر (زمانہ) سے منسوب کیا اور جب روز بروز انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی دعوت روشن ہوتی چلی گئی، متاخرین فلاسفہ نے ان انوار کی برکت سے قدماء کے مذہب کی تردید کی اور صانع جل شانہ کے وجود کے قائل ہو گئے اور اس کی توحید کا بھی اقرار کیا، پس ہماری عقلیں انوار نبوت کی امداد کے بغیر اس کام سے بے بس اور ہمارا فہم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے وجود کے توسط کے بغیر اس معاملے سے دور ہے؟[2]

---

[1] مکتوب ۲۳/۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

[2] مکتوب ۱۰۹/۱ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید۔

نبوت کا طور عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے

نبوت کا طریق عقل و فکر کے طور سے ماوراء ہے جن امور کے ادراک میں عقل قاصر ہے ان کا ثبوت نبوت کے طریق سے ہوتا ہے اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کس لئے مبعوث ہوتے۔ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اجمعین" اور آخرت کے عذاب کو کیوں ان کی بعثت کے ساتھ وابستہ کیا جاتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کسی پیغمبر کو نہ بھیجیں) عقل اگرچہ حجت ہے لیکن حجت بالغہ نہیں ہے اور اپنے حجت ہونے میں کامل نہیں ہے حجت بالغہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت سے ثابت ہوئی ہے اور اس نے مکلفین کی زبان عذر بند کر دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (پیغمبر خوشخبری دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے اللہ کے اوپر کوئی حجت باقی نہ رہے انبیاء کی بعثت کے بعد اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے) جب بعض مسائل میں عقل کے ادراک کا عجز اور کوتاہی ثابت ہو گئی پس تمام احکام شرعیہ کو عقل کی ترازو میں تولنا مستحسن نہیں، ہمیشہ ان مسائل و احکام کو عقل سے مطابق کرنے کی کوشش اور اس کی پابندی عقل کے کافی ہونے کا فیصلہ کرنا ہے اور نبوت کے طریق کا انکار اللہ ہم کو اس سے پناہ میں رکھے[1]

---

[1] مکتوب ۲۶۶ بنام میر محمد نعمان۔

عقل کا خالص و بے آمیز ہونا ممکن نہیں اور وہ حقائق الٰہیہ کی دریافت کے لئے (خواہ اس کو اشراق اور صفائی نفس کی مدد حاصل ہو) مفید نہیں

حیرت انگیز بات یہ ہے (جس کی تائید الٰہی اور اعلیٰ درجہ کی سلامت فکر کے سوا کوئی توجیہ ممکن نہیں) کہ اس دسویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) میں جب ساری دنیا پر اور خاص طور پر ایران اور ہندوستان پر فلسفہ و حکمت کی اس تعلیم کے اثر سے جس کا انحصار فلسفۂ یونانی پر تھا اور جس نے افلاطون و ارسطو کو مقام تقدس اور درجۂ عصمت تک پہونچا دیا تھا، دماغوں پر عقلیت کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ مقدمات عقلیہ سے منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کر دینے پر اور فلاسفۂ یونان نے جن چیزوں کو بدیہی اور قطعی بتایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد زبانیں گنگ اور نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں، بلکہ پرستاران حکمت و عقلیت ان موہومہ "حقائق" کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔

مجدد صاحب نے (ہمارے علم میں کم سے کم علماء اسلام میں) پہلی مرتبہ یہ آواز بلند کی کہ عقل کا خالص و بے آمیز ہونا جسم عنصری کے تعلق اور ماحول میں پھیلے ہوئے اوہام و تخیلات، عقائد و مسلمات نیز باطنی رجحانات اور راسخ اخلاق اور خواہشات سے آزاد ہونا تقریباً محال ہے، یہاں تک کہ اگر اس کو اشراق و صفائی نفس کی رفاقت و مدد بھی حاصل ہو تب بھی اس کا باطنی و خارجی اثرات تعلیم و تربیت اور معاشرہ یا ماحول میں جن چیزوں نے مسلمات کا درجہ حاصل کر لیا ہے، ان کے اثر سے آزاد ہو کر حقیقت نفس الامری تک پہونچنا اور بے لاگ فیصلہ صادر کرنا "دون ذلک خرط القتاد" کا حکم رکھتا ہے اور جس کا کچھ اعتبار نہیں، مجدد صاحب کی یہ تحقیق اور اپنے مکتوبات میں بار بار اس پر

زور دینا یہ اس عہد اور ان کے ماحول کے لحاظ ہی سے نہیں بلکہ علمی و فکری دنیا میں ایک دریافت اور ایک ایسا انقلابی اور جرأت مندانہ اعلان ہے جس کی قدر و قیمت اور اہمیت کا اندازہ صحیح طور پر ابھی تک نہیں کیا گیا، حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا کہ اس کو بحث و تحقیق اور شرح و تفصیل کا موضوع بنایا جاتا۔

عجیب توارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ مجدد صاحب سے تقریباً دو سو سال بعد جرمنی کے مشہور فلسفی ایمنول کانٹ (IMMANUEL KANT, 1724 - 1804) نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کے ماحول، وراثت اور عادات و معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت پر علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز کیا، اس نے عقل کے حدود کی جرأت و وضاحت کے ساتھ تعیین کی اور ۱۷۸۱ء میں اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تنقید عقل محض"[1] (CRITIQUE OF PURE REASON) شائع کی، جس نے دنیائے فکر و فلسفہ میں ہلچل ڈال دی اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے الفاظ میں "روشن خیالوں کے کارناموں کو خاک کا ڈھیر کر دیا"[2] مغرب میں اس کے اس کارنامہ کی عظمت کا شاندار طریقہ پر اعتراف کیا گیا، اور کہنے والوں نے یہاں تک کہا کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کا سب سے بڑا عطیہ تھا، "تاریخ فلسفہ جدید" کے مصنف ڈاکٹر ہیرالڈ ہوفڈنگ اس کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "یہ کتاب فلسفہ کا ایک غیر فانی کمال پارہ ہے جس نے فکر انسانی کی ہرزہ گردیوں میں انگشت رہنما کا کام کیا۔"[3]

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ جو اصلاً جرمن زبان میں تھی، "تنقید عقل محض" کے نام سے ہندوستان کے مشہور اہل علم اور کامیاب مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے کیا اور انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے ۱۹۴۱ء میں شائع کیا۔

[2] THE RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM. P. 5

[3] تاریخ فلسفہ جدید ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم جلد دوم ص ۲۸

کانٹ کے نزدیک فکر اپنا عمل ادعائی طور پر شروع کرتا ہے اسے غیر ارادی طور پر اور اکثر سادہ لوحی سے اپنے قویٰ اور اپنے مفروضات و مقدمات کی صحت پر اعتماد ہوتا ہے اسے یقین ہوتا ہے کہ میں تمام مسائل کو حل کرسکتا ہوں اور کائنات کی کنہ تک میری رسائی ہوسکتی ہے...... اس کے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تعمیرات فکر افلاک تک نہیں پہونچ سکتیں اور ہندسوں میں ان کے نقشوں کے متعلق اتفاق رائے نہیں ہوسکتا یہ تشکیک کا زمانہ ہے۔ اس نے دیکھا کہ ابھی ایک ایسا کام باقی ہے جسے ادعائیین اور متشککین دونوں نے نظر انداز کر دیا تھا وہ یہ کہ ہم اپنی عقل اور اپنے علم کی ماہیت کے متعلق تحقیق کریں اور دریافت کریں کہ ہمارے اندر فہم و ادراک کے لئے کس قسم کے صور و قویٰ پائے جاتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم کہاں تک جاسکتے ہیں۔[1]

اب اس کے بعد ایک مسلمان عالم و مفکر کا جو ہندوستان کے محدود علمی و مذہبی ماحول میں رہا اور جس نے حکمت و فلسفہ کے بجائے علوم نبوت اور معرفت و رضائے الٰہی کے حصول کو اپنا مقصد زندگی قرار دیا، عقل خالص کی تنقید میں فلسفہ کے پیچ و خم سے دور رہتے ہوئے عام فہم و دلنشین بیان پڑھئے۔ مجدد صاحب اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ عقل اپنی ذات سے اگرچہ احکام الٰہی میں ناقص و ناتمام ہے مگر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ صفائی نفس اور تزکیہ کے بعد عقل کو ایک مناسبت اور ذات الٰہی سے ایک بے کیف اتصال پیدا ہوجائے جس کے ذریعہ سے وہ وہاں سے احکام اخذ کرے اور بعثت کی ضرورت جو فرشتہ کے واسطہ سے ہوتی ہے نہ پڑے؟

---

[1] ایضاً ص ۲۱-۲

تحریر فرماتے ہیں:۔

"(جواب) عقل خواہ وہ وسعت و اتساع پیدا کرے مگر جو تعلق وہ جسم عنصری سے رکھتی ہے وہ کلیۃً زائل نہیں ہوتا، اور کامل آزادی و بے آمیزی وہ نہیں پیدا کر سکتی، واہمہ ہمیشہ اس کا دامنگیر رہتا ہے، اور تخیل اس کے خیال کو کبھی نہیں چھوڑتا، غصہ اور خواہش کی قوتیں سایہ کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہیں، اور حرص و ہوس کی صفات مذموم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، بھول چوک جو انسان کے لوازم میں سے ہے اس سے جدا نہیں ہوتے، خطا اور غلطی جو اس زندگی کے خواص میں سے ہیں اس سے جدا نہیں ہوتے، پس عقل اعتبار کے لائق نہیں، اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و تصرف اور خیال کے اثر و اقتدار سے آزاد نہیں، اور بھول چوک کی آمیزش اور غلطی کے شبہ سے محفوظ نہیں، بخلاف فرشتے کے جو ان صفات سے پاک ہے، اور ان نقائص سے بری پس وہ کمال اور اعتبار کے لائق ہے، اور اس کے اخذ کئے ہوئے احکام وہم و خیال کی آمیزش اور نسیان و غلطی کے شبہ سے محفوظ ہیں، بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ وہ علوم جن کو اس نے روحانی اخذ و تحصیل کے ذریعہ حاصل کیا ہے، قوی اور جو اس تک ان کو پہنچاتے ہیں بعض ایسے مقدمات جو اس کے نزدیک مسلّم ہیں، لیکن غیر واقعی ہیں، اور وہم و خیال یا کسی اور طریقہ سے حاصل ہوئے ہیں، ان صحیح و درست علوم کے ساتھ اس طرح شامل ہو جاتے ہیں کہ اس وقت بالکل اس کی تمیز نہیں ہو پاتی، دوسرے وقت کبھی اس کا امتیاز حاصل ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، پس لامحالہ علوم میں ان مقدمات کی شمولیت کی وجہ سے غیر واقعیت اور عدم صداقت کی شکل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اعتبار کے قابل نہیں رہتے۔"[1]

---

[1] مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ۔

اہلِ اشراق و صفائی نفس

حصول یقین، علم صحیح، تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس اور اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی تنظیم اور صالح تمدن کی تعمیر کا ایک بے خطا اور معصوم ذریعہ قدیم زمانہ سے اشراقیت و روحانیت کو سمجھا گیا، زمانۂ قدیم میں مصر و ہندوستان اس کا بہت بڑا مرکز تھے، اس تحریک کے فروغ اور اس کی سرپرستی میں وہ ردِ عمل بھی کام کر رہا تھا جو ایک طرف غالیانہ عقل پرستی، دوسری طرف مجنونانہ حواس پرستی کے خلاف یونان و روم میں پیدا ہو گیا تھا، اور بالآخر اس نے اسکندریہ (مصر) کو جو مشرقی و مغربی عقلیت و مذاہب کا سنگم تھا اپنا مرکز بنایا۔

اس فلسفہ اور تحریک کے داعیوں اور پیروؤں کا کہنا یہ ہے کہ حصول یقین و علم صحیح کا سب سے بڑا ذریعہ شہود ہے اور وہ نورِ باطن، صفائی نفس اور باطنی حاسہ کو بیدار کرنے سے حاصل ہوتا ہے، حقائق کا حصول اسی خالص و بے آمیز عقل (حکمت اشراق) اور اسی اندرونی روشنی (نورِ باطن) سے ممکن ہے جو ریاضت، مخالفت نفس اور مراقبہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اگر یہ قول تسلیم کر لیا جائے تو اس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کے اندر حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹا حاسہ (باطنی) عمل کرنے لگتا ہے اور اس کے کچھ نتائج (مشاہدات) غیر مرئی انوار، غیر مسموع اصوات اور پہلے سے غیر معلوم حقائق ظاہر ہونے لگتے ہیں، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ حاسہ انسان کے دوسرے حواس کی طرح محدود اور غلطی و غلط فہمی میں مبتلا ہونے والا نہیں؟ اگر ایسا ہوتا تو اس کے نتائج میں تعارض و تضاد کا وجود اور شک و احتمال نہ پایا جاتا، لیکن اشراقیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس حاسۂ باطنی کے محسوسات اور وجدانی نتائج و حقائق

تک پہونچتا ہے، ان میں اسی طرح سے تعارض و اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ فلاسفۂ یونان اور مشرق کے حکماء و عقلیین میں پایا جاتا ہے، اشراقیت قدیم کو چھوڑ کر جس کی تاریخ محفوظ نہیں، اشراقیت جدیدہ (NEO - PLATONISM) کو لے لیجئے اس کے پیشواؤں کے مذہبی عقائد پر مرتب ہونے والے اعمال میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے، پلاٹینس (PLOTINUS) اپنے زمانہ کے مذہبی نظام اور مروجہ عبادات کا قائل نہیں اور آزاد مشرب فلسفی ہے جو عقل کے بجائے تفکر اور مراقبہ پر زور دیتا ہے لیکن اس کا شاگرد رشید پارفری (PORPHYRY) ایک زاہد خشک صوفی ہے، PLOTINUS انسانی روح کے جانوروں کے جسموں میں ظاہر ہونے کا قائل ہے لیکن PORPHYRY اس کا منکر ہے، اس مسلک کا تیسرا نامور پیشوا پراکلس (PROCLUS) پورے مصری رسوم، دینی و مذہبی تقریبات کا پابند تھا اور دن میں تین دفعہ سورج کی پرستش کرتا تھا، اس کا مذہب مختلف مذاہب و اعتقادات کا معجون مرکب تھا، اور یہ سب اہل مشاہدہ و ارباب یقین تھے۔[1] PORPHYRY نے مسیحیت کی مخالفت کی اور رومی بت پرستی اور جاہلیت (PAGANISM) کے احیاء کی تحریک میں سلطنت روم کی تائید کی، اور اس کو نور باطن نے شرک و بت پرستی کے اس ڈوبتے ہوئے جہاز کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینے سے روکا نہیں۔

مسلمانوں میں بھی جن کو اشراق اور قوت کشفیہ پر پورا اعتماد تھا، ان کے باطنی محسوسات و مکشوفات میں بھی بکثرت تعارض ملتا ہے ایک صاحب کشف دوسرے صاحب کشف سے اختلاف کرتا ہے اس کے کشف کو امر واقعی کے خلاف بتاتا ہے، اور کبھی اس کو فکر اور خیال پر محمول کرتا ہے عقول (جن کا ذہن اور کتب فلسفہ کے علاوہ) کہیں وجود خارجی نہیں ان سے یہ اہل کشف مصافحہ کرتے ہیں، اور ان سے اپنی ملاقات ثابت کرتے ہیں (ذخیرۂ تصوف

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذہب و اخلاق کا انسائیکلوپیڈیا عنوان (NEO - PLATONISM)

کی تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول

ان مسلمان اہل اشراق میں چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) کا اشراقی حکیم شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی (۵۴۹ھ - ۵۸۷ھ) معروف بالمقتول خاص شہرت رکھتا ہے جو اپنے مخالفت اسلام اور انتشار انگیز عقائد و خیالات کی بنا پر الملک الظاہر کے حکم سے ۵۸۷ھ کو قتل کیا گیا، وہ اپنے کو مشائی و صوفی کہتا تھا۔ اس کے یہاں مشائی تصورات کے ساتھ بقول (S. V. DEN BERGH) "وہ سارا متصوفانہ فلسفہ موجود ہے جو مسلمانوں نے یونانی نظریۂ تطبیق معتقدات اور اتحاد مذاہب سے اخذ کیا" انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مذکورہ بالا مقالہ نگار کے بقول "یہ دراصل یہ تو افلاطونی نظریۂ نور ہے جس کو اشیاء کی بنیادی حقیقت تصور کیا جاتا ہے۔"[1]

شہرزوری لکھتے ہیں "وہ دونوں فلسفے یعنی فلسفۂ ذوقیہ (اشراقیہ) اور فلسفۂ بحثیہ (فلسفۂ مشائیہ) کا جامع تھا" اس کی اہم کتاب "حکمت الاشراق" ہے جس کی شرح علامہ قطب الدین شیرازی نے کی اور وہ "شرح حکمت الاشراق" کے نام سے علمی و درسی حلقوں میں مشہور ہے۔

شیخ الاشراق کے نزدیک عقول کی تعداد دس میں محدود نہیں بلکہ ہر نوع کے لئے ایک عقل ہے جو اس کی حفاظت کرتی ہے، شیخ الاشراق ان کو انوار مجردہ کہتا ہے شیخ الاشراق کے نزدیک آسمان ایک زندہ مخلوق ہے، اس میں نفس مجردہ پایا جاتا ہے جو اس کو حرکت دیتا ہے، وہ عدم و فساد سے محفوظ ہے، آسمان میں نفس ناطقہ پایا جاتا ہے اس لئے اس میں حواس بھی پائے جاتے ہیں، اس کے نزدیک کل آسمان ایک زندہ مخلوق ہیں، اور انوار عالیہ یعنی عالم مجردات کا

---

[1] دائرۂ معارف اسلامیہ۔

اثرات ان پر ستاروں کے ذریعہ سے پڑتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے قوائے جسمانیہ حرکت میں آتے ہیں سب سے بڑا ستارہ سورج ہے، اشراقیین کے مذہب میں اس کی تعظیم واجب ہے، عالم کائنات میں بالذات و بالواسطہ نور ہی نور کی حکومت ہے، حرکت و حرارت نور سے پیدا ہوتی ہے اور آگ میں یہ دونوں اوصاف اور عناصر سے زیادہ پائے جاتے ہیں، جس طرح نفس عالم ارواح کو روشن کرتا ہے اسی طرح آگ عالم اجسام کو روشن کرتی ہے، خدا نے ہر عالم میں اپنا ایک خلیفہ مقرر کیا ہے، عالم عقول میں عقل اول، عالم افلاک میں ستارے اور ان کے نفس ناطقہ، عالم عناصر میں نفوس بشریہ اور ستاروں کی شعاعیں اور آگ بالخصوص رات کی تاریکی میں اس کے خلیفہ ہیں یعنی اس کی اصلاح و تدبیر کرتی ہے، خلافت کبریٰ انبیاء کے نفوس کاملہ کو حاصل ہوتی ہے، خلافت صغریٰ آگ سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ تاریک راتوں میں وہ انوار علویہ اور ستاروں کی شعاعوں کی قائم مقامی کرتی ہے، غذا اور تمام چیزوں کو پختہ کرتی ہے، شیخ الاشراق کے نزدیک عالم قدیم ہے، زمانہ ازلی و ابدی ہے، وہ تناسخ کا قائل نہیں لیکن اس کا انکار بھی نہیں کرتا (کیونکہ اس مسئلہ میں فریقین کے دلائل تسلی بخش نہیں ہیں)[1]

اس طرح اپنے وقت کا ممتاز اشراقی حکیم جس نے مشرق میں شیخ الاشراق کا لقب پایا اور جس کی ذہانت، تبحر علمی اور زہد و تجرد اس کے معاصرین کو بھی تسلیم ہے، اس کو اس کی اشراقیت و صفائی نفس یونانی مفروضات اور ایرانی و مجوسی مزخرفات کے اختیار کرنے سے باز نہیں رکھ سکی، وہ بعثت محمدی اور اس پر مرتب ہونے والی ہدایت فلاح دینی و دنیوی اور معرفت صحیحہ سے محروم رہا، اس نے ایک غیر متوازن انتشار و اضطراب سے بھری ہوئی ناکام زندگی گزاری اور وہ اپنے پیچھے ہدایت اور نفع خلائق کا کوئی نظام چھوڑے بغیر دنیا سے رخصت ہوا۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حکمائے اسلام ج ۲ از مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم۔

عقل و کشف دونوں ایک کشتی کے سوار ہیں

کانٹ (KANT) نے عقل خالص کے وجود میں بہت شبہ ظاہر کیا ہے، اور ثابت کیا کہ اس کا بے آمیز اور اندرونی و بیرونی اثرات سے آزاد ہونا تقریباً ناممکن ہے، لیکن وہ کشف و علم باطنی کی دنیا سے ناآشنا تھا اس لئے وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا، مجدد صاحبؒ نے جو اس دریا کے بھی غواص تھے ایک قدم آگے بڑھ کر کشف خالص اور الہام خالص کے مشکل اور نادر الوجود ہونے پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اشراق اور صفائی نفس کے ذریعہ بھی ان غیبی حقائق اور ماورائی علوم تک رسائی ممکن نہیں جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی بعثت کے راستہ سے عوام و خواص کو حاصل ہوتے ہیں، اس طرح بعثت کے بغیر نہ وصول الی المعرفت ہوتا ہے، نہ حصول نجات، تحقیق تزکیہ اس سلسلہ میں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پیش ہیں

"ان نادانوں (حکماء) کے ایک گروہ نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے راستہ کی پابندی کے بغیر صوفیہ البتہ (جو ہر زمانہ میں انبیاء کے پیرو اور متبع رہے ہیں) کی تقلید میں ریاضت اور مجاہدہ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے وقت کی صفائی پر فریب کھایا اور اپنے خواب و خیال پر اعتماد کیا اور اپنے خیالی کشف و کشوف کو اپنا مقتدیٰ بنایا، ضلوا فاضلوا (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) یہ نہیں جانتے کہ یہ صفائی نفس کی صفائی ہے جو گمراہی کی طرف راستہ دکھاتی ہے نہ کہ صفائی قلب جو کہ ہدایت کا دریچہ ہے اس لئے کہ قلب کی صفائی انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی پیروی سے وابستہ ہے اور نفس کا تزکیہ (اصلاح و تصفیہ) قلب کی صفائی کے ساتھ مربوط ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفس کی اصلاح و تربیت کرے، قلب جو ذات باری تعالیٰ کے انوار کا مظہر ہے اس کی ظلمت کے ساتھ نفس جو صفائی پیدا کرے گا اس کا حکم اس چراغ کا سا ہے جس کو اس لئے روشن کیا گیا ہو کہ

پوشیدہ دشمن یعنی ابلیس لعین (اس کی روشنی میں) گھر کو تاراج و برباد کردے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ نظر و استدلال کے رنگ میں اسی وقت اعتبار و اعتماد پیدا کرے گا جب وہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تصدیقات کے ساتھ ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ فرماتے ہیں اور اس کی مدد ان کی امداد کرتی ہے ان حضرات کا الہام ایسے ملائکہ کے نزول کی وجہ سے (جو غلطی اور گناہ سے محفوظ ہیں) دشمن لعین کے مکر سے محفوظ ہے اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ بیشک میرے خاص بندے تیرا (اے ابلیس) ان پر کوئی زور نہیں) اور یہ بات دوسروں کو میسر نہیں اور اس لعین کے نامبارک جال سے ان کی رہائی متصور نہیں سوائے اس کے جو ان حضرات کی پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے ؎

محالست سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

سعدی سلامتی کے راستے پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر چلنا محال ہے اللہ کا درود و سلام ہو ان پر اور ان کی آل پر اور ان کے تمام برادران انبیاء پر۔

کشف میں آمیزش

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کشف کی غلطی ہمیشہ القاء شیطانی ہی کی بنا پر نہیں ہوتی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض غیر واقعی اور صداقت سے عاری احکام متخیلہ میں جاگزیں ہو جاتے ہیں وہاں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن (یہ خیالات) خارج میں متشکل ہو کر آتے ہیں اسی غلطی کی

یہ چیز ہے کہ بعض لوگوں کو خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور وہ آپ سے بعض ایسے احکام اخذ کرتے ہیں جو شریعت کے ثابت شدہ مسائل اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوتے ہیں، اس صورت میں القاء شیطانی متصور نہیں ہے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ شیطان آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہوتا تو اس صورت میں صرف تخیل کا تصور ہوتا ہے جس نے خلاف واقع کو واقع سمجھ لیا ہے۔[1]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"نفس خواہ تزکیہ کے ذریعہ نفس مطمئنہ بن گیا ہو لیکن وہ اپنی صفات سے پورے طور سے مجرد نہیں ہوتا، اس لئے غلطی کو اس کے بعد بھی راہ پانے کا موقع ملتا ہے۔"[2]

فلاسفہ اور انبیاء کی تعلیم کا تضاد

اتنا تحریر فرمانے کے بعد آپ فلاسفہ و انبیاء کی تعلیمات کے درمیان اس کھلے تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے اور جن میں تطبیق ممکن نہیں اور یہ کہ ان کی عقلی مساعی، اور بلند پروازیاں "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کے مرادف ہیں۔

ارشاد فرماتے ہیں:۔

"فلسفہ کی عقل ناقص گویا نبوت سے بالکل ضد اور مقابل سرے پر واقع ہوئی ہے ابتدائے عالم کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی ان کے مسائل و مباحث انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعلیمات کے بالکل مخالف ہیں، انھوں نے نہ ایمان باللہ درست کیا نہ ایمان بالآخرت، عالم کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، حالانکہ تمام اہل ادیان

---

[1] مکتوب [illegible] بنام محمد صادق کشمیری۔ [2] مکتوب [illegible] بنام شیخ [illegible]۔

اہل ملل کا اجماع ہے کہ عالم حادث ہے اپنے تمام اجزاء کے ساتھ، اسی طرح آسمانوں کے پھٹ جانے، تاروں کے جھڑ جانے، پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، سمندروں کے بہ پڑنے کے قائل نہیں جس کا بروزِ قیامت وعدہ ہے، اسی طرح اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے کے منکر ہیں، اور قرآن کی تصریحات کا انکار کرتے ہیں، ان کے متاخرین جو اپنے کو اہل اسلام کے گروہ میں شامل کرتے ہیں، اسی طرح اپنے فلسفی اصول پر جمے ہوئے ہیں، اور افلاک کواکب اور اسی طرح دوسری چیزوں کے قدیم ہونے کے قائل ہیں، اور ان کے فنا و ہلاک نہ ہونے کے مدعی، ان کی خوراک قرآنی تصریحات کی تکذیب، اور ان کا رزق دین کے اصولی مسائل کا انکار ہے، عجب طرح کے مومن ہیں کہ خدا و رسول پر ایمان لاتے ہیں، لیکن خدا اور رسول نے جو کچھ فرمایا ہے اس کو قبول نہیں کرتے، اس سے بڑھ کر حماقت نہیں ہو سکتی، کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں
ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است

فلسفہ چوں کہ اس کے لفظ کا بڑا حصہ "سفہ" (حماقت ہے) اس لئے وہ کل حماقت ہی ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔

اس جماعت نے اپنی عمریں آلہ (منطق) سیکھنے سکھانے میں صرف کیں جو فکری غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے اور اس بارے میں انھوں نے بڑی زحمتیں اٹھائیں، مگر جب ذات صفات و افعال باری تعالےٰ کی بحث کو پہونچے جو مقصدِ اعلیٰ ہے تو انھوں نے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے، اور اس آلہ کو جو غلطی سے محفوظ رکھنے والا ہے، ہاتھ سے پھینک کر ٹھوکریں کھانے لگے اور گمراہی کے دشت و بیابان میں بھٹکنے لگے، جیسے ایک شخص برسوں جنگ کے سامان و آلات

تیار کرتا رہتا ہے، اور عین جنگ کے وقت ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتا ہے، اور اس سے کچھ بنتا نہیں۔

لوگ علوم فلسفہ کو بہت باقاعدہ اور منتظم سمجھتے ہیں اور غلطی و خطاء سے محفوظ جانتے ہیں اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ حکم ان علوم کے بارے میں ہوگا جن میں عقل تنہا کافی ہو سکتی ہے جو بیان مبحث سے خارج ہے، اور مالا یعنی (غیر مفید مطلب) کے حکم میں ہے، اور آخرت سے جو دائمی ہے کچھ واسطہ نہیں رکھتے اور نجات اخروی ان سے وابستہ نہیں، گفتگو ان علوم کے بارے میں ہے کہ عقل ان کے ادراک میں عاجز و قاصر ہے، اور وہ طریقہ نبوت سے مربوط ہیں اور نجات اخروی ان سے وابستہ ہے، پھر آگے تحریر فرماتے ہیں۔

"علم منطق جو ابتدائی علم ہے جو (بعد کے علوم عالیہ کے لئے) ایک آلہ کے طور پر ہے اور اس کے متعلق لوگوں نے کہا ہے کہ وہ خطا سے حفاظت کرنے والا ہے، ان کو کام نہیں آتا اور مقصد اعلیٰ میں ان کو خطا اور غلطی سے اس نے باہر نہیں نکالا، وہ ان کے کام نہ آیا تو دوسروں کے وہ کیا کام آئے گا، اور غلطی سے کس طرح نکالے گا؟

(اللہ تعالیٰ سے اسی کے الفاظ میں دعا ہے) رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت بخش بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے۔)

بعض آدمی جو علوم فلسفہ میں کچھ "دخل در معقولات" رکھتے ہیں اور فلسفیانہ طبع سازوں کے فریب میں ہیں، اس جماعت کو حکماء جان کر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کا ہمسر اور مقابل سمجھتے ہیں، بلکہ قریب ہے کہ ان کے جھوٹے علوم کو سچا جان کر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعتوں پر مقدم رکھیں، اللہ ہم کو برے اعتقاد سے بچائے، تو ان کی حقیقت

ان کو حکماء جانتے ہیں اور ان کے علم کو حکمت کہتے ہیں خواہ مخواہ اس بلا میں گرفتار ہوتے ہیں اس لئے کہ حکمت نام ہے کسی شئی کے اس علم کا جو حقیقت واقعی کے مطابق ہو پس جو علوم (یعنی انبیاء کی شریعتیں) ان علوم حکمت کے مخالف ہوں گے وہ ان حکماء کے خیال میں حقیقت واقعی کے خلاف ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کی تصدیق اور ان کے علوم کی تصدیق انبیاء کی تکذیب اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے علوم کی تکذیب ہے اس لئے کہ یہ دونوں (حکماء اور انبیاء کے) علوم ایک دوسرے سے بالکل مقابل سرے پر واقع ہوئے ہیں ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب کو مستلزم ہے جو چاہے انبیاء کے دین کا پابند ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے ہو اور اہل نجات میں سے ہو اور جس کا جی چاہے فلسفی ہو جائے اور شیطان کے گروہ میں سے ہو اور نامراد و ناکامیاب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا (جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کی ہے جس کی قناتوں نے ان کو گھیر لیا ہے اور اگر وہ پیاس سے فریاد کریں گے تو ان کی دادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے سیسہ کی طرح ہوگا جو منہ کو جلا دے گا اور وہ بری چیز ہوگی) اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی پابندی کی۔ ان پر اور ان کے برادران انبیاء کرام و ملائکہ عظام پر کامل ترین اور اعلیٰ ترین درود و سلام ہو۔[1]

---

[1] مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

بعثت کے بغیر حقیقی تزکیہ ممکن نہیں

"ہم یہ کہتے ہیں کہ تصفیہ و تزکیہ ان نیک اعمال سے وابستہ ہیں، جو مولیٰ جل شانہٗ کو پسندیدہ اور اس کے یہاں مقبول ہوں اور یہ بات جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا بعثت پر موقوف ہے، پس بعثت کے بغیر صفائی اور تزکیہ کی حقیقت نصیب نہیں ہوتی۔"[1]

انبیاء کی بعثت کی ضرورت اور عقل کا ناکافی ہونا

مجدد صاحب بعثت انبیاء و رسل کی ضرورت، ہدایت کے لئے ان کے ناگزیر ہونے اور تنہا عقل کے (خواہ وہ کتنی بلند پایہ ہو) ناکافی ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت دنیا والوں کے لئے رحمت ہے اگر ان حضرات کے وجود کا ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اللہ تعالیٰ (جو واجب الوجود ہے) کی ذات و صفات کی پہچان کی طرف کون رہنمائی کرتا، اور اس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی کے کاموں میں کون امتیاز پیدا کرتا؟

ہماری ناقص عقلیں ان حضرات انبیاء کی دعوت کی روشنی کی مدد کے بغیر اس مطلب سے عاجز اور ہماری ناتمام سمجھ ان حضرات کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں بے بس اور درماندہ ہے۔

ہاں عقل ضرور حجت ہے لیکن حجت ہونے میں ناکمل اور تاثیر و تکمیل کے درجہ کو

---

[1] مکتوب ۲۳ ج ۳ بنام خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ۔

نہیں پہونچی حجت بالغہ صرف انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بعثت ہے جس سے دائمی عذاب وثواب اخروی وابستہ ہے۔[1]

بعثت اللہ کی ذات و صفات و احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے

بعثت رحمت ہے اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی پہچان حاصل کرنے کا سبب ہے، جو تمام دنیوی و اخروی سعادتوں پر مشتمل ہے بعثت کی اسی دولت سے اس بات کا علم و امتیاز ہوتا ہے کہ جناب باری تعالیٰ کے مناسب شان کیا ہے، اور نامناسب کیا ہے، اس لئے کہ ہماری بے بصیرت اور عاجز عقل جو امکان اور حدوث کے داغ اور نقص سے داغدار ہے اس کو کیا معلوم کہ حضرت باری جو قدیم ہے کون سے اسماء و صفات اور افعال اس کی شان کو مناسب ہیں جن کا اطلاق کیا جائے اور کون سے نامناسب جن سے احتراز کیا جائے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنے نقص کی وجہ سے ہماری عقل کمال کو نقص اور نقص کو کمال جانتی ہے، یہ امتیاز جو نبوت پیدا کرتی ہے ارباب کمال کے نزدیک تمام ظاہری وباطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے، بڑا بدبخت ہے جو نامناسب امور اور ناشائستہ اشیاء کو اس ذات عالی سے نسبت کرے بعثت ہی ہے جس نے باطل کو حق سے جدا کیا اور اس میں جو عبادت کا مستحق نہیں ہے اور جو عبادت کا مستحق ہے امتیاز پیدا کردیا ہے، بعثت ہی کے ذریعہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور بندگان خدا کو قرب الٰہی اور وصال مولیٰ کی سعادت سے مشرف کرتے ہیں اور اسی بعثت کے ذریعہ مالک جل وعلا کے مرضیات کا علم حاصل ہوتا ہے، جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور اس کی تمیز ہوتی ہے کہ اس کے

---

[1] مکتوب ۳۶ بنام خواجہ عبداللہ وخواجہ عبیداللہ

قلب میں کس چیز میں تصرف جائز ہے اور کس میں جائز نہیں، بعثت کے اس طرح کے فوائد بہت ہیں، پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت رحمت ہے، جو شخص نفس امارہ کی خواہشات کا پیرو ہو کر شیطان لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرے اور بعثت کے احکام و مقتضا پر عمل نہ کرے تو اس میں بعثت کا کیا گناہ ہے اور بعثت کیوں رحمت نہ ہو؟[1]

اللہ کی معرفت انبیاء ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے

چونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے تواتر و تسلسل کی وجہ سے خدا کی طرف (جو زمین و آسمان کا خالق ہے جل شانہ) ان کی دعوت دینے کی شہرت ہوئی اور ان حضرات کی بات اور پیغام بلند ہوا تو ہر زمانے کے بے عقل جو صانع عالم کے ثبوت کے بارے میں تردد کرتے تھے اپنی غلطی پر مطلع ہو کر بے اختیار صانع کے وجود کے قائل ہو گئے، اور اشیاء و مخلوقات کو اس کی طرف منسوب کیا، یہ روشنی حضرات انبیاء ہی کے انوار سے ماخوذ ہے اور یہ دولت انبیاء ہی کے خوان نعمت سے ملی ہے، اللہ کا درود و سلام ہو ان پر قیامت تک بلکہ ابد الآباد تک۔

اسی طرح وہ تمام منقولات جو ہم تک انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے پہونچانے سے پہونچے ہیں، مثلاً ذات الٰہی کے صفات کمالیہ، انبیاء کی بعثت، ملائکہ کا معصوم ہونا علیہم الصلوات والتسلیمات والبرکات، حشر و نشر، بہشت و دوزخ کا وجود اور جنت کی دائمی راحت و عیش اور جہنم کا دائمی عذاب، یہ اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جن کی شریعت خبر دیتی ہے، عقل ان کو پالینے سے قاصر ہے اور ان حضرات (انبیاء) سے سنے بغیر ان کے ثابت کرنے میں ناقص اور تنہا ناکافی ہے؟[2]

---

[1] مکتوب ۳۶ بنام خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ۔ [2] مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

صحیح ترتیب

"سب سے پہلے رسول پر ایمان لانے کی فکر کرنی چاہیے اور اس کی رسالت کی تصدیق کرنی چاہیے تاکہ تمام احکام میں اس کو سچا جانا جائے اور اس کے ذریعہ سے شکوک و شبہات کی تاریکیوں سے نجات میسر ہو، جڑ کو پہلے معقول و معلوم کر لینا چاہیے تاکہ سب فروع اور شاخیں بے تکلف معقول و معلوم ہو جائیں، ہر شاخ و ہر فرع کو اصل کے ثابت کئے بغیر معقول بنانا بڑا مشکل ہے۔

اس تصدیق تک پہونچنے اور اطمینان قلب کے حاصل کرنے کا قریب ترین راستہ ذکر الٰہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَہُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ۔ (یاد رکھو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا) غور و استدلال کے راستے سے اس بلند مقصد تک پہونچنا دور ہے۔ بقول شاعر

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود"

(اہل استدلال کا پاؤں لکڑی کا ہے اور لکڑی کا پاؤں بے قابو و بے ثبات ہوتا ہے)[1]

انبیاء کی رسالت کی تصدیق کرنے والا اصحاب استدلال میں سے ہے

"معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء کرام کی تقلید کرنے والا ان کی نبوت کے ثابت کرنے

---

[1] مکتوب ۲۶/۲ بنام میر محمد نعمان۔

کے بعد اور ان کی رسالت کی تصدیق کے بعد اس کا شمار صاحب استدلال لوگوں میں ہے۔ اس کا ان حضرات کی باتوں کو بے دلیل ماننا اس وقت (ان کی نبوت کو استدلال کے ساتھ مان لینے کے بعد) عین استدلال ہے مثلاً ایک شخص نے اصول کو استدلال سے ثابت کر لیا ہے اس وقت جتنے فروع اس اصل سے پیدا ہوتے ہیں وہ اسی (پہلے) استدلال کے ساتھ متعلق ہوں گے اور وہ شخص اس اصل کے استدلال کے ساتھ ان تمام فروع کے اثبات میں صاحب استدلال ہوگا۔ الحمد للہ الذی ہدانا لہذا وما کنا لنہتدی لو لا ان ہدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق والسلام علی من اتبع الہدی" (اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو اس کی ہدایت دی اور ہم ہدایت پانے والے نہ تھے اگر ہمیں ہدایت نہ دیتا بے شک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ آئے اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی[1]

انبیاء کی اطلاعات کو اپنی عقل کا پابند بنانا طریق نبوت کا انکار ہے

حساب، میزان، صراط حق ہے اس لئے کہ سچے خبر دینے والے (علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات) نے اس کی خبر دی ہے طریق نبوت کے بعض ناواقفوں کا ان کے وجود کو منتفی سمجھنا درجۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے کہ نبوت کا طریق عقل کے طریق سے ماوراء ہے انبیاء کی دی ہوئی سچی اطلاعات کو عقل کے طریق بحث ونظر کے موافق کرنا درحقیقت نبوت کے طریق کا انکار کرنا ہے (ان مسائل ماوراء عقل میں) دار و مدار انبیاء کی باتوں کے بے دلیل ماننے پر ہے[2]

---

[1] مکتوب ۲۳ بنام میر محمد نعمان۔

[2] مکتوب ۲۳

مخالفتِ عقل اور ماوراءِ عقل میں بڑا فرق ہے

یہ نہ سمجھیں کہ نبوت کا طریق کچھ عقل کے طریق کے مخالف ہے بلکہ بات یہ ہے کہ عقل کا طریق (علم واستدلال) انبیاء کی تقلید کے بغیر اس مقصد عالی تک پہونچ نہیں سکتا۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور نارسائی دوسری چیز، اس لئے کہ مخالفت پہونچنے کے بعد متصور ہوسکتی ہے۔[1]

خدا کی تعظیم کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع وتعلیم پر موقوف ہے

پس انبیاء کے وجود سے چارہ نہیں تاکہ محسن حقیقی جل سلطانہٗ (جس کی ہستی عقل سے لازماً ثابت وضروری ہے) کے شکر کے طرف رہنمائی کریں اور ان احسانات کے کرنے والے کی علمی وعملی تعظیم کو اس کی طرف سے معلوم کرکے ظاہر کریں، اس لئے کہ اس کی تعظیم جو اس کے بیان سے معلوم نہ کی جائے اس کے شکر کے شایانِ شان نہیں، اس لئے کہ انسانی قوت اس کے ادراک کرنے سے عاجز ہے، بلکہ بسا اوقات انسان غیر تعظیم کو وہ تعظیم سمجھنے لگتا ہے اور شکر سے ہجو کی طرف چلا جاتا ہے، اور اس سے اس کی تعظیم کا معلوم کرنا نبوت پر منحصر ہے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی اطلاع وتعلیم پر موقوف ہے، اولیاء کو جو الہام ہوتا ہے وہ بھی انوارِ نبوت سے ماخوذ ہے، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے اتباع وپیروی کے فیوض وبرکات میں سے ہے۔[2]

---

[1] مکتوب بنام پیرزادگان خواجہ عبد اللہ خواجہ عبید اللہ فرزندان گرامی حضرت خواجہ باقی [illegible]

[2] مکتوب [illegible] بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

جس طرح عقل کا مرتبہ حواس کے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے

اور جس طرح سے کہ عقل کا مرتبہ حواس کے مرتبے سے ماوراء ہے کہ جس چیز کا حواس سے ادراک نہیں کیا جا سکتا عقل اس کا ادراک کرتی ہے اسی طرح سے نبوت کا طریقہ عقل کے طریقہ اور مرتبہ سے ماوراء ہے جس کا عقل سے ادراک نہیں کیا جا سکتا وہ نبوت کے وسیلے سے ادراک میں آتا ہے جو شخص عقل کے طریقے کے علاوہ حصول علم کے لئے کوئی اور طریقہ تسلیم نہیں کرتا وہ فی الحقیقت طریقۂ نبوت کا منکر اور ہدایت کا مخالف ہے[1]۔

مقام نبوت

یونان کے علوم حکمت و فلسفہ میں (جو صدیوں تک انبیاء کی دعوت اور نور نبوت سے دور دور برگ و بار لاتے رہے ہیں) شب و روز مشغول رہنے اور اسی کو علم و دانش کا مبدء و منتہیٰ سمجھنے، دوسری طرف کتاب و سنت کی رہنمائی اور ان سے ضروری واقفیت اور حدیث و سیرت سے شغف کے بغیر جسمانی ریاضتوں نفس کشی اور چلہ کشی میں ہمہ تن منہمک رہنے کی بنا پر پچھلی صدیوں میں (جن کا واضح طور پر آغاز آٹھویں صدی سے ہو جاتا ہے) مقام نبوت سے نہ صرف ایک ناآشنائی اور بے انسی بلکہ ایک طرح کی اجنبیت اور وحشت پیدا ہونے لگی تھی اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور خود سیرت نبوی ان حکماء اور اشراقیین کے سامنے اس طرح آئی تھی کہ یہ نفوس قدسیہ عام انسانوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، شادی بیاہ کرتے تھے، آل و اولاد رکھتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بعض لوگ

---

[1] مکتوب ۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

جنھوں نے تجارت بھی کی، جانور بھی چرائے، جنگوں میں حصہ لیا، واقعات سے متأثر ہوتے تھے، خوشی کی بات پر خوش ہوتے تھے اور رنج و قلق کی بات پر محزون و مغموم ہوتے تھے، نہ ان کے یہاں ایسی عبادات شاقہ تھیں، نہ صوم وصال، نہ چلہ کشی، جن کا ذکر متوسط درجے کے اولیاء و مرتاضین کے یہاں ملتا ہے، پھر دعوت و تبلیغ رسالت کے کام میں ان کو خلق خدا کی طرف توجہ کرنی پڑتی تھی جس کے بغیر یہ فریضہ ادا نہیں ہو سکتا، اور ایک توجہ دوسری توجہ سے عام طور سے مانع ہوتی ہے، اس لئے اشراق و روحانیت کے ان حلقوں میں جہاں علوم دینیہ بالخصوص حدیث سے اشتغال نہیں تھا، اور جہاں اولیاء متقدمین اور اشراقیین کے عروج روحانی، تجرید و تفرید کامل اور فنائیت و مغلوبیت کے واقعات دن رات ورد زبان رہتے تھے، یہ خیال عام ہوتا جا رہا تھا کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے، اور یہ کہ ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے، اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلائق سے ہے، ولی "رو بحق" ہوتا ہے اور نبی "رو بخلق" اور "رو بحق" ہونے کی حالت بہرحال "رو بخلق" ہونے کی حالت سے اعلیٰ و افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت مطلقاً نبوت سے افضل نہیں، جنھوں نے ایسا کہا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، اور نبی جب مشغول بالحق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے، لیکن یہ طرز فکر اس پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ مقام ولایت کی عظمت اور اس کے کمالات و ترقیات سے مرعوبیت مسلمانوں کے بھی ایک وسیع دینی حلقہ میں پیدا ہوتی جا رہی تھی، جو امت کے اپنے اصل سرچشمہ نبوت و شریعت کے ساتھ ربط پر اثر انداز ہو رہی تھی، اور یہ ایک خطرہ تھا جس کا مقابلہ مجدد دین اسلام اور

ذاتیں انبیاء کو کرنا ضرور تھا۔

ہمارے علم میں اس مسئلہ میں سب سے پہلے پرزور، مدلل اور وجد انگیز طریقہ پر آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان کے مشہور عارف و محقق صوفی حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (۶۶۱ - ۷۸۲ھ) نے آواز بلند کی اور اپنے مکتوبات میں اس کی پُرزور تردید کی۱؎ انھوں نے یہاں تک لکھا کہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا مجموعہ یہی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی ہیں۔ اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر تھے۔

حضرت مخدوم بہاری کے بعد پھر حضرت مجدد الف ثانی ہی اس علم عظیم اور اس طریق قدیم کے مجدد اور شارح ہوئے، انھوں نے اپنے مکاتیب میں ثابت کیا کہ انبیاء کرام اعتقادی، روحانی، ذہنی اور خلقی طور پر اللہ تعالیٰ کی صنعت اور صفت جود کا بہترین نمونہ ہوتے ہیں، ان کو ایسا تعلق مع اللہ حاصل ہوتا ہے جس میں کوئی توجہ اور مصروفیت حاجب نہیں ہوتی، اور یہ اس شرح صدر کا نتیجہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص کیا ہے، ان کی عالی ظرفی، قوت تحمل، وسعت صدر اور ان کے پیغام و دعوت کا (جو ان کے سپرد کیا جاتا ہے) تقاضا صحو و افاقہ، ہر وقت کی بیداری، حاضر دماغی اور ہوش ہے جو اہل ولایت و اہل سُکر کو حاصل نہیں، ان کی جہاں سے ابتدا ہوتی ہے وہ اولیاء کی انتہا ہے، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے جس کو قرب بالنوافل کبھی نہیں پہونچ سکتا، کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے اب ناظرین مجدد صاحب کی زبان قلم سے ان حقائق اور علوم عالیہ کو سنیں:

۱؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم باب دہم ص ۲۰۲-۲۰۴، مکتوب [illegible]

انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی ہے

"انبیاء تمام موجودات میں بہترین ہیں اور بہترین دولت ان کے حوالے کی گئی ہے ولایت جزو نبوت ہے نبوت کل ہے۔ لامحالہ نبوت ولایت سے افضل ہوگی خواہ نبی کی ولایت ہو خواہ ولی کی نیز صحو بھی سکر سے افضل ہے اس لئے کہ صحو میں سکر متضمن ہے جیسے کہ ولایت نبوت میں مندرج ہے۔ باقی تنہا ہوش و بیداری جو عوام الناس کو بھی ہے خارج از بحث ہے اس عامیانہ صحو پر ترجیح دینا کوئی معنی نہیں رکھتا وہ صحو جو سکر پر مشتمل ہے وہ ضرور سکر سے افضل ہے علوم شریعت جن کا ماخذ و سرچشمہ مرتبہ نبوت ہے سراسر صحو ہے۔ ان علوم کے مخالف جو کچھ ہوگا وہ سکر ہے اصحاب سکر معذور ہے۔ تقلید کے لائق علوم صحو ہیں نہ کہ علوم سکر"[1]

انشراح صدر کی وجہ سے انبیاء کی توجہ خلق توجہ حق سے مانع نہیں ہوتی

"بعض مشائخ نے سکر و مستی کے وقت فرمایا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے صاحبوں نے فرمایا کہ اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد ہے تاکہ ولی کی نبی پر افضلیت کا وہم دور ہو جائے لیکن فی الحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے اس لئے کہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہے ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے خلق کی طرف پوری توجہ نہیں ہوسکتی اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق توجہ خلق سے مانع ہوتی ہے اور نہ توجہ خلق توجہ حق میں حائل ہوتی ہے نبوت میں تنہا خلق کی

---

[1] مکتوب ۹۵ سید احمد بجواڑہ۔

طرف توجہ نہیں ہوتی کہ ولایت کو (جس کا رخ اور توجہ حق کی طرف ہوتی ہے) ترجیح دی جائے عیاذاً باللہ سبحانہ، تمام تر توجہ خلق عوام کالانعام کا مرتبہ ہے، نبوت کی شان اس سے بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا ارباب سُکر کے لئے دشوار ہے، یہ معرفت صاحبانِ استقامت اہل ہوش کا حصہ ہے۔ ع

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمها[1]

نبی کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ

بعض اہل سُکر علم ولایت کو جو سُکر کی طرف رخ رکھتا ہے، علم نبوت پر جو صحو کا رنگ رکھتا ہے ترجیح دیتے ہیں، اسی عالم سُکر کا یہ مقولہ بھی ہے کہ الولایۃ افضل من النبوۃ (ولایت نبوت سے افضل ہے) اس بنا پر کہ ولایت میں توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور نبوت میں خلق کی طرف اور اس میں شبہ نہیں کہ رو بحق، رو بخلق سے افضل ہے اور بعض اس کی توجیہ میں یہ کہتے ہیں کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

خاکسار کے نزدیک اس طرح کی باتیں دور از کار ہیں، اس لئے کہ نبوت میں خلق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی، بلکہ اس توجہ کے ساتھ حق کی طرف بھی رخ ہوتا ہے، صاحب مقامِ نبوت کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر خلق کے ساتھ، جو تمام تر خلق کی طرف متوجہ ہو وہ بد تر دل اور برگشتہ لوگوں میں سے ہے۔[2]

اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے کے مقولہ کی تردید

کسی کا یہ مقولہ بالکل بے معنی بات ہے کہ اولیاء کی ابتداء انبیاء کی انتہا ہے اور

---

[1] مکتوب [illegible] میاں سید احمد بجواڑی

[2] مکتوب [illegible] سید احمد بجواڑی

اولیاء کی ابتداء و انبیاء کی انتہا سے مراد ان کے نزدیک شریعت ہے، ہاں اس گروہ کو چونکہ حقیقت حال سے آگاہی نہیں اس لئے یہ خلاف ظاہر بات زبان سے نکالی ان حقائق کو اگرچہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ مگر اکثر لوگوں نے اس کے بالکل برعکس اظہار خیال کیا ہے اور یہ بعید از فہم باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن وہ منصف جو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کی بزرگی کا پہلو دیکھتا ہے اور شریعت کی عظمت اس پر مستولی ہے وہ ان دقیق اسرار کو قبول کرسکتا ہے اور اس کو قبول کرنے کو زیادتی ایمان کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔[1]

انبیاء نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے اور صرف قلب سے بحث کی ہے

اے فرزند سنو کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے دعوت کو عالم خلق پر منحصر کیا ہے حدیث شریف میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں (شہادت توحید، نماز، روزہ، زکوۃ، حج) پر ہے اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے زیادہ مناسبت ہے اس لئے قلب کی تصدیق کی بھی دعوت دی، اور قلب کے ماوراء کو نہیں چھیڑا اور اس سے بحث نہیں کی اور اس کو تفاصیل میں شامل نہیں کیا، وعدہ بہشت کے عیش، دوزخ کی تکلیفیں، دولت دیدار اور محرومی کی بے دولتی یہ سب عالم خلق سے وابستہ ہیں، عالم امر کو ان سے تعلق نہیں۔[2]

نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے

اسی طرح فرض، واجب اور سنت کے اعمال کی ادائیگی کا تعلق قالب سے ہے جو عالم خلق سے ہے جو عالم امر کا حصہ ہے وہ اعمال نافلہ میں سے ہے جو قرب ان اعمال کی

---

[1] مکتوب ۳۰ بنام مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق [2] ایضاً

ادائیگی کا ثمرہ ہے، وہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے پس لامحالہ جو قرب ادائے فرائض کا ثمرہ ہے، وہ عالم خلق کا حصہ ہے اور جو قرب ادائے نوافل کا ثمرہ ہے وہ عالم امر کا حصہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ نفل کا فرض کے مقابلہ میں کوئی شمار و حساب نہیں، اس کو وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے بلکہ نفل کو سنت کے مقابلہ میں بھی یہی نسبت ہے اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ و دریا کی نسبت ہے، اس بات سے دونوں قرب کا باہمی تفاوت میں قیاس کیا جا سکتا ہے، اور عالم خلق کی فضیلت و خصوصیت عالم امر پر اس فرق سے بھی جا سکتی ہے۔[1]

کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے

اس فقیر پر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ کمالات ولایت کا کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی شمار نہیں، وہ نسبت بھی تو نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے پس جو فضیلت و خصوصیت نبوت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے جو ولایت کی راہ سے حاصل ہوتی ہے پس افضلیت مطلق انبیاء ہی کو حاصل ہے (علیہم الصلوات والتسلیمات) ملائکہ کرام کو جزئی فضیلت حاصل ہے، اس لئے جمہور علماء ہی کا قول درست ہے۔

اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا (علیہم الصلوات والتسلیمات) بلکہ اس ولی کا سر اس نبی کے قدم کے نیچے ہوگا۔[2]

علماء کے علوم و تحقیقات کی صحت و فوقیت کی وجہ

جس مسئلہ میں علماء اور صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے اگر تم غور سے دیکھو گے تو

---

[1] مکتوب ۲۶۰ بنام مخدوم زادہ میاں شیخ محمد صادق [2] مکتوب ۲۵۱ بنام خواجہ عبداللہ و عبیداللہ۔

حق علماء کی جانب نظر آئے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ انبیاء کی پیروی کی وجہ سے علماء کی نظر کمالاتِ نبوت اور ان کے علوم تک نفوذ کر جاتی ہے اور صوفیہ کی نظر کمالاتِ ولایت اور ان کے علوم و معارف پر مقصور رہتی ہے، پس لامحالہ جو علم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہوگا، وہ زیادہ صحیح اور حق ہوگا بمقابلہ اس کے جو مرتبۂ ولایت سے ماخوذ ہوگا۔[1]

"فقیر نے اپنی کتابوں اور خطوط میں لکھا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کمالاتِ نبوت سمندر کا حکم رکھتے ہیں اور کمالاتِ ولایت ان کے مقابلہ میں ایک حقیر قطرہ ہیں، لیکن کیا کیا جائے ایک جماعت نے کمالاتِ نبوت تک نہ پہونچنے کی وجہ سے کہا ہے "الولایۃ افضل من النبوۃ" (ولایت نبوت سے افضل ہے) ایک دوسرے گروہ نے اس کی تاویل اس طرح کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، ان دونوں گروہوں نے حقیقتِ نبوت کو نہ جاننے کی وجہ سے غائب پر حکم لگایا ہے، اسی حکم کے قریب سُکر کو صحو پر ترجیح دینا بھی ہے، اگر صحو کی حقیقت ان کو معلوم ہوتی تو ہرگز سُکر کو صحو سے کچھ نسبت بھی نہ دیتے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

شاید انھوں نے خواص کے صحو کو عوام کی ہوشیاری و بیداری کے مثل سمجھ کر سکر کو اس پر ترجیح دی ہے تو خواص کے سکر کو عوام کے نشہ و مستی کا مماثل قرار دے کر یہی حکم لگاتے علماء کے نزدیک ثابت ہے کہ صحو سکر سے بہتر ہے اگر صحو و سکر مجازی ہے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر حقیقی ہے تو بھی یہی حکم ثابت ہے۔[2]

انبیاء کی عظمت نبوت کی وجہ سے ہے

اتنا ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نے جو کچھ عظمت و بزرگی

---

[1] ایضاً

[2] مکتوب ۲۳ بنام خانخاناں

پائی ہے وہ نبوت کی راہ سے پائی ہے نہ کہ ولایت کی راہ سے، ولایت کی حیثیت نبوت کے لئے ایک خادم سے زیادہ نہیں، اگر ولایت کو نبوت پر ترجیح ہوتی تو ملاء اعلیٰ کے ملائکہ جن کی ولایت تمام ولایات سے زیادہ کامل ہے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے افضل ہوتے، اس جماعت کے ایک گروہ نے چونکہ ولایت کو نبوت سے افضل مانا اس لئے ملاء اعلیٰ کی ولایت کو انبیاء کی ولایت سے اکمل سمجھا اور لامحالہ ملائکہ ملاء اعلیٰ کو انبیاء علیہم الصلوات التسلیمات سے افضل گردانا، اور جمہور اہل سنت سے علیحدہ ہو گئے، یہ سب حقیقت نبوت سے بے خبری و لاعلمی کا نتیجہ ہے، چونکہ عہد نبوت کے بُعد کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں کمالات نبوت کمالات ولایت کے مقابلہ میں حقیر نظر آتے ہیں اس لئے اس مضمون کو میں نے اس باب میں تفصیل و وضاحت سے لکھا اور حقیقت حال کا ایک شمہ بیان کیا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔[1]

ایمان بالغیب انبیاء ان کے اصحاب اور علماء و عام مومنین کا حصہ ہے

"حمد و صلوٰۃ کے بعد سیادت پناہ اخوی و اعزی میر محب اللہ کو معلوم ہو کہ وجود واجب تعالیٰ اور اس کی تمام صفات پر ایمان بالغیب انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کے اصحاب کا حصہ ہے اور ان اولیاء کا جو تمام و کمال رخ خلق کو خالق جل و علا کی طرف دعوت دینے کے لئے باز گشت فرماتے ہیں اور ان کی نسبت بھی (پیغمبروں کے) اصحاب کی نسبت ہوتی ہے اگرچہ وہ کمتر بلکہ اقل قلیل ہیں، اور یہ ایمان بالغیب علماء اور عام مومنین کا بھی حصہ ہے اور ایمان شہودی عام صوفیاء کا حصہ ہے، ارباب عزلت از خلق خدا سے یکسو

---

[1] مکتوب ج ۲ بنام مرزا فتح خاں۔

ہوں یا ارباب عشرت (اصحاب اختلاط) ہوں، اس لئے کہ ارباب عشرت اگرچہ رجوع و بازگشت کرنے والے ہیں لیکن تمام و کمال ان کا بازگشت نہیں ہوتا، ان کا باطن اسی طرح اوپر کی طرف نگراں رہتا ہے، وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں، اور بباطن حق جل شانہ کے ساتھ، اس لئے ہر وقت ایمان شہودی ان کے حصہ میں ہوتا ہے، اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات چونکہ تمام و کمال بازگشت فرما چکے ہوتے ہیں، اور ظاہر و باطن سے خلق کو حق جل وعلا کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوتے ہیں اس لئے ایمان غیب ان ہی کا حصہ ہوتا ہے۔[1]

انبیاء کی بازگشت کامل نہایۃ النہایۃ تک پہونچ جانے کی علامت ہے

اس فقیر نے اپنے بعض خطوط میں ثابت کیا ہے کہ بازگشت کے باوجود بلندی کی طرف آنکھوں کا لگا رہنا نقص کی علامت ہے اور انجام کار تک نہ پہونچنے کا ثبوت ہے اور تمام و کمال بازگشت نہایۃ النہایۃ (منتہی کی انتہا) تک پہونچ جانے کی علامت ہے۔ صوفیاء نے دونوں توجہات (توجہ بخلق و توجہ بحق) کی جامعیت کو کمال سمجھا ہے اور تشبیہ و تنزیہ کے جامع کو کاملین میں شمار کیا ہے۔ ع

آں ایشانند و من چنینم یا رب[2]

شریعت کی حمایت و نصرت، اصلاح عقائد اور رد شرک و رسوم جاہلیت

تعلق مع اللہ کی تقویت و استواری، غفلت و مادیت سے حفاظت اور امراض نفسانی کے علاج کا وہ طریقہ جس کا نام مرور زمانہ اور بعض اسباب و محرکات کی بنا پر بعد میں تصوف

---

[1] مکتوب ۲۰۲ بنام میر محب اللہ مانکپوری۔ [2] ایضاً

ہو گیا، حقیقت میں قرآنی اصطلاح کے مطابق "تزکیہ" اور حدیث صحیح کی تعبیر کے مطابق "احسان" ہی کا وہ دینی شعبہ تھا جس کو قرآن مجید میں بعثت محمدی کے مقاصد چہارگانہ میں شمار کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ	وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم)
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ	میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا	پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو اخلاق ذمیمہ سے
مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ	پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھلاتے
(الجمعۃ - ۲)	ہیں اور یہ لوگ آپ کی بعثت کے پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

امت کی یہ خدمت اور دین کو اس کے قالب و قلب، جسم و روح اور ضابطہ و رابطہ کے ساتھ قائم رکھنے کا کام خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین اور تابعین برحق کے ذمہ تھا، اور وہ شریعت محمدی کے ساتھ اس قلب نبوی کی بھی حفاظت و تجدید کرتے رہے اور فقہ ظاہر کے ساتھ فقہ باطن کی بھی اشاعت و تبلیغ میں سرگرم رہے، ان کا یہ کام تفصیل کے بجائے اجمال اور فروع سے زیادہ اصول پر مبنی تھا، لیکن تعمیر و خلافت اور فتوحات اسلامی کی توسیع، وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام، دولت اور وسائل عیش و عشرت کی فراوانی، زمانہ نبوت سے بُعد اور بمصداق "فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ" جب شیطان کے مکائد، مادیت کے فتنے اور امراض نفسانی و روحانی نئی نئی شکلوں میں اور نئے نئے فلسفوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے تو تزکیہ و احسان کا فن بھی "تصوف" کی عبارت و اصطلاح کے ساتھ اسی طرح ایک مدون فن بن گیا، جس طرح عجمی قوموں کے اختلاط نے قواعد زبان (صرف و نحو) اور فن معانی و بیان کو (جن کے اصول و مبادی عربی اللسان قوموں کی فطرت میں داخل تھے) نحو و بلاغت کے وسیع و دقیق فن کی شکل میں منتقل کر دیا اور اس کے ماہرین خصوصی پیدا ہونے شروع ہو گئے جنہوں نے مستقل مدارس و جماعات قائم کئے اور ان کے مستقل نصاب

وضع کیے، اور ان کی طرف ان علوم کے طالبین اور ان مقاصد کے شائقین کا رجوع عام شروع ہوا۔

ابتدائی صدیوں میں اس طریقۂ علاج (تزکیہ یا تصوف) کا مدار کتاب و سنت، اسوۂ رسول کی پیروی اور شمائل و اخلاق نبوی کے تتبع پر تھا، لیکن زمانے کے اثرات بھی اور نو مسلم قوموں کے اختلاط کا بھی، زہاد و نساک کی صحبت و عقیدت کے نتیجہ میں تصوف میں بدعات، زہد و عبادت میں غلو، تجرد و رہبانیت کے رجحانات، اشخاص و معتقد فیہ لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم و تقدیس کی رسم اور بہت سے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہونے شروع ہو گئے، یہاں تک کہ یہ غیر اسلامی اور سرتاسر اجنبی و بیرونی اعتقاد بھی بعض روحانی حلقوں اور سلسلوں میں دبے پاؤں چلا آیا کہ اخلاص و انہماک اور پوری پابندی کے ساتھ ایک عرصہ تک عبادت میں مشغول رہنے اور فرائض و سنن کی پابندی کرنے اور عرفان کامل حاصل ہونے کے بعد ایک منزل ایسی آتی ہے جب سالک ان فرائض شرعی اور عبادات راتبہ کا مکلف نہیں رہتا اور وہ ان کی پابندی سے مستثنیٰ ہو جاتا ہے، اسی کا نام "سقوط تکلیف" ہے اور اس اعتقاد کے لوگ قرآن مجید کی مشہور آیت "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ"[1] (اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے) سے استدلال کرتے ہیں، یہ ایک عظیم فتنہ تھا، جو پورے نظام شریعت کو معطل اور سالک کو بے قید اور عبادات کی پابندیوں سے آزاد کر دیتا تھا۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کی ابتدا سے جب عباسی خلافت اپنے اوج شباب پر اور عظیم اسلامی شہر اپنے تمدن و ترقی کے نقطۂ عروج پر تھے، بدعات و تحریفات کا یہ سلسلہ

---

[1] یہاں لفظ یقین سے باتفاق مفسرین و اہل لغت موت مراد ہے۔ (الحجر - ۹۹)

واضح طریقہ پر شروع ہوگیا تھا۔ تصوف کی سب سے قدیم کتاب جو اس وقت تک زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے، شیخ ابو النصر سراج (م ۳۷۸ھ) کی کتاب "اللمع" ہے، اس کا ایک حصہ "کتاب الاسوۃ والاقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" سے موسوم ہے[۱] اس کے بعد حضرت سید علی ہجویری[۲] (م ۴۶۵ھ) کی کتاب "کشف المحجوب" میں غالباً اسی بنا پر "اقامت حقیقت بے حفظ شریعت محال…… حقیقت بے شریعت نفاق" کے آگاہی دینے والے الفاظ آئے ہیں۔ امام ابو القاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ کا "رسالہ قشیریہ" تصوف کا سب سے قدیم ہدایت نامہ اور دستور العمل تھا، ان کے زمانہ ہی میں تصوف میں اتنا تنزل ہوگیا تھا کہ وہ "رسالہ قشیریہ" میں لکھتے ہیں:-

وارتحل عن القلوب حرمة الشريعة	دلوں سے شریعت کی حرمت رخصت ہوگئی
فعدّوا قلة المبالاة بالدين اوثق	انھوں نے دین سے لاپرواہی کو ایک بڑا قابل
ذريعة …… واستخفوا باداء	اعتماد ذریعہ سمجھ لیا، عبادات کے ادا کرنے کو
العبادات واستهانوا بالصوم والصلوة[۳]	کوئی اہمیت نہیں دی اور صوم و صلوٰۃ کو
	معمولی چیز سمجھا۔

ان کی کتاب کے باب اول کا عنوان ہی تعظیم شریعت سے متعلق ہے اور اس میں انھوں نے قدیم صوفیاء اور مشائخ کی تعظیم شریعت اور اتباع سنت کے حالات لکھے ہیں، آخری باب میں جو باب "وصیۃ المریدین" کے عنوان سے ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:-

بناء هذا الامر وملاكه على حفظ آداب	اس معاملہ کی بنیاد اور دارومدار آداب شریعت
الشريعة۔	کی حفاظت پر ہے۔

---

[۱] کتاب اللمع ص [illegible] مطبوعہ لندن ۱۹۱۴ء

[۲] پورا نام ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی ہے، عام طور پر داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں، لاہور میں مزار ہے۔

[۳] رسالہ قشیریہ ص ۲ مطبوعہ مصر۔

پوری کتاب حقائق شرعیہ و علوم صحیحہ کے مطابق ہے اور محققین صوفیاء نے اس کو ایک مستند درسی کتاب کی سی اہمیت دی ہے۔

مشائخ طریقت و ائمہ حقیقت میں شریعت کے سب سے بڑے حامی و ناصر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوئے ہیں، ان کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندی سنت و اتباع شریعت پر تھا، اور ان کی پوری زندگی اسی کا جلوہ اور نمونہ تھی۔ غنیۃ الطالبین لکھ کر انہوں نے طریقت کا پلو شریعت کے دامن سے باندھ دیا ہے، ان کے مواعظ "فتوح الغیب" کا مقالہ دوم اتباع سنت و ترک بدعت ہی سے مخصوص ہے اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

اتبعوا ولا تبتدعوا — پیروی سنت کرتے رہو اور بدعت نہ اختیار کرو

طریقت کو شریعت کا خادم و تابع بنانے کے کام میں ان کو مجدد کا درجہ حاصل ہے، وہ پہلے فرائض پھر سنن پھر نوافل سے مشغول ہونے کی ہدایت فرماتے ہیں اور اول کو چھوڑ کر دوسرے سے مشغول ہونے کو حمق و رعونت بتاتے ہیں۔

تصوف کی مقبول ترین و مستند ترین کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ) کی عوارف المعارف ہے، جس کو محققین صوفیاء نے ہر دور میں حرز جان بنا کر رکھا، اور بہت سی خانقاہوں میں اس کا درس ہوتا تھا، اس کتاب کی جلد ثانی ارکان شریعت کے آداب و اسرار کے بیان میں ہے، شیخ نے کتاب میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تصوف نام ہے قولاً فعلاً ہر حیثیت سے اتباع رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا، اور اسی پر مداومت رکھنے سے اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اٹھ جاتے ہیں اور ہر شی میں اتباع رسول ہونے لگتا ہے۔[1]

نویں صدی ہجری میں شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے تلامذہ کے بڑے اثر سے جو

---

[1] تفصیل اور مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو "تصوف اسلام" از مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم۔

عالم اسلام میں ایک تیز زہر کی طرح پھیل رہا تھا، تصوف ایک فلسفہ بن گیا جس میں یونانی فلسفہ و الٰہیات کی بہت سی اصطلاحیں اور مسائل شامل ہو گئے، وحدۃ الوجود اہل تصوف کا شعار اور سرمایۂ افتخار بن گیا، اور خانقاہوں سے لے کر مدرسوں تک اسی کا دم بھرا جانے لگا، کتاب و سنت سے عدم اشتغال اور فن حدیث سے ناواقفیت اور اس کی صحیح اور اس کی مستند کتابوں سے محرومی کی بنا پر خانقاہیں ایسے عقائد و اعمال کی آماجگاہ بن گئیں، جن کی سند دین کے اصلی ماخذ سے ملنا مشکل اور جن سے قرون اولیٰ کے مسلمان یکسر ناآشنا تھے۔

ادھر ہندوستان میں جو ہزاروں برس سے جوگ اور سنیاس کا مرکز تھا، مسلمان صوفیہ کا واسطہ ان مرتاض جوگیوں سے پڑا، جنھوں نے اپنے خیال اور نفس کی قوت حبس دم اور آسنوں کے ذریعہ بہت بڑھا لی تھی، بعض مسلمان صوفیوں نے ان سے یہ علم حاصل کیا، دوسری طرف گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے، یہ ملک صحاح ستہ اور ان مصنفین کی کتابوں سے ناآشنا تھا جنھوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری شیخ محمد غوث گوالیاری کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جا سکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث سے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے جو موضوع

اسماء اکبریہ خاص شیخ کے جمع کئے ہوئے ہیں، جن میں فرشتوں کے عبرانی و سریانی نام ہیں اور حرف ندا سے ان کو خطاب کیا گیا ہے جس سے استعانت بغیر اللہ کا شبہ ہوتا ہے۔ ایک دعائے لشیخ بھی آئی ہے جس میں عبرانی و سریانی اسماء حرف ندا کے ساتھ ہیں، ساری کتاب کی بنیاد دعوت اسماء پر ہے، ان اسماء کے موکل مانے گئے ہیں، جو اس کی اصل ماہیت سے واقف ہیں، حروف تہجی اور ان کے موکلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اور نادِ علیا مظہر العجائب کی دعا بھی ہے۔

سنت و بدعت، شریعت و فلسفہ اور تصوف (اسلامی) اور جوگ کے اس اختلاط کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا تجدیدی کام شروع ہوا، اس صورت حال کی تصویر کھینچتے ہوئے وہ خود اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

دریں وقت عالم بواسطہ کثرتِ ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بنظر می درآید و نورِ سنت باعزت و ندرت دراں دریائے ظلمانی در رنگ کرمکہائے شب افروز محسوس می گردد۔[1]	اس وقت عالم میں بدعات کا اس کثرت سے ظہور ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ظلمات کا دریا امنڈ رہا ہے، اور سنت کا نور اس موّاج دریا میں اس کے مقابلہ میں اس طرح ٹمٹما رہا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں کہیں کہیں جگنو اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔

حضرت مجدد نے اس نازک دور میں کہ ہندوستان میں مسلمان سلطنت کے ہاتھوں اسلام کی بیخ کنی اور خانقاہوں میں سنت کی ناقدری کی جا رہی تھی، اور صاف صاف کہا جا رہا تھا کہ "طریقت و شریعت دو الگ الگ کوچے ہیں، جن کی راہ و رسم ایک دوسرے سے جدا اور

---

[1] مکتوب ۵۴ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ۔

جن کا قانون ایک دوسرے سے الگ ہے" اور جہاں کسی صاحب علم طالب حق کو کبھی کسی امر کا شرعی ثبوت پوچھنے کی جرأت کر دیتا تھا یہ کہہ کر خاموش کر دیا جاتا تھا۔ ے

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

پوری بلند آہنگی سے آواز لگائی کہ "طریقت تابع و خادم شریعت ہے کمالات شریعت احوال و مشاہدات پر مقدم ہیں، ایک حکم شرعی پر عمل ہزار سالہ ریاضت سے زیادہ نافع ہے اتباع سنت میں خواب نیمروز (قیلولہ) احیائے لیل (شب بیداری) سے افضل ہے حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں، کتاب و سنت اور کتب فقہ کی دلیل چاہیئے، اہل ضلالت کی ریاضتیں موجب قرب نہیں باعث بعد ہیں، صور و اشکال غیبی داخل لہو و لعب ہیں، تکلیف شرعی کبھی ساقط نہیں ہوتی"۔

اب اس کے بعد مکتوبات کے وہ اقتباسات پڑھئے جو انھیں حقائق پر مشتمل ہیں:۔

"شریعت تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کی ضامن ہے کوئی مطلوب ایسا نہیں کہ اس کی تکمیل کے لئے شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی احتیاج واقع ہو طریقت و حقیقت جو صوفیا کا مابہ الامتیاز ہے دونوں شریعت کے خادم اور اخلاص کے حصول میں معاون ہیں، اس طرح طریقت و حقیقت کے حصول کا مقصد محض شریعت کو اس کی اصل روح کے ساتھ عمل میں لانے کا ذریعہ ہے نہ کہ کوئی اور بات جو شریعت کے دائرہ سے خارج ہو، وہ حالات، وجد کی کیفیات اور علوم و معارف جو صوفیاء کو سلوک کے درمیان حاصل ہوتے ہیں مقاصد میں داخل نہیں، وہ کچھ اشکال و خیالات ہیں جن کے ذریعہ اطفال طریقت کے دل بہلائے اور ان کی ہمت بڑھائی جاتی ہے ان سب سے گزر کر مقام رضا پر پہنچنا چاہیئے جو مقامات

سلوک وجذبہ کی انتہا ہے۔[1]

اسی مکتوب میں لکھتے ہیں :-

> کوتاہ اندیش احوال ومواجید کو مقاصد اور مشاہدات وتجلیات کو مطالب میں شمار کرتے ہیں
> اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہم وخیال کے زندان میں گرفتار ہیں اور کمالات شریعت سے محروم۔

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ	مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ بلاتے ہیں
اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَيَهْدِيْٓ	اللہ جس کو چاہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو شخص
اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ؏	(خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دیتا ہے

ایک دوسرے مکتوب میں نوافل پر فرائض کی تقدیم وترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔[2]

> جن اعمال سے تقرب خداوندی حاصل کیا جاتا ہے وہ یا تو فرائض ہیں یا نوافل۔ نوافل کی فرائض کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، اپنے وقت پر کسی فرض کی ادائیگی ایک ہزار سال کے نوافل سے بہتر ہے اگرچہ وہ نیت خالص سے ادا کئے جائیں۔

ایک دوسرے مکتوب میں کہ نفس کی اصلاح اور اس کے امراض کے ازالہ میں بھی احکام شریعت پر عمل ہزاروں ریاضتوں اور مجاہدوں سے کہیں زیادہ مفید ہے فرماتے ہیں :-

> احکام شرعیہ میں سے کسی حکم پر عمل ہوائے نفسانی کے ازالہ میں ایک ہزار سال کی ان ریاضتوں اور مجاہدوں سے زیادہ اثر کرتا ہے جو اپنی طرف سے کئے جائیں بلکہ یہ ریاضات ومجاہدات جو شریعت غرا کے تقاضے سے واقع نہ ہوں نفسانی خواہشات وامراض کو اور زیادہ قوت پہونچانے والے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضت ومجاہدہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لیکن وہ ان کے لئے کچھ مفید نہ ہوئے اور سوائے نفس کو موٹا کرنے اور اس کو

---

[1] مکتوب ۲۳ بنام ملا حاجی محمد لاہوری [2] ایضاً [3] مکتوب ۵۲ بنام شیخ نظام تھانیسری۔

عذاب ہونے کے کچھ اور کام نہ آئے۔

ایک دوسرے مکتوب میں کمالات شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دنیا کے اکثر لوگ خواب و خیال میں مست اور بادام و اخروٹ پر اکتفا کئے ہوئے ہیں، ان کو کمالات شریعت کا کیا خبر، اور طریقت و حقیقت کی اصل حقیقت کا کیا علم، شریعت کو وہ پوست (چھلکا) اور حقیقت کو مغز (گودا) سمجھتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ حقیقت معاملہ کیا ہے، صوفیاء کی سطحی باتوں پر فریب کھائے ہوئے اور ان کے احوال و مقامات پر فریفتہ ہیں۔"[1]

ایک مکتوب میں ایک سنت نبوی پر عمل کرنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"فضیلت تمام تر سنت سنیہ کی پیروی سے وابستہ اور امتیاز اوامر شریعت پر عمل کرنے سے مربوط ہے، مثلاً دوپہر کا سونا جو اتباع سنت کی نیت سے واقع ہو کروڑوں شب بیداریوں سے افضل اور زکوٰۃ کا ایک پیسہ اور کئی سونے کے پہاڑ خرچ کر دینے سے جو اپنی طرف سے ہو افضل ہے۔"[2]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں کہ۔

"صوفیائے خام ذکر و فکر کو اہم المہام سمجھ کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں تساہلی برتتے ہیں، چلّوں اور ریاضتوں کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت ترک کر دیتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ جماعت کے ساتھ ایک فرض نماز کی ادائیگی ان کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے، ہاں ذکر و فکر جو آداب شرعی کی مراعات کے ساتھ ہو وہ بہت بہتر اور ضروری ہے، ناقص علماء بھی نوافل کی ترویج میں کوشاں رہتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر رکھتے ہیں۔"[3]

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس گروہ (صوفیاء) میں ایک جماعت ہے جو نماز کی حقیقت سے آگاہ اور اس کے کمالات

---

[1] مکتوب ۴۹ بنام شیخ محمد چتری۔ [2] مکتوب ۴۴ بنام صوفی قربان [3] مکتوب ۲۶۰ بنام مخدوم زادہ شیخ محمد صادق

خصوصیت سے واقف نہیں ہو سکی وہ اپنے امراض کا علاج دوسری چیزوں سے ڈھونڈتی اور اپنے مقاصد کا حصول دوسرے امور سے وابستہ سمجھتی ہے بلکہ ان میں سے ایک گروہ نماز کو دور از کار سمجھتے ہوئے اور اس کو غیر و غیریت پر مبنی سمجھتے ہوئے روزے کو نماز سے افضل سمجھتے ہیں کہ اس میں صفت صمدیت کا ظہور ہے اور ایک جم غفیر اپنے اضطراب کی تسکین سماع و نغمہ —— وجد و تواجد سے تلاش کرتی ہے اور رقص و رقاصی کو بھی کمال سمجھ لیا ہے کیا انھوں نے نہیں سنا کہ ما جعل اللہ شفاء فی المحرمات (اللہ تعالیٰ نے حرام چیز میں شفا نہیں رکھی) اگر ان بیچاروں کو کمالات کا جو نماز سے حاصل ہوتے ہیں ایک شمہ بھی منکشف ہو جاتا تو وہ سماع و نغمہ کا نام نہ لیتے اور وجد و تواجد کو یاد نہ کرتے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند[۱]

ایک جگہ اس صفائی نفس کا ذکر کرتے ہوئے جو غیر مسلموں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والے مرتاضوں کو حاصل ہوتی ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

> حقیقی تصفیہ و تزکیہ اعمال صالحہ کے کرنے پر موقوف ہے جو مالک کی مرضیات میں شامل ہیں اور یہ بات بعثت پر موقوف ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے پس بغیر بعثت کے حقیقی تصفیہ و تزکیہ میسر نہیں آسکتا، وہ صفائی جو کفار و اہل فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے قلب کی صفائی نہیں، صفائی نفس سوائے ضلالت کے کسی اور چیز کو نہیں بڑھاتی اور سوائے خسارہ کے کوئی اور راستہ نہیں دکھاتی، بعض امور غیبی کا کشف جو کفار و اہل فسق کو صفائی نفس کے وقت بھی حاصل ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے جس کا حاصل بربادی اور خسارہ کے علاوہ اس جماعت کے حق میں کچھ نہیں۔[۲]

سالک و عارف سے تکلیف شرعی کے سقوط اور فرائض و احکام شریعت کی پابندی سے اس کو چھٹی مل جانے کے خطرناک عقیدہ کی جو پوری شریعت کو ختم کر دینے کے لئے ایک آتش گیر مادہ

---

[۱] مکتوب ۲۶۰ بنام میر محمد نعمان

[۲] مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ

یا سرنگوں کا کام انجام دے سکتا تھا، کی تردید کرتے ہوئے ــــ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

بعض صوفیان خام اور ملحدین بے سروپا اس فکر میں ہیں کہ اپنی گردن کو شریعت کی طوق غلامی سے آزاد اور احکام شرعیہ کو عوام کے ساتھ مخصوص بتاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت کے مکلف ہوتے ہیں، جیسا کہ امراء و سلاطین محض عدل و انصاف کے مکلف ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے کا مقصد حصول معرفت ہے، جب معرفت میسر آگئی تو تکلیفات شرعیہ ساقط ہو گئیں، وہ اپنے استدلال میں یہ آیت پڑھتے ہیں:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ[1]   اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے۔

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہوئے کہ حلت و حرمت میں صوفیا کا عمل سند نہیں، تحریر فرماتے ہیں:

صوفیا کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں، کیا اتنا کافی نہیں کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس مسئلے میں تو امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابوبکر شبلی، ابو الحسن نوری کا عمل، اس زمانہ کے صوفیہ خام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرود و رقص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے، اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا انھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا رکھا ہے۔[2]

مجدد صاحب کی یہ حمایت شریعت حمیت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی اور جب وہ کتاب و سنت اور جمہور اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف کوئی صوفیانہ تحقیق یا حال سنتے اور اس کی سند تصوف کی کسی کتاب یا بزرگوں کے احوال و اقوال سے لائی جاتی تو ان کی رگ فاروقی حرکت میں آجاتی اور ان کے قلم سے حمایت شریعت اور غیرت سنت کا طوفان امنڈ پڑتا۔

---

[1] مکتوب ٣٦ بنام میاں شیخ بدیع الدین   [2] مکتوب ٢٦٦ بنام خواجہ عبداللہ و عبیداللہ

کسی خادم نے کسی بزرگ (شیخ عبد الکبیر یمنی) کا کوئی ایسا ہی شاذ اور وحشت انگیز قول نقل کیا تھا، مجدد صاحب اس کی تاب نہ لا سکے اور ان کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے :۔

"مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلامِ محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین ابن عربی[1] و صدر الدین قونوی اور شیخ عبد الرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے[2]۔ فتوحاتِ مدنیہ نے فتوحاتِ مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے[3]۔"

حضرت مجدد کے نزدیک شریعتِ غراء کے مطابق جو عمل کیا جائے وہ داخل ذکر ہے، ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:۔

"تمام اوقات کو ذکر الٰہی جل شانہ میں مشغول رکھنا چاہئے، جو عمل بھی شریعتِ غراء کے موافق ہوگا، وہ داخل ذکر ہے، اگرچہ بیع و شراء ہو، پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کی رعایت ہونی چاہئے تاکہ وہ سب ذکر ہو جائے، اس لئے کہ ذکر نام ہی ہے غفلت دور کرنے کا، اور جب تمام افعال میں اوامر و نواہی شرعیہ کی مراعات کی جائے گی تو کرنے والے کو ان کا حکم دینے والے خدائے واحد سے جو حقیقی آمر و ناہی ہے غفلت سے نجات حاصل ہو جائے گی اور اس کو دوامِ ذکر کی دولت میسر آئے گی[4]۔"

---

[1] شیخ محی الدین ابن عربی مراد ہیں جن کا انتقال دمشق میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

[2] نص سے مراد نص شرعی ہے، فص سے مراد شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم کا کوئی حصہ (فص)

[3] مکتوب [illegible]/۲ بنام ملا حسن کشمیری۔

[4] مکتوب ۲۵/۲ بنام خواجہ محمد شرف الدین حسین

میں رعایت و حمیت شرعی کی بنا پر مجدد صاحب نے سجدۂ تعظیمی پر سخت نکیر کی، جو بعض مشائخ کے یہاں رائج ہونے لگا تھا، اور اپنے بعض اہل تعلق کو ان کے متعلق اس بارے میں تساہل کی اطلاع ملی تھی سخت تنبیہ فرمائی۔[1] نیز مشرکانہ اعمال و رسوم کی تردید و مذمت میں (جن میں اس زمانہ میں تساہل شروع ہو گیا تھا) مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد و طلب حوائج کے مشرکانہ عقیدہ، اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم اور ان کے رسوم و عادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر و ذبح کرنے، پیروں، بیبیوں کی نیت سے روزہ رکھنے کی تردید و مذمت کے سلسلہ میں حضرت مجدد کی کھلی تصریحات اور واضح تنبیہات اس طویل مفصل مکتوب میں ملاحظہ ہوں جو آپ نے ارادت رکھنے والی نیک خاتون کے نام لکھا گیا ہے۔[2]

یہ اصلاح عقائد، رد شرک و بدعت اور دین خالص کی دعوت کا وہ عظیم الشان تجدیدی کام تھا جو عرصہ دراز کے بعد حضرت مجدد نے ہندوستان کی سرزمین پر شروع کیا، (جس کی مسلمان آبادی غیر مسلم اکثریت کے درمیان گھری ہوئی اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بنا پر مشرکانہ جاہلیت کے خطرہ سے ہر وقت دوچار تھی) اور پھر اس کی تکمیل و توسیع انھیں کے سلسلہ کے نامور شیخ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلف[3] اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت نے زبان و قلم، رسائل و تصنیفات، ترجمۂ قرآن و حدیث اور اپنے وسیع تبلیغی دوروں کے ذریعہ کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۲۹ بنام سیادت پناہ میر محمد نعمان و مکتوب ۴۱ بنام شیخ نظام الدین تھانیسری۔

[2] مکتوب ۴۱ بصالحہ از اہل ارادت۔

[3] جن میں ان کے نامور پوتے مولانا محمد اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سنت کی ترویج اور بدعت حسنہ کی تردید

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے۔ بدعت درحقیقت دین الٰہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل ہے اس شریعت کی الگ فقہ ہے اور مستقل فرض و واجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الٰہی کے متوازی اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی جس کا تعین ہونا تھا اس کا تعین ہو گیا اور جس کو فرض و واجب بنانا تھا وہ فرض و واجب بنایا جا چکا۔ دین کی ٹکسال اب بند کر دی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا۔ امام مالک نے خوب فرمایا:-

من ابتدع في الاسلام بدعة يراها	جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور
حسنة فقد زعم ان محمدا صلى الله	اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا دعویٰ
عليه وسلم خان الرسالة لان الله	کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت الٰہی پہنچانے
يقول اليوم اكملت لكم دينكم	میں خیانت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج
فما لم يكن يومئذ دينا فلا يكون	تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے پس جو چیز اس دن
اليوم دينا.	دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزل من اللہ کی خصوصیت اس کی عمومیت اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے اس لئے کہ جو دین کا شارع ہے وہ انسان کا خالق بھی ہے وہ انسان کی ضروریات

اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ (اور بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ اور وہ
الْخَبِيرُ (سورۃ الملک۔ ۱۴) باریک بین اور پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریع الٰہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے، مگر جب انسان خود شارع بن جائے گا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار، پیچیدار اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں اور وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (خدا نے تمہارے لئے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت اس کی عالمگیر یکسانی ہے، وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئے گی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ خاص تاریخی اور مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے ہر ملک بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر کے بدعات اور پھر محلوں اور گھروں کی رنگینیاں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، اور اس طرح شہر شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انہی ابدی و عالمی مصالح کی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت کے

بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید بلیغ فرمائی آپ نے فرمایا۔

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه
فهو رد۔

جو آدمی دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو
اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مردود ہے۔

اياكم والبدع فان كل بدعة
ضلالة وكل ضلالة في النار۔

بدعت سے ہمیشہ بچو! اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی
ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیشینگوئی بھی فرمائی۔

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها
من السنة۔

جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں
تو اسی کے بقدر کوئی سنت مفقود ہو جاتی ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد ائمہ و فقہاء نے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین اور علماء ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی اپنی مقدور بھر کوشش کی۔ ان بدعات میں عوام و خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو خاص طبعی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے اور ان سے ان پیشہ ور دنیادار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں جن کی تصویر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ (سورة توبہ ٣٤)

اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان
لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے کھاتے
ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے
ہیں۔

اس کی بنا پر ان کو سخت مخالفتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن انہوں نے اس کی پروا نہ

نہیں کی اور اس کو اپنے وقت کا جہاد اور شریعت کی حفاظت کا اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفینِ بدعت کو جو بدعت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کا معمول سے جامد، روایت پرست، متعصب، دشمن وغیرہ کے خطابات ملے، لیکن انھوں نے کوئی پروا نہیں کی، ان کے اس لسانی و قلمی جہاد، حقائقِ حق اور ابطالِ باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا تذکرہ بعض تاریخوں ہی میں رہ گیا ہے، اور جو باقی ہیں ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صف آرا ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ	ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ	کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے نکلے پھر بعض تو ان
مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا	وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض ان میں مشتاق
(سورۂ احزاب ۲۳)	ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

اس سلسلہ میں سب سے بڑا مغالطہ بدعتِ حسنہ کا مغالطہ تھا، لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں، بدعتِ سیئہ اور بدعتِ حسنہ، وہ کہتے تھے کہ ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بہت سی بدعات، بدعاتِ حسنہ ہیں، جو حدیث کے اطلاق "کل بدعة ضلالة" سے مستثنیٰ ہیں۔[1]

حضرت مجدد صاحب نے اس تقسیم اور بدعتِ حسنہ کے خلاف جس زور سے علمِ جہاد بلند کیا، وہ

---

[1] ان لوگوں کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے جو انھوں نے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا تھا "نعمت البدعة هذه" (یہ بڑی اچھی بدعت ہے) حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں لغوی حیثیت سے اس کو بدعت کہا گیا ہے ورنہ تراویح کا پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت اور متواتر ہے، بدعت کی تعریف کے لئے امام شاطبی کی کتاب "الاعتصام" اور مولانا اسماعیل شہید کی کتاب "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح" جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے، مطالعہ کرنی چاہئے۔

جس اعتماد و قوت اور علمی استدلال کے ساتھ اس کا انکار کیا اس کی نظیر دور تک اور دیر تک نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں مکتوبات کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبد اللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں، اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہو گئی ہیں، عہد نبوت کے بُعد کی وجہ سے سنت مستور اور چونکہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے بدعت رائج و مقبول ہو رہی ہے کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی نصرت و حمایت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے، بدعت کی ترویج، دین کی تخریب کے مرادف ہے اور مبتدع کی تعظیم قصر اسلام کو منہدم کرنے کے ہم معنی۔ حدیث میں آتا ہے:۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام۔	جو کسی بدعت والے کی توقیر کرے گا اس نے اسلام کے منہدم کرنے کے کام میں ہاتھ بٹایا۔

پورے عزم و ہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا لیکن ضعف اسلام کے اس زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام، سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب کے ساتھ وابستہ ہو گیا ہے اور بھی ضروری ہے:۔

اس کے بعد اسی مکتوب میں بدعت میں ـــــ کسی قسم کے حُسن و خوبی ہونے اور بدعت حسنہ کی تعبیر و اصطلاح کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

گزشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو

انھوں نے مستحسن قرار دیا لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

وکل بدعة ضلالة۔	ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں جو عربی میں میر محب اللہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ و مقبول مذہب میں اتمام نعمت کے بعد ایجاد کیا گیا ہو کیا ان کو یہ موٹی بات معلوم نہیں کہ تمام و اکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو اس میں حسن نہیں ہو سکتا فماذا بعد الحق الا الضلال (حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نو پیدا شدہ چیز کے حسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تمام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرأت نہ کرتے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی استثنا پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب (دین میں) ہر نو ایجاد چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت تو کسی بدعت میں حسن پائے جانے کا کیا مطلب؟ اور جب احادیث سے صاف طریقہ پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہوتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہے حدیث میں آتا ہے:-

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها	جب کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے تو اسی کے
من السنة فتمسك بسنة خير من	بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے پس سنت سے
احداث بدعة ۔	وابستگی بدعت کو ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

۱؎ مکتوب [illegible] بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ۔ ۲؎ مکتوب [illegible] بنام میر محب اللہ۔

حضرت حسان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ما ابتدع قوم بدعة فی دینهم الا نزع	جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت پیدا
الله من سنتهم مثلها ثم لا یعیدها	کرے گی تو ضرور خدا تعالیٰ ان کی سنتوں میں سے بھی
الیهم الی یوم القیامة۔	وہ ایسی ہی کوئی سنت ضرور سلب کرے گا
	پھر قیامت تک وہ ان کو واپس نہ دے گا۔

جاننا چاہئے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسنہ سمجھا ہے جب ان پر اچھی طرح سے غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں؟[1]

اسی مکتوب میں بدعت حسنہ کے وجود کا بالکل انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اس نیک عمل کو بدعت حسنہ کہتے ہیں جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے کوئی سنت نہ اٹھتی ہو اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو۔ اس فقیر کو ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن و نورانیت نظر نہیں آتی اور اس میں سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ فرض بھی کر لیا جائے کہ آج کسی عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے تازگی اور صفائی نظر آتی ہے تو کل جب نظر تیز اور دور بین ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

---

[1] مکتوب ۱۸۶ بنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس	جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا
منه فھو رد۔[1]	جو اس کے اصل میں نہیں ہے تو وہ رد ہے (نامقبول)

ان بدعات حسنہ میں جو اس زمانہ میں رواج پذیر ہو رہی تھیں ایک محفل میلاد بھی تھی اس کے مقصد و معانی اور انتساب کی وجہ سے اس کو بدعت کہنا اور اس کی مخالفت بڑا نازک اور دشوار کام تھا اور اس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہوتی تھی اور اس کو بے ادبی اور محبت کی کمی پر محمول کرنے کا خطرہ تھا لیکن حضرت مجدد نے جن کو اس بارے میں کامل شرح صدر حاصل تھا کہ جس چیز کا ثبوت خیر القرون میں نہیں ہے اس میں دین کی ترقی اور امت کی فلاح نہیں ہے اور اس میں مرور زمانہ کے ساتھ مختلف مفاسد کا اندیشہ ہے آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفل میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے، جواب میں ارشاد ہوا۔

"مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کر دیا جائے گا بوالہوس اس سے باز نہیں رہیں گے اگر تھوڑا بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ قلیلہ یفضی الی کثیرہ"[2]

اس طرح حضرت مجدد کے اس بصیرانہ و جرأتمندانہ اقدام (بدعات کی عمومی مخالفت اور بدعت حسنہ کے وجود سے اختلاف) سے ایک بڑے خطرہ کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سدباب ہو گیا، جو غیر محقق علماء کی تائید، خانقاہوں کی سرپرستی اور خوش اعتقاد امراء و رؤساء کی دلچسپی اور حمایت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا، فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

---

[1] مکتوب ۱۸۶ ج ۱ بنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی۔ [2] مکتوب ۷۲ ج ۱ بنام خواجہ حسام الدین۔

باب ششم

وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود؟

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی تفصیل و تدوین

متقدمین صوفیاء کی زبان سے جو مغلوب الاحوال ہوتے تھے "اتحاد و فنا" اقوال جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتے ہیں، صادر ہوئے ہیں، ان میں مشہور شیخ و عارف حضرت بایزید بسطامی کا (جو اکثر سلاسل طریقت کے مشائخ کبار میں ہیں) قول "سبحانی ما اعظم شانی" اور "لیس فی جبتی الا اللہ" اور حسین بن منصور حلاج کا نعرہ "انا الحق" خاص طور پر مشہور ہے۔

لیکن شیخ محی الدین ابن عربی (م ۶۳۸ھ) جو شیخ اکبر کے نام سے شہرۂ آفاق ہیں، اس ذوق اور مسلک کے مجدد و خاتم اور علمی طور پر بانی و مؤسس ہیں اور انھیں کے زمانے سے اس کی شہرت و مقبولیت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ وہ اہل تصوف میں بوئے مشک کی طرح سرایت کر گئی، جس سے قوی مزاج بھی کلی طور پر محفوظ نہیں رہتا، یہاں تک کہ وہ اہل ذوق و تحقیق کا شعار اور ان کا "کلمۂ جامعہ" بن گیا، اور اس کا انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا یا بزم تصوف میں نامحرم و طفیلی ہونے کا اعلان کرنا تھا، بقول حضرت مجدد:

"انھوں نے اس علم کے اس طرح ابواب و فصول مقرر کئے جس طرح علم نحو و صرف

میں دستور ہے۔[1] شیخ اکبر کے نزدیک وحدۃ الوجود کی حقیقت کیا ہے، وہ اس کو کس طرح پیش کرتے ہیں، اس پر کیا دلائل قائم کرتے ہیں، اور اس کو کس طرح ایک بدیہی حقیقت، ایک عملی تجربہ اور کشف و مشاہدہ کا معاملہ بنا دیتے ہیں، پھر اس نے کس طرح ایک مستقل فلسفہ اور مدرسہ کی حیثیت اختیار کر لی اور اس پر اتنا بڑا کتب خانہ تیار ہو گیا جس کا اجمالی جائزہ لینے کے لئے بھی ایک ضخیم دفتر درکار ہے، پیش نظر کتاب میں اس کا ضمنی و اجمالی تذکرہ بھی مشکل ہے، یہ مسئلہ چونکہ فلسفہ اور تصوف دونوں کا دقیق ترین مسئلہ ہے جس کے لئے فلسفہ اور تصوف کی دقیق اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے اور اس کا باطنی تجربات اور عملی سیر و سلوک سے بھی گہرا تعلق ہے، اس لئے اس مختصر باب میں اس کا احاطہ مشکل ہے، قارئین میں سے جن حضرات کو اس کو علمی طور پر سمجھنے کا ذوق ہو وہ شیخ اکبر کی مشہور تصانیف "فتوحات مکیہ" اور "فصوص الحکم" کی طرف رجوع کریں۔[2] حضرت مجدد صاحب نے وحدۃ الشہود کے اثبات میں طویل مکتوبات تحریر فرمائے ہیں، ان میں شیخ اکبر کے مسلک کو جس طرح پیش کیا ہے اور اس کی جو تلخیص و ترجمانی فرمائی ہے، ان سے بھی اس مسلک اور اس کے مقصود و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، ان کے ضروری اقتباسات اس مضمون میں اپنی جگہ پر آئیں گے۔

ہم یہاں پر ملا محمد عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) کے رسالہ وحدۃ الوجود کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، مصنف علوم حکمت و اصول کے بحر زخار ہونے کے ساتھ شیخ اکبر کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے شارح و ترجمان ہیں، اور ان کی تصنیفات بالخصوص فتوحات مکیہ

---

[1] مکتوب ۲۲۶ بنام قاضی اسمٰعیل فرید آبادی۔ [2] اس سلسلہ میں سید شاہ عبد القادر مہربان فخری میلاپوری [illegible] کی کتاب "اصل الاصول فی بیان مطابقۃ الکشف بالمعقول والمنقول" (مطبوعہ مدراس یونیورسٹی ۱۹۵۹ء) کا مطالعہ بھی مفید ہوگا، جو اس موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے۔

اور نصوص الحکم کے خواص و شروح اور ان اقتباسات سے کسی قدر شیخ اکبر کے منشا و مراد کے سمجھنے میں مدد ملے گی، اگرچہ ان میں بھی ایسے متعدد اصطلاحات و تعبیرات آئی ہیں جن سے اہل فن اور وہی حضرات واقف ہیں جو اس سلسلہ کے عارفین کی زبان و طرز بیان سے مانوس ہیں، اس سے مختصر و واضح ترجمانی ہم کو نہیں مل سکی اس لئے اس سے مدد لی گئی ہے۔

" اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے، تمام شیونات و تعینات اسی کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر اور ساری ہے اس کی سریت وہ نہیں جس کے حلولی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کو ہے گنتی کے تمام اعداد بجز ایک کے شیون کے اور کچھ نہیں، عالم میں ایک ہی عین حق ایک ہی ذات کا ظہور ہے کثرت میں وہی ظاہر ہے، اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں ہے، اللہ کی پاک ذات کے وجود سے اس کا ظہور ہوا ہے اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے، اللہ ہی اول ہے اللہ آخر ہے اللہ ہی ظاہر ہے اللہ ہی باطن ہے اللہ اس کے شریک بنانے سے پاک ہے۔

" اللہ تعالیٰ کے اسماء بغیر کسی مظہر کے ظاہر نہیں ہو سکتے، وہ سب نیک نام چاہتے تھے کہ ظاہر ہوں جیسے تشبیہیں، اب جب کہ اسماء مظاہر پر موقوف ہوئے اور بغیر مظاہر کے ان کا کمال متصور ہی نہیں ہو سکتا، تو اللہ تعالیٰ نے اعیان عالم کو موجود کیا، تاکہ وہ اعیان اس کے مظاہر ہوں اور اس کے اسماء کا کمال پوری طرح ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال میں مطلقاً غنی ہے، لیکن اسمائی کمال کے مرتبہ میں عالم کے وجود خارجی سے غنی نہیں ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں:-

پرتو معشوق گر افتد بر عاشق چہ شد　　　ما بدو محتاج بودیم او بما مشتاق بود

یعنی اگر معشوق کا سایہ اور پرتو عاشق پر پڑ گیا تو کیا بات ہوئی ہم اس کے عاشق تھے اور وہ ہمارا مشتاق تھا یہ بیان اس حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچان لیا جاؤں لہذا خلق کو میں نے پیدا کیا تاکہ میرا ظہور ہو اور مخلوقات مظہر ہو میرا اور میرے اسماء کا۔"

"جو دو وجود کا قائل ہوگا ایک اللہ کا وجود ہے اور ایک ممکن کا تو وہ شرک کر رہا ہے اور اس کا یہ شرک، شرک خفی ہے اور جو شخص صرف ایک وجود کا قائل ہوا اور اس نے جانا کہ وجود صرف اللہ ہی کا ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے مظاہر ہیں اور مظاہر کی کثرت اس کی وحدت کے منافی نہیں تو یہ شخص موحد ہے۔"

"مظاہر حق کے عین حق نہیں ہیں کیونکہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور تم مقید اور متعین ہو اور متعین کسی طرح بھی عین مطلق نہیں ہو سکتا ہاں تم اپنی حقیقت سے عین حق ہو حق تعالیٰ تم میں متعین ہوا ہے تم اللہ کو عین موجودات میں تعین کی قید سے آزاد اور تعین کی قید سے مقید پاتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو متعین میں ظاہر دیکھتے ہو "لا موجود و لا الٰہ الا اللہ" اللہ کے سوا نہ کوئی موجود ہے اور نہ کوئی معبود ہے۔"[1]

اس مسئلہ کا اثر شیخ اکبر کے زمانہ کے بعد اتنا ہمہ گیر یا عالمگیر تھا کہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیاء و فلاسفہ اور شعراء میں تو سو فیصد اس مسئلہ کے قائل یا اس سے مرعوب ہو کر اس کے ہمنوا بن گئے ہیں، شیخ سے اختلاف کرنے والے زیادہ تر محدثین، فقہاء اور وہ علماء ہیں جن کو علمائے ظاہر کہا جاتا ہے ان میں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ابو حیان مفسر

---

[1] رسالہ وحدۃ الوجود، تالیف بحر العلوم علامہ عبد العلی انصاری لکھنوی، مترجم مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی مجددی شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ص ۴۹-۵۹

شیخ الاسلام عز الدین ابن عبد السلام، حافظ ابو زرعہ، شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی، ملا علی قاری، علامہ سعد الدین تفتازانی جیسے نامور علماء اور ائمہ فن تھے۔

یہ حضرات اگرچہ اپنے علم و فضل، کتاب و سنت پر وسیع اور گہری نظر اور علوم دینیہ میں تبحر کے لحاظ سے بہت فائق تھے، لیکن ایک دو کو مستثنیٰ کر کے اہل تصوف و حقائق کو ان میں سے کسی کا حقائق و علوم باطنی کا رمز آشنا ہونا تسلیم نہیں، اس لئے ان کی مخالفت کو "الناس اعداء ما جهلوا" (لوگ جس کو جانتے نہیں اس کے دشمن ہو جاتے ہیں) کے عام اصول پر محمول کیا گیا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور عقیدۂ وحدۃ الوجود کی مخالفت و تنقید

مسئلہ وحدۃ الوجود کی مخالفت کے سب سے بڑے علمبردار اور اس پر کتاب و سنت کی بنیاد پر اور ان اثرات و نتائج کی روشنی میں جو قریبی عرصہ میں اس مسئلہ و تحقیق کے انتساب کرنے کی وجہ سے تصوف کے حلقہ میں یا عالم اسلام میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے، تنقید و تبصرہ اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے میں شیخ الاسلام تقی الدین حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ـــ۷۲۸ھ) کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، وہ شیخ اکبر کی وفات (۶۳۸ھ) سے تیئیس سال بعد پیدا ہوئے، شیخ اکبر کی وفات جس شہر (دمشق) میں ہوئی اور جس کو ان کی آخری آرامگاہ اور مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا، وہیں امام ابن تیمیہؒ نے ہوش سنبھالا، تعلیم و تربیت حاصل کی اور یگانۂ علمی و ذہنی کمالات کو پہنچے، ان کا شعور جب بالغ ہوا اور وہ جب ماحول پر ناقدانہ نظر ڈالنے کے قابل ہوئے تو شیخ اکبر کی وفات کو ۳۰-۴۰ سال سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، مصر و شام کی فضا ان کی علمی نادر تحقیقات کے شور سے گونج رہی تھی اور علم و معرفت کے خم خانے

ان کے ذوق توحید سے مخمور تھے، مصر میں شیخ ابو الفتح نصر المنبجی، شیخ اکبر کے غالی معتقدین میں تھے اور سلطنت کا مدار المہام اور سیاہ و سفید کا مالک رکن الدین بیبرس، باشنگیر، شیخ نصر المنبجی کا معتقد و مرید تھا، شام میں اور اسی طرح بیشتر عرب ممالک میں شیخ کی کتابیں خصوصاً فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم، عام طور پر متداول تھیں، اور لوگ ان کو پڑھ پڑھ کر سر دھنتے تھے، خود امام ابن تیمیہؒ نے اعتراف کیا ہے کہ "فتوحات مکیہ"، "کنہ الحکم المربوط"، "الدرۃ الفاخرۃ"، "مطالع النجوم" وغیرہ میں بڑے اچھے علمی فوائد و نکات ملتے ہیں، شیخ اکبر کے مسلک کے حاملین میں ابن سبعین، صدر الدین قونوی، (جو شیخ اکبر کے براہ راست شاگرد تھے) بلیانی اور تلمسانی خاص طور پر شہرۂ آفاق تھے، امام ابن تیمیہؒ نے اس پوری جماعت میں شیخ اکبر کو ان سب پر ترجیح دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انصاف و تحقیق کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے اور "اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" پر عمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:۔

> "ابن عربی ان لوگوں میں اسلام سے قریب تر ہیں اور ان کا کلام بہت سے مقامات پر نسبتاً بہتر ہے اس لئے کہ وہ مظاہر...... اور ظاہر میں فرق کرتے ہیں، امر و نہی اور شرائع و احکام کو اپنی جگہ رکھتے ہیں، مشائخ نے جن اخلاق و عبادات کی تاکید کی ہے ان کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لئے بہت سے عابد و صوفی ان کے کلام سے سلوک کو اخذ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان حقائق کو اچھی طرح نہیں سمجھتے، ان میں سے جو ان حقائق کو سمجھتے ہیں اور ان کی موافقت کرتے ہیں ان پر ان کے کلام کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔"[1]

دوسری جگہ ایک بلند مرتبہ مسلمان سے حسن ظن اور اس پر حکم لگانے کی نازک ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب شیخ الاسلام بنام شیخ نصر المنبجی مندرجہ جلاء العینین ص ۵۸

اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ ان کا خاتمہ کس چیز پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمان مردوں اور عورتوں زندہ و مردہ کی مغفرت فرمائے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (اے ہمارے پروردگار ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ چلے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کی طرف سے کھوٹ نہ رکھ اے ہمارے پروردگار تو بہت شفقت والا مہربان ہے)[1]۔

عقیدۂ وحدۃ الوجود کے غالی مبلغ و داعی اور ان کے اثرات و نتائج

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تحقیق کے خاص مزاج و مذاق، اس کی عمومی تبلیغ و اشاعت اور اس کی تعلیم و تلقین میں زیادہ جوش سے کام لینے اور احتیاط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے خود شام میں، جو علوم دینیہ کا بڑا مرکز اور مصر کی مسلم ترکی النسل حکومت کا ایک اہم صوبہ تھا، ایک طرح کا ذہنی و اخلاقی انتشار پیدا ہونے لگا تھا، لوگ شریعت، عقل اور اخلاق کے حدود پھلانگنے لگے تھے اور ایک بحرانی کیفیت اسلامی معاشرہ میں رونما تھی۔ ایک حکیم کے قول کے مطابق "درخت اپنی جڑ سے نہیں اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ عقیدۂ وحدۃ الوجود کا درخت جس طرح کے برگ و بار لانے لگا تھا، وہ ایک حامی شریعت اور غیور عالم و داعی کے لیے باعث تشویش اور موجب فکر تھے۔

امام ابن تیمیہؒ ناقل ہیں (اور وہ نقول میں عام طور پر ثقہ ہیں) کہ تلمسانی (جو اس معرفت کے علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے) مسلک وحدۃ الوجود کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل بھی تھے، شراب پیتے تھے اور محرمات کا ارتکاب کرتے تھے (کہ جب موجود

---

[1] ایضاً

ایک ہے تو حلال و حرام کی تفریق کیسی؟) امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

"مجھ سے ایک معتبر آدمی نے بیان کیا کہ وہ تلمسانی سے فصوص الحکم کا درس لیتے تھے اور اس کو اولیاء اللہ اور عارفین کا کلام سمجھتے تھے، جب انھوں نے فصوص کو پڑھا اور دیکھا کہ اس کے مضامین تو قرآن شریعت کے صریح مخالف ہیں تو انھوں نے تلمسانی سے کہا کہ یہ کلام تو قرآن کے خلاف ہے تو اس نے جواب دیا کہ قرآن تو سارا شرک سے بھرا ہوا ہے اس لئے کہ وہ رب و عبد کے درمیان فرق کرتا ہے، توحید تو ہمارے کلام میں ہے، اس کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کشف کے ذریعہ وہ ثابت ہوا ہے جو صریح عقل کے خلاف ہے۔"[1]

وہ مزید لکھتے ہیں:۔

"ایک شخص نے جو تلمسانی اور اس کے ہم خیال کے ساتھ تھا، مجھے خود سنایا کہ ہمارا گذر ایک مردہ کتے کے پاس سے ہوا جس کو خارش تھی، تلمسانی کے رفیق نے کہا کہ یہ بھی ذاتِ خداوندی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیا کوئی چیز اس کی ذات سے خارج ہے؟ ہاں سب کے سب اسی کی ذات کے اندر ہیں۔"[2]

وہ اپنی دوسری کتاب "الرد الاقوم علی فصوص الحکم" میں لکھتے ہیں:۔

"بعض لوگوں سے کہا گیا کہ جب وجود ایک ہے تو بیوی کیوں حلال اور ماں حرام ہے؟ اس محقق نے جواب دیا کہ ہمارے نزدیک سب ایک ہیں، لیکن ان محجوبین نے (جو توحید حقیقی سے ناآشنا ہیں) کہا کہ ماں حرام ہے، ہم نے بھی کہا کہ ہاں تم (محجوبین) پر حرام ہے۔"[3]

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان جیسا کافرانہ اقوال اور اباحیت و فوضویت (اخلاقی انارکی)

---

[1] الفرقان بین الحق والباطل صـ۱۳۵ [2] ایضاً [3] ایضاً صـ۲۲

کی ذمہ داری شیخ اکبر جیسے عارف و محقق پر یا ان کی کتابوں پر عاید ہوتی ہے جو نہایت درجہ متبع سنت[1]، عابد و زاہد، مرتاض و مجاہد اور نفس سے شدید محاسبہ کرنے والے مکاید شیطان اور غوائل نفس سے بدرجۂ تمام واقف تھے[2]، لیکن ان کے یہاں اس طرح کے غریب اور وحشی اقوال ملتے ہیں جن سے رائی کا پربت بنا لینے والوں کو سہارا ہاتھ آتا ہے، مثلاً یہ کہ عہد موسیٰ کے گوسالہ پرستوں نے درحقیقت خدا ہی کی پرستش کی تھی، موسیٰؑ نے ہارونؑ کو جو ٹوکا تھا تو اس بات پر کہ ں نے گوسالہ پرستی کی (جو دراصل خدا پرستی تھی اس لئے کہ وجود تو ایک ہی ہے) مخالفت کیوں کی؟ ان کے نزدیک موسیٰؑ ان عارفین میں سے تھے جو ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کو ہر چیز کا عین سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک فرعون اپنے اس دعویٰ میں برسرحق تھا کہ أنا ربكم الأعلىٰ بلکہ وہ عین تھا، فرعون کو چونکہ تکوینی طور پر منصب حکومت حاصل تھا اور وہ صاحب تیغ تھا تو اس نے بجا طور پر أنا ربكم الأعلىٰ کہا، اس لئے کہ جب سب کسی نہ کسی نسبت میں رب ہیں تو میں ان میں سب سے اعلیٰ ہوں، کیونکہ مجھے ظاہر میں تم پر حکومت کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جادوگروں کو جب فرعون کی صداقت کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کا اعتراف کیا اور کہا کہ فاقض ما أنت قاض إنما تقضي هذه الحياة الدنيا (جو تمہیں فیصلہ کرنا ہو کر دو تم اس دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتے ہو) اس لئے فرعون کا یہ کہنا بالکل بجا تھا کہ أنا ربكم الأعلىٰ، وہ حضرت نوحؑ پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی کافر قوم کی تصویب و تعظیم جنھوں نے پتھروں کی پرستش کی، وہ کہتے ہیں کہ ان بت پرستوں نے درحقیقت اللہ ہی کی

---

[1] شیخ اکبر امام داؤد ظاہری کے مذہب ظاہر کے پیرو تھے جو قیاس کے قائل نہیں اور ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ [2] تفصیل کے طور پر ملاحظہ ہو ان کا رسالہ "روح القدس"۔

عبادت کی تھی، اور طوفانِ نوح دراصل معرفتِ الٰہی کی طغیانی اور اس کے سمندر کا جوش تھا جس میں وہ غرق ہوئے۔[1]

اسی بنا پر بہت سے ایسے مشائخ و عارفین جو شیخ اکبر کے علو مرتبہ کے قائل تھے، اور ان کو مقبولین میں سمجھتے تھے، وہ اپنے اہل تعلق کو ان کی کتابوں کے عام مطالعہ سے سختی سے منع کرتے تھے، شیخ محی الدین عبد القادر عیدروسی مصنف "النور السافر" اپنے شیخ علامہ بحرق سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے مرشد شیخ وقت شیخ ابوبکر عیدروس نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ میرے والد (شیخ عبد اللہ ابن ابی بکر عیدروس) نے مجھے کبھی مارا یا جھڑکا ہو، یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے میرے ہاتھ میں شیخ اکبر کی "فتوحات مکیہ" کا ایک جز دیکھا، ان کو سخت غصہ آیا، میں نے اس دن سے ان کتابوں کو ہاتھ نہیں لگایا، وہ کہتے تھے کہ میرے والد شیخ کی دونوں کتابوں "فتوحات" اور "فصوص" کے مطالعہ سے شدت سے منع کرتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ شیخ سے حسن ظن رکھنے کی تاکید بھی کرتے تھے اور اس کا عقیدہ رکھنے کی ہدایت کرتے تھے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ اور کبار عارفین میں تھے۔[2]

عقیدۂ وحدۃ الوجود ہندوستان میں

آٹھویں صدی میں جب یہ عقیدہ ہندوستان آیا تو اس وجہ سے کہ ہندوستان خود

---

[1] شیخ اکبر کے یہ سب اقوال اور تاویلات علیٰ ما فی کتاب الفصوص، [illegible] الحق و الباطل سے ماخوذ ہیں، اور ہم نے ان کو فصوص الحکم سے اقتباس کر کے لکھا ہے، یہاں اس بات کا بھی اظہار ضروری ہے کہ شیخ اکبر کے علوم سے شغف رکھنے والوں کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ شیخ کی کتابوں، فصوص و فتوحات میں بہ کثرت الحاقات و اضافات کئے گئے ہیں۔

[2] النور السافر صفحہ ۳۳۶

اس مسلک و ذوق کا قدیم ترین اور پرجوش ترین قائل و داعی رہ چکا تھا اور بعض مورخین تصوف کے قول کے مطابق متصوفین اسلام نے جو ایران، عراق اور مغرب میں پیدا ہوئے توحید وجودی کا سبق ہندوستان ہی سے لیا تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد بھی بلا کسی انقطاع کے یہ ملک اس مسلک و عقیدہ کا علمبردار، ہمہ اوست کا قائل ہے اور آرین نسلوں کے مزاج اور یہاں کے مذاہب و فلسفوں کی (جو سامی اقوام اور انبیاء کے مرز بوم میں پیدا ہونے والے مذاہب کے برخلاف تعینات و قیود سے گریزاں اور وحدت وجود اور وحدت ادیان کے ہزاروں برس سے قائل ہیں) اطلاق پسندی کی وجہ سے اس مشرب نے اور گہرا اور شوخ رنگ اختیار کر لیا اور یہاں آ کر اس فلسفہ کے مزاج نے مقامی مزاج سے ہم آہنگ و ہم آغوش ہو کر ایک نیا جوش اور ایک نیا مکتب خیال پیدا کر لیا، یہاں کے مشائخ میں ایک بڑی تعداد اس مشرب کی حامی حامل اور مبلغ و داعی نظر آتی ہے، ان میں خاص طور پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نامی و گرامی شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ)، شیخ عبدالرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ)، شیخ عبدالعزیز دہلوی معروف بہ شکربار (م ۹۷۵ھ)، شیخ محمد ابن فضل اللہ برہان پوری (م ۱۰۲۹ھ) اور شیخ محب اللہ الہ آبادی (م ۱۰۵۸ھ) میں سے ہر ایک اپنے عہد و عصر کا ابن عربی اور اپنے شہر و مصر کا ابن فارض تھا، ان میں سے اکثر حضرات حضرت مجدد سے کچھ پیشتر یا ان کے زمانہ سے قریب یا متصلاً مسند آرائے تحقیق و ارشاد ہوئے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی اور وحدۃ الوجود کی مخالفت۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا مسلک وحدۃ الوجود کی تردید اور شیخ اکبر پر تنقید کرنے والے زیادہ تر علوم ظاہر کے دریا کے غواص اور حقیقت و معرفت کے کوچہ ریاضت و مجاہدہ کی دنیا اور

معارف وحقائق اور عملی تجربات اور ذوق سے نا آشنا تھے اس لئے اس مشرب کے ذوق آشنا ان کی تنقیدات کو یہ کہہ کر ناقابل اعتناء قرار دے دیتے تھے کہ۔ ؏

لذت مے نشناسی بخدا تا نچشی

اور۔ ؏،

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

پہلے محقق اور مسلم صوفی اور عارف جنھوں نے خصوصیت واہتمام کے ساتھ اس مشرب کی تنقید اور تردید کی وہ شیخ رکن الدین ابوالمکارم علاء الدولہ سمنانی ہیں[1]۔

علاء الدولہ السمنانی (۶۵۹-۷۳۶ھ) خراسان میں سمنان کے ایک دولت مند اور مشہور گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کے افراد حکومت ووزارت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے انھوں نے شیخ نورالدین عبدالرحمن الکسرقی الاسفرائنی سے کبروی سلسلہ میں باطنی استفادہ کیا اور اجازت پائی، شیخ اکبر کے وحدۃ الوجود کے نظریہ کے خلاف انھوں نے مسلسل مناظرات جاری رکھے اور اپنے خطوط میں بھی جابجا ذکر کیا، ان کے نزدیک سالک طریقت کی انتہائی منزل "توحید" نہیں بلکہ "عبودیت" ہے، ان کے ملفوظات ان کے مرید اقبال ابن سابق سیستانی نے مرتب کیے جس کے کئی نسخے "چہل مجلس" یا الملفوظات شیخ علاء الدولہ السمنانی وغیرہ کے ناموں سے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، جامی کے نفحات الانس ص ۴۸۱ ـ ص ۵۰۱ کا بیشتر حصہ بھی انہی ملفوظات پر مبنی ہے[2]۔

وحدۃ الشہود

ہمارے علم ومطالعہ میں دو نامور شخصیتیں ایسی گذری ہیں جن کے یہاں وحدۃ الوجود

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۸۹ دفتر سوم [2] مقالہ ۴۷۶، ۴۷۷ منتخبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔

کے متوازی وحدۃ الشہود کا ذکر اور اس کی طرف اشارات ملتے ہیں، ان دونوں میں اختلاف ذوق بلکہ متباین راستوں کے باوجود صرف ایک (حسن نیت، سلامت ذوق اور اخلاص) کی وحدت ہے جس پر ہدایت کے ابواب کے مفتوح ہونے کا وعدۂ قرآنی "وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" کے الفاظ میں موجود ہے، ایک شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ جو اصلاً محدث متکلم اور فقیہ تھے، دوسرے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ جو اصلاً عارف و محقق اور امام تصوف و حقیقت تھے، اول الذکر کی کتاب "العبودیۃ" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدۃ الشہود کے کوچہ سے آشنا ہیں، اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ سالکین کو اثنائے سلوک میں یہ مقام پیش آتا ہے، اور وہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کاملین صحابہ کرام وغیرہم کی معرفت سے فروتر، لیکن وحدۃ الوجود کے مقام سے بہتر و بلند تر ہے[۱]، لیکن چونکہ یہ ان کا اصل میدان نہیں اس لئے وہ صرف اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

لیکن مخدوم بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو پیش کیا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو ان کو حاصل تھا کہتے ہیں کہ عام طور پر جس کو وحدۃ الوجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنا کامل سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسرے موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں "نابودن دیگر و نادیدن دیگر" کسی چیز کا معدوم و نابود ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز، اور فرماتے ہیں یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا گئے اور توفیق الٰہی

---

[۱] ملاحظہ ہو رسالۃ العبودیۃ صفحہ [illegible] "والنوع الثانی هو الفناء عن شهود السوی" و[illegible] لكثير من السالكين

اور خضر کامل کے بغیر بندہ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔[1]

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت

لیکن اس مسئلہ کی تنقیح، اس سلسلہ میں اتمام حجت کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سیر و سلوک کی ان پر خار وادیوں اور ان اعلیٰ منازل سے گذر چکا ہو، وہ بنے حقیقت کا غواص ہو اور جو ان علمی تجربات کے امواج اور طوفانی سمندر سے گذر کر اصل حقیقت پر پہونچ ہو، وہ عدم علم کو عدم شئی کی دلیل نہ بنائے بلکہ ایک عینی شاہد اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری خود اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ یہ کہے کہ جہاں تک توحید وجودی کا تعلق ہے ؎

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک اثبات و نفی کرنے والوں کے تین مسلک رہے ہیں۔

۱۔ وحدۃ الوجود کا مکمل اثبات اور یہ کہ وہ ایک بدیہی حقیقت ہے اور تحقیق و معرفت کی آخری منزل ہے۔

۲۔ وحدۃ الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم و خیال، قوت متخیلہ کی کارفرمائی اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۱۶۰ مکتوبات سرهندی ہو اس کا اقتباس مندرجہ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم صفحہ ۲۸۲-۲۸۳

۴۔ وحدۃ الوجود کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ اور یہ کہ حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے اور جو حقیقت نفس الامری ہے، وہ یہ نہیں کہ وجود واحد ہے اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً منتفی و معدوم ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں لیکن واجب الوجود کے وجود حقیقی کے نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں، اور جس طرح ستارے آفتاب کے طلوع کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ کاذب نہیں ہوگا، اسی طرح موجودات اس وجود کامل و حقیقی کے سامنے ایسے بے حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

مجدد صاحب کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ

مجدد صاحب نے ان تین مسلکوں کے مقابلہ میں ایک چوتھا مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ وحدۃ الوجود سالک کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے، اس کو عیاناً و ذوقاً نظر آتا ہے کہ وجود حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے، وہ سب ایک ہی وجود ہے، باقی سب اس کی ”تلوینات و تنوعات“ ہیں، یا شیخ اکبر اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے بقول ”تنزلات“ ہیں

لیکن اگر توفیق الٰہی شامل حال اور شریعت کا چراغ رہنما ہوتا ہے اور سالک کی ہمت بلند ہوتی ہے تو دوسری منزل بھی سامنے آتی ہے، اور وہ وحدۃ الشہود کی منزل ہے۔

اس طرح حضرت مجدد وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک عالی استعداد سالکین و عارفین اور دقیقہ رس محققین اور غواصین کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے علمبردار شیخ

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالات روحانی کا انکار مکابرہ ہے اُن کے علوِ مقام، مقبولیت عند اللہ اور اخلاص کا انکار کئے بغیر بلکہ بلند الفاظ میں ان کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ فرماتے ہیں اور ایک نئی یافت و دریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف عقیدۂ جمہور مسلمین کتاب و سنت اور شریعت حقہ کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات پر خط نسخ پھیرنے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے جس سے نصوص شرعیہ اصول قطعیہ اور سیر نفس و آفاق کے آخری مکشوفات و تحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذاتی تجربہ و مشاہدہ

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد کے چند بلند پایہ مکتوبات کے (جو زیادہ واضح اور سہل الفہم ہیں) اقتباسات پڑھئے:۔

اپنے روحانی ارتقاء اور وحدۃ الوجود کے مشرب سے وحدۃ الشہود تک پہونچنے کا حال اپنے ایک اہل تعلق شیخ صوفی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"مخدوم مکرم! کمسنی سے اس فقیر کا اعتقاد اہل توحید کا مشرب تھا، فقیر کے والد قدس سرہ ظاہراً اسی مشرب پر تھے اور مستقلاً اسی طریق سے اشتغال رکھتے تھے ......

بحکم ابن الفقیہ نصف الفقیہ، فقیر کو بھی اس نسبت سے علمی طور پر حظ وافر حاصل تھا اور وہ اس میں بڑی لذت پاتا تھا، یہاں تک کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ مؤید الدین شیخ راشد رہنمائے راہ خدا محمد الباقی قدس سرہ کی خدمت میں پہونچایا اور آں جناب نے اس فقیر کو طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور اس کے

حال پر توجہ بلیغ ملحوظ رکھی، اس طریق علیہ کے اشتغال و مداومت کے بعد تھوڑی مدت میں اس پر توحید وجودی کا انکشاف ہوا، اور اس انکشاف میں ایک طرح کا غلو پیدا ہوگیا، اس مقام کے علوم و معارف کا بکثرت فیضان ہوا، اور اس مرتبہ کے دقائق میں شاید ہی کوئی بات رہی ہو جو منکشف نہ کر دی گئی ہو۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے نازک و دقیق علوم جیسا چاہئے تھا سامنے آئے اور تجلی ذاتی جس کو صاحب فصوص نے بیان کیا ہے اور اس کا وہ انتہائی عروج حاصل ہوا جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ ما بعد هذا الا العدم المحض، یہ بھی مشرف کیا گیا، اور اس تجلی کے وہ علوم و معارف جس کو شیخ خاتم الولایت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں تفصیل علم میں آئے، اس توحید میں سکر و غلبۂ حال اس حد تک پہونچا کہ اپنے بعض عرائض میں جو حضرت خواجہ کو لکھے تھے ایسے سکر کے اشعار لکھ دیئے۔

اس حال نے مدت مدید تک طول کھینچا اور مہینوں سے برسوں کی نوبت آئی کہ ناگاہ حضرت حق کی عنایت بے غایت نے دریچۂ غیب سے منہ نکالا، وہ رحمت ظہور میں آئی اور بے چونی و بے چگونی لیس کمثلہ شئی کے چہرہ پر جو پردہ پڑا تھا اس کو ہٹا دیا، اور سابق کے وہ علوم جو اتحاد اور وحدۃ الوجود کی خبر دیتے تھے رو بزوال ہوئے اور احاطہ اور سریان اور قرب و معیت ذاتی جو اس مقام میں منکشف ہوئی تھی، روپوش ہوگئی، اور یقین الیقین سے معلوم ہوگیا کہ صانع جل شانہ، اس عالم کے ساتھ ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، اس کا احاطہ و قرب علمی ہے جیسا کہ اہل حق کا عقیدہ ہے، تعالی اللہ سبحانہ، وہ پاک ذات کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں، وہ بے چون و بے چگون ہے اور عالم سراسر اس داغ سے داغدار ہے، جو بے کیف ہے وہ با کیف کا عین اور مثل کیسے کہا جا سکتا ہے، واجب کو عین ممکن کیسے کہہ سکتے

ہیں؛ قدیم عین حادث کبھی نہیں ہو سکتا، ممتنع الوجود عین جائز العدم نہیں ہو سکتا، انقلاب حقائق محال ہے عقلاً و شرعاً اور ایک کا دوسرے پر محمول کرنا بھی صحیح نہیں ہو سکتا، اصل در اصل تعجب ہے کہ شیخ محی الدین اور ان کے تابعین ذات واجب تعالیٰ کو مجہول مطلق کہتے ہیں، اور اس کو کسی حکم کا محکوم علیہ نہیں سمجھتے پھر اس کے باوجود احاطۂ ذاتی اور قرب و معیت ذاتی کو ثابت کرتے ہیں، اس بارے میں صحیح بات وہی ہے جو علماء اہل سنت نے کہی ہے کہ سارا معاملہ قرب علمی اور احاطۂ علمی کا ہے۔

مشرب توحید وجودی کے منافی ان علوم و معارف کے حصول کے زمانہ میں اس فقیر پر سخت اضطراب کا زمانہ گذرا اس لئے کہ وہ اس توحید سے بالاتر کسی اور امر کو نہیں سمجھتا تھا وہ بڑے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرتا تھا کہ یہ معرفت زائل نہ ہو یہاں تک کہ سارے حجاب جو اس حقیقت پر پڑے ہوئے تھے اٹھ گئے اور حقیقت نفس الامری منکشف ہو گئی اور معلوم ہوا کہ عالم اگرچہ اللہ تعالیٰ کے کمالات صفاتی کے لئے آئینہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن مظہر (آئینہ میں جو عکس پڑ رہا ہے) وہ عین ظاہر (صاحب عکس) نہیں اور سایہ اپنی اصل کا (جس کا وہ سایہ ہے) عین نہیں ہو سکتا جیسا کہ توحید وجودی کے قائلوں کا مسلک ہے۔

اس مسئلہ کو ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے مثلاً ایک جامع علوم و فنون عالم کی خواہش ہوئی کہ وہ اپنے کمالات گوناگوں کو عرصۂ ظہور میں لائے اور اپنے مخفی محاسن و کمالات کو منظر عام پر لائے تو اس نے حروف و اصوات کی ایجاد کی تاکہ ان کے آئینوں پر اپنے کمالات مخفی کو ظاہر کرے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حروف و اصوات جو ان کمالات مخفی کی جلوہ گاہ اور آئینہ ہیں، ان کمالات کا عین ہیں یا ان کمالات کو محیط ہیں یا ان کے قریب ہیں یا معیت ذاتیہ رکھتے ہیں، بلکہ ان کے درمیان وہی نسبت ہوگی جو دال و مدلول کے

درمیان ہوتی ہے، حروف واصوات ان کمالات کی دلیل ہونے سے زیادہ اور کچھ نہیں، اور جو نسبت پیدا ہوتی ہے وہ وہمی اور تخیلی ہے، فی الحقیقت ان نسبتوں (عینیت، اتحاد، احاطہ، قرب، معیت بالذات) میں سے کوئی بھی نسبت ثابت نہیں، لیکن چونکہ ان کمالات اور ان حروف واصوات کے درمیان ظاہر ومظہر اور مدلول ودال ہونے کی نسبت متحقق ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں کو بعض عوارض کی بنا پر ان وہمی نسبتوں کا حصول ہو جاتا ہے لیکن نفس الامر میں وہ کمالات ان تمام نسبتوں سے معرّا ومبرّا ہیں، حق اور خلق کے درمیان بھی اس دالیت ومدلولیت اور ظاہریت ومظہریت کے سوا کوئی علاقہ نہیں ....

بعض حضرات کو مراقبۂ توحید کی کثرت ان وہمی احکام کے لگانے کے باعث ہو جاتی ہے ان مراقبات کی صورت قوت خیالیہ میں منقش ہو جاتی ہے، بعض دوسرے لوگوں کو علم توحید اور اس کے اعادہ وتکرار سے ان احکام کا ایک طرح کا ذوق حاصل ہو جاتا ہے، بعض لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا سبب (اور وحدۃ الوجود کے قائل ہونے کا باعث) غلبۂ محبت ہے، اس لئے کہ محبوب کی محبت کے غلبہ کی بنا پر محب کی نظر سے غیر محبوب نکل جاتا ہے اور وہ محبوب کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، واقعہ یہ نہیں ہے کہ نفس الامر میں غیر محبوب کا وجود نہیں ہے، اس لئے یہ مخالف حس وعقل وشرع ہے، اور یہی محبت احاطہ وقرب ذاتی کا حکم لگانے پر آمادہ کرتی ہے .... اور توحید کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے اعلیٰ ہے اور احوال کے دائرہ میں داخل ہے اگرچہ نفس الامر کے مطابق اور عقل کے موافق نہیں ہے، شریعت اور نفس الامر کے ساتھ اس کی تطبیق کی کوشش تکلف محض ہے، غایت الباب یہ خطائے کشفی ہے جو خطائے اجتہادی کا حکم رکھتی ہے ملامت وعتاب اس سے اٹھ جاتا ہے بلکہ ایک حیثیت سے حال ومغلوبیت ہونے کی وجہ سے اس کا تصور کیا جا سکتا ہے[1]

---

[1] مکتوب ۴۳ بنام شیخ صوفی۔

توحید شہودی

ایک دوسرے مکتوب میں جو شیخ فرید بخاری کو لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ توحید جو سلوک کے دوران حضرات صوفیاء کو حاصل ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں توحید شہودی و توحید وجودی، توحید شہودی نام ہے ایک دیکھنے کا یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے نہ ہو اور توحید وجودی نام ہے ایک کو موجود جاننے کا اور غیر کو معدوم سمجھنے کا۔"

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مثلاً ایک شخص کو آفتاب کے وجود کا یقین پیدا ہو گیا، اس یقین کا غلبہ اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ستاروں کو اس وقت منتفی و معدوم جانے لیکن جس وقت کہ وہ آفتاب کو دیکھے گا ستاروں کو نہ دیکھے گا، اس کا مشہود سوائے آفتاب کے کوئی نہ ہوگا، اور جس وقت وہ ستاروں کو نہیں دیکھے گا، اس وقت بھی وہ جانے گا کہ ستارے معدوم نہیں ہیں بلکہ وہ جانے گا کہ وہ ہیں لیکن مستور ہیں، اور آفتاب کی روشنی کے پرتو اور غلبہ سے مغلوب ہیں۔"[1]

آگے لکھتے ہیں:۔

"حضرت قبلہ گاہی حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ کچھ عرصہ تک توحید وجودی کا مشرب رکھتے تھے، انھوں نے اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار بھی فرمایا ہے لیکن آخر میں کمال عنایت خداوندی نے ان کو اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور ایسی شاہراہ پر ڈال دیا جس سے اس معرفت کی تنگی سے خلاصی حاصل ہو گئی۔"[2]

ایک مکتوب میں شیخ اکبر اور ان کے متبعین کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

---

[1] مکتوب ۴۳ بنام شیخ فرید بخاری۔ [2] ایضاً۔

"وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ خارج میں ایک ہی موجود ہے، اور بس! اور وہ ذات حق ہے، عالم کا خارج میں قطعاً کوئی وجود نہیں، البتہ وہ اس کے ثبوت علمی کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ الأعیان ما شمّت رائحة الوجود (یعنی اشیاء خارجی نے ہستی اور وجود کی بو بھی نہیں سونگھی ہے) وہ عالم کو حق سبحانہ تعالےٰ کا ظل سمجھتے ہیں، لیکن ان کے نزدیک یہ وجود ظلی محض مرتبہ حس میں ہے، نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔"[1]

اسی مکتوب میں وحدۃ الوجود سے اپنی ترقی کی حکایت سناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"راقم سطور اوائل توحید وجودی کا عقیدہ رکھتا تھا، زمانۂ طفولیت سے اس کو اس توحید کا علم حاصل تھا، اور اس کے دل میں اس کا یقین راسخ تھا، اگرچہ اس معاملہ میں اس وقت صاحب حال نہ تھا، اس نے راہ سلوک پر قدم رکھا تو اول (توحید وجودی) کا طریق منکشف ہوا اور اس نے مدت تک اس مقام کے منازل و مراتب میں جولانی کی، اور بہت سے علوم جو اس مقام کے مناسب تھے اس پر ظاہر ہوئے، اور وہ مشکلات و واردات جو ارباب توحید پر وارد ہوتے ہیں، وہ ان مکاشفات اور علوم فیضانی سے حل ہو گئے، ایک مدت کے بعد دوسری نسبت کا اس فقیر پر غلبہ ہوا، اور اس غلبہ کی حالت میں اس کو توحید وجودی کے بارے میں توقف لاحق ہوا، لیکن یہ توقف حسن ظن کے ساتھ تھا، انکار کے ساتھ نہیں، مدت تک وہ متوقف رہا، آخر الامر معاملہ انکار تک پہونچ گیا، اور اس کو دکھایا گیا کہ یہ مرتبہ (وحدت وجود کی منزل) فروتر ہے، اور وہ مقام ظلیت تک پہونچا ہوا اس سے بالاتر ہے، اس انکار کے معاملہ میں وہ بے اختیار تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس مقام سے باہر نکلے اس لئے کہ بڑے بڑے مشائخ اسی مقام پر طرح اقامت ڈال چکے تھے، لیکن جب وہ مقام ظلیت تک

---

[1] مکتوب ۱۶۰ بنام یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی۔

پہونچا، اور اس نے اپنے کو اور عالم کو ظل پایا تو اس کو یہ آرزو ہوئی کہ اس کو اس مقام سے جدا نہ کیا جائے اس لئے کہ وہ کمال وحدۃ الوجودی ہی سمجھتا تھا، اور یہ مقام فی الجملہ اس سے مناسبت رکھتا ہے لیکن تقدیری بات کہ کمال عنایت اور غریب نوازی سے اس کو اس مقام سے بھی اوپر لے جایا گیا، اور مقام عبدیت تک پہونچا دیا گیا، اس وقت اس مقام کا کمال نظر میں آیا، اور اس کی بلندی واضح ہوئی اور وہ مقامات گذشتہ سے توبہ و استغفار کرنے لگا، اگر اس عاجز کو اس راستہ تک نہ لے جاتے اور ایک مقام کی دوسرے مقام پر فوقیت نہ ظاہر کرتے تو وہ اس مقام میں اپنا تنزل سمجھتا، اس لئے کہ اس کے نزدیک توحید وجودی سے بالاتر کوئی مقام نہ تھا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔[1]

شیخ اکبر کے بارہ میں منصفانہ و معتدل مسلک

اس اختلاف کے باوجود شیخ اکبر کے بارے میں اپنا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> "یہ فقیر شیخ محی الدین کو مقبولین میں سمجھتا ہے لیکن ان کے وہ علوم جو کتاب و سنت کے ظواہر کے خلاف ہیں ان کو خطا اور مضر سمجھتا ہے ...... لوگوں نے ان کے بارے میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں، ایک جماعت شیخ پر زبان طعن و ملامت دراز کرتی ہے اور ان کے معارف و حقائق کی بھی تخطئہ کرتی ہے، دوسری جماعت نے شیخ کی محض تقلید اختیار کی ہے اور ان کے تمام معارف و حقائق کو برحق سمجھتی ہے اور دلائل و شواہد سے ان کی حقیقت ثابت کرتی ہے، اس میں شک نہیں کہ دونوں فریقوں نے افراط و تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور وہ میانہ روی سے دور جا پڑے ہیں ...... عجیب معاملہ ہے کہ

---

[1] مکتوب ۳۱ بنام شیخ حمید احمد البدخشی الطالقانی۔

شیخ محی الدین مقبولین حق میں نظر آتے ہیں، اور ان کے اکثر معارف و تحقیقات جو اہل حق کے خلاف ہیں خطاء و ناصواب نظر آتے ہیں۔[1]

ایک جگہ اپنا اور توحید وجودی کے منکرین و مخالفین کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

> "اس فقیر کا توحید وجودی کے قائلین سے اختلاف کشف و شہود کی راہ سے ہے، علماء ان امور (وحدۃ الوجود اور غیر اللہ کے وجود کی مطلق نفی) کی قباحت کے قائل ہیں، اس فقیر کو توحید وجودی کے ان اقوال و احوال کے حسن میں کوئی اشکال نہیں بشرطیکہ ان سے عبور واقع ہو جائے۔"[2]

توحید وجودی کی مخالفت کی ضرورت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب توحید وجودی سلوک کی ایک منزل اور سالک کے لئے ایک عبوری مرحلہ ہے جس پر سالکین و مجتہدین کا ایک جم غفیر ہر زمانہ میں پہونچا ہے، ان میں سے ایک بڑی جماعت اس مرحلہ پر پہونچ کر رک گئی، اور کسی کو توفیق الٰہی نے اس سے آگے بڑھا کر توحید شہودی تک پہونچا دیا، تو اس میں کیا قباحت ہے، اور حضرت مجدد اس شد و مد سے اس کی مخالفت کیوں فرماتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں اس زور و شور سے توحید شہودی کے اثبات اور اس کی ترجیح پر کیوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ توحید وجودی کے قائلین اور اس کے مبلغوں اور داعیوں میں (حضرت مجدد صاحب کے زمانہ میں بھی) ایک بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی تھی جس نے اپنے کو قیود شرعی اور فرائض و واجبات اسلامی سے آزاد سمجھ لیا تھا، اور یہ سمجھ کر کہ جب سب

---

[1] مکتوب ۲۳۱/۱ بنام حضرت خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ [2] مکتوب ۴۳/۲ بنام خواجہ جمال الدین حسین۔

حق کی طرف سے ہے بلکہ سب حق ہے تو پھر حق وباطل کی تفریق اور کفر وایمان کے امتیاز کا کیا سوال! انھوں نے شریعت اور اس پر عمل درآمد کو عوام کے درجہ کی ایک چیز سمجھ لیا تھا ان کے نزدیک مقصودِ اصلی (توحید وجودی) اس سے بلند تر مقام اور اس سے آگے کی منزل تھی جو کاملین راہ اور واصلین بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے دسویں صدی ہجری میں جو حضرت مجدد کے ذہنی وروحانی ارتقاء کا زمانہ ہے اس توحید وجودی کا رنگ ہندوستان پر ایسا چھایا ہوا تھا کہ عارفانہ ذوق رکھنے والے شعراء سب اسی کے گیت گاتے تھے اور کفر وایمان کو مساوی قرار دیتے تھے بلکہ بعض وقت کفر کو ایمان پر ترجیح دینے کی سرحد میں داخل ہو جاتے تھے اس زمانہ میں ایسے بہت سے اشعار زبان زدِ خلائق تھے جن میں صاف صاف یہ مضمون بیان کیا گیا ہے، مثلاً ؎

کفر و ایمان قرین یک دگر اند
ہر کہ را کفر نیست ایمان نیست

پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک کتاب میں لکھا گیا ہے:

”پس ازیں معنی اسلام در کفر ہست و کفر در اسلام یعنی تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ مراد از لیل کفر ہست و مراد از نہار اسلام۔“[2]

دوسری جگہ یہ شعر نقل کرتے ہیں ؎

عشق را با کافری خویشی بود
کافری در عین درویشی بود

---

[1] تیرھویں صدی ہجری کے اردو کے مشہور و مقبول شاعر مرزا غالب نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے ؎

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

[2] رسالہ حقیقیہ ص ۱۰

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"العلم حجاب الاکبر گشت' مراد ازیں علم عبودیت کہ حجاب اکبر ست' ایں حجاب اکبر اگر از میاں مرتفع شود کفر بہ اسلام و اسلام بہ کفر آمیزد و عبارت خدائی و بندگی برخیزد"[1]

مجدد صاحب کے لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حمیت دینی اور غیرت فاروقی کا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا اور جن کی ذات سے حدیث مشہور کی پیشین گوئی کا ظہور ہونا مقدر ہو چکا تھا جس میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و ثقہ حامل
عدولہ ینفون عنہ تحریف	و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند
الغالین وانتحال المبطلین	لوگوں کی تحریف اہل باطل کے غلط انتساب
وتاویل الجاھلین۔[2]	اور دعوے اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلات
	کو دور کرتے رہیں گے۔

یہی چیز اس عقیدہ اور دعوت کی علمی و دینی احتساب کا باعث ہوئی جس کی تبلیغ و اشاعت میں اس عصر میں اور خاص طور پر ہندوستان میں پورے جوش و خروش اور عمومیت اور اطلاقیت سے کام لیا جا رہا تھا اور مجدد صاحب مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اس کے اثر سے شریعت کی گرفت طبیعتوں پر سے ڈھیلی اور اس کا تقدس و احترام نگاہوں میں کم ہوتا جا رہا تھا، مجدد صاحب خود اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اکثر ابنائے ایں وقت بعضے بتقلید	اکثر ابنائے زمانہ بعض تقلید کی
بعضے بمجرد علم و بعضے دیگر بعلم ممتزج	بنا پر بعض محض اپنے علم کے زور پر

---

[1] جلد اول مکتوب ۴۳

[2] مشکوٰۃ فصل ثانی (کتاب العلم)

بذوق و وجدانی اگرچہ بعضے بالحاد و زندقہ دست بداماں ایں توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق می دانند بلکہ حق می دانند و گردن ہائے خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بحیلہا می کشند و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند و بایں معاملہ خوشوقت و مسرور شدہ اند و اتیان اوامر شرعیہ را اگر اعتراف دارند طفیلے می دانند مقصود اصلی ورائے شریعت خیال می کنند حاشا و کلا ثم حاشا و کلا نعوذ باللہ سبحانہ من ھذہ الاعتقاد السوء[1]۔

اور بعض ایسے علم کی بنا پر جس میں ذوق کی شمولیت ہے (خواہ کسی محدود تعداد میں) اور بعض نے الحاد و زندقہ کی بنا پر اس توحید وجودی کا دامن تھام لیا ہے، اور وہ ہر چیز کو حق کی طرف سے جانتے ہیں بلکہ حق ہی جانتے ہیں اور وہ اپنی گردنوں کو کسی نہ کسی ترکیب سے تکلیف شرعی کے طوق سے آزاد کر لیتے ہیں اور احکام شرعیہ کے بارے میں تساہل و مداہنت سے کام لیتے ہیں اور اس معاملہ میں بڑے مسرور اور مطمئن نظر آتے ہیں یہ لوگ اوامر شرعیہ پر عمل کرنے کی ضرورت کا اگر اعتراف بھی کرتے ہیں تو اس کو ضمنی اور تبعی سمجھتے ہیں وہ مقصود اصلی شریعت کے ماوراء خیال کرتے ہیں حاشا وکلا ثم حاشا وکلا ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے اعتقاد فاسد سے پناہ مانگتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۳ بنام شیخ فرید بخاری۔

اسی مکتوب میں ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا ہے:۔

دریں زمان بسیارے ازیں طائفہ کہ بزی صوفیاں خود را وانمایند توحید وجودی را شائع ساختہ اند کمال را جز آن نمی دانند و علم از عین باز ماندہ اند و آں اقوال مشائخ را بمعانی متخیلۂ خود فرود آوردہ مقتدائے روزگار خود ساختہ اند و بازار کاسد خود را باین تخیلات رائج داشتہ اند[1]۔

اس زمانہ میں اس گروہ کے بہت سے ایسے لوگ جو صوفیوں کے لباس میں اپنے کو ظاہر کرتے ہیں توحید وجودی کا پرچار اعلان کرنے لگے ہیں، اور اس کے سوا وہ کسی چیز کو کمال نہیں جانتے، علم کے ذریعہ حقیقت سے دور رہ گئے ہیں، مشائخ کے اقوال کو اپنے ذہن کے پیدا کئے ہوئے مضامین پر اتار لئے ہیں اور ان کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھا ہے اور ان تخیلات سے اپنے بازار کاسد کو گرم کر رکھا ہے۔

مجدد صاحب کی انفرادیت وامتیاز

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ محض یہ نہیں ہے کہ انھوں نے وحدۃ الوجود کے مقبول عام نظریہ اور سکۂ رائج الوقت کے متعلق ثابت کر دیا کہ وہ نقد کامل عیار نہیں اور سلوک و معرفت کی منزل آخری نہیں ہے بلکہ اس باب میں ان کی انفرادیت وامتیاز کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اس پر اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تنقید کی اور

---

[1] ایضاً۔

یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اور اس کی تہ تک پہونچ کر ابھرے ہیں، اور تائید الٰہی سے انھوں نے اپنے زورقِ معرفت و تحقیق کو ساحلِ مراد تک پہونچایا ہے، اور اس باب میں مشکل سے ان کا کوئی ہمسر اور ہمسفر ملے گا، مغربی مصنف پیٹر ہارڈی (PETER HARDY) نے جو ان مسائل میں سند کا درجہ نہیں رکھتا بہرحال یہ صحیح لکھا ہے کہ:-

"شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریہ کی انھوں نے تردید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا۔" لہ

مجدد صاحب کے بعد توحید وجودی کے بارے میں مشائخ و علماء کا مصالحانہ رویہ

قبل اس کے کہ اس باب کو ختم کیا جائے ایک غیر جانبدار مورخ کی حیثیت سے اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے بعد (ان کے اس خاص سلسلہ کو چھوڑ کر جو حضرت خواجہ محمد معصوم کے ذریعہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر پھیلا) وحدۃ الوجود کے بارے میں وہ واضح قطعی اور فیصلہ کن رجحان اور وحدۃ الشہود پر وہ یقین و اذعان باقی نہیں رہا جس کا مجدد صاحب نے علم بلند کیا تھا اور جس پر وہ علی وجہ البصیرۃ قائم اور اس کے داعی تھے ان کی رحلت کے بعد ہی سے تصوف و معرفت کے حلقوں میں اور بعض ان حلقوں میں بھی جو اپنے

لہ SOURCES OF INDIAN TRADITION, N.Y. P. 449

ان کی طرف انتساب کرتے تھے، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان مفاہمت ومطابقت کا رجحان نمایاں ہوگیا، اور بعض بلند پایہ علماء اور محققین نے یہاں تک لکھ دیا کہ "یہ اختلاف محض نزاع لفظی تھا" بعض حضرات نے یہاں تک لکھا کہ مجدد صاحب سے اس بارہ میں تسامح ہوا اور شیخ اکبر کی تمام تصنیفات ان کی نظر سے نہیں گذریں۔ اسی بنا پر سلسلۂ مجددیہ کے نامور شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر ان کے مرید رشید مولانا غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۰ھ) نے "کلمۃ الحق" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مجدد صاحب کی تحقیق اور مسلک کو واشگاف طریقہ پر بیان کیا، اور اس تطبیقی رجحان کی تردید کی جو خود سلسلۂ مجددیہ کے بعض حلقوں میں نظر آنے لگا تھا۔

حضرت سید احمد شہید مجدد صاحب کے نقش قدم پر

اس سلسلۂ عالیہ میں مجدد صاحب کے بعد اگر کسی شیخ طریقت و عارف محقق کے یہاں وحدۃ الشہود کا واضح اور بے آمیز نظریہ اور تلقین پائی جاتی ہے اور وہ اس بارے میں حضرت مجدد کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں، تو وہ سلسلۂ مجددیہ احسنیہ[1] کے مشہور شیخ طریقت داعی الی اللہ اور مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی (ش ۱۲۴۶ھ) ہیں[2] جن کے یہاں وحدۃ الوجود کی کوئی پرچھائیں اور

---

[1] حضرت سید آدم بنوری خلیفۂ حضرت مجدد کا مخصوص سلسلہ جو سلسلۂ آدمیہ، و سلسلۂ احسنیہ کہلاتا ہے۔

[2] یہ ان کے خاندانی ذوق کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے جد امجد حضرت شاہ سید علم اللہ [illegible]

تاویل واعتذار کا کوئی عکس نظر نہیں آتا۔[1]

* * *

(باقی حاشیہ کا) حضرت سید آدم بنوری کے خلیفۂ ارشد ہیں اور خود ان کے مقام تحقیق و اجتہاد کا بھی تعجب ہو سکتا ہے جس پر وہ فائز تھے۔

[1] ملاحظہ ہو صراط مستقیم ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب عشقی افادہ ۵ ص ۸۱ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور۔

باب ہفتم

اکبر سے جہانگیر تک

سلطنت کو راہ راست پر لانے کے لئے آپ کی خاموش جد و جہد

عہد اکبری و جہانگیری کے جرأت مند اور حق گو علماء و مشائخ

قبل اس کے کہ ہم حضرت مجدد کی ان مساعی جمیلہ کا تذکرہ کریں جنھوں نے سلطنت کا رخ موڑ دیا اس حقیقت کا اظہار ضروری اور قرین قیاس سمجھتے ہیں کہ دور اکبری کے متعلق یہ تخیل صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سناٹا تھا، اور اکبر کو اس کے طرز عمل پر ٹوکنے والا اور حدیث:۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان[1]۔	تم میں سے جو کوئی خلاف شرع کام یا امر منکر دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دینا چاہئے اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اس کا انکار و تردید کرنی چاہئے اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا سمجھنا چاہئے یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے

---

[1] مسلم

کے دوسرے اور تیسرے درجہ پر بھی کسی نے عمل نہیں کیا۔

عہد اکبری کے حسب ذیل حضرات کے متعلق تاریخ اور تذکروں میں شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اور اپنے امکان بھر اس صورت حال پر اپنی ناگواری اور اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کیا۔

شیخ ابراہیم محدث اکبرآبادی (م [illegible]) ایک مرتبہ اکبر کے عبادت خانہ میں اس کی دعوت پر آئے اور بادشاہ کے لئے غیر شرعی آداب و تعظیم بجا نہیں لائے، انھوں نے اپنی تقریر میں ترغیب و ترہیب سے کام لیا اور جلال شاہی سے ذرا مرعوب نہیں ہوئے، شیخ حسین اجمیری جنھوں نے [illegible] کے بعد وفات پائی، اکبر کے اجمیر آنے پر ناراض ہو کر وہاں سے چلے گئے، اکبر نے ان کو خانقاہ اور درگاہ کی تولیت سے معزول کیا اور حجاز چلے جانے کا حکم دیا، ہندوستان واپسی پر بھی انھوں نے سجدۂ تعظیمی نہیں کیا، بادشاہ ناراض ہو گیا اور ان کو بھکر کے قلعہ میں قید کر دیا، جہاں وہ کئی سال تک رہے، رہائی پر بھی وہ آداب شاہی سے محترز رہے اور انھوں نے عطیہ سلطانی قبول کرنے سے انکار کیا، شیخ سلطان تھانیسری جو مقربین دربار میں سے تھے اور جنھوں نے بادشاہ کے حکم سے مہابھارت کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، ذبیحۂ گاؤ کے الزام میں بادشاہ کے مغضوب بنے اور ان کو بھکر جلا وطن کر دیا گیا، پھر عبدالرحیم خان خاناں کی سفارش پر ان کو تھانیسر قیام کی اجازت دی گئی اور کروڑگیری (تحصیل وصول) پر مامور کیا گیا، کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو پھر ان کی شکایات پہونچیں جو ان کے اسلامی طرز عمل پر مبنی تھیں، اور اس نے سزائے موت کا حکم دیا، یہ واقعہ [illegible][1] کا ہے۔

---

[1] منتخب التواریخ۔ آپ حضرت مجدد کے خسر تھے۔

اس سلسلہ میں سب سے جرأت مندانہ اور مردانہ اقدام شہباز خاں کنبوہ (م ۱۰۰۸ھ) کا ہے جو اکبر کے امرائے کبار میں تھے اور آخر میں میر بخشی کے عہدہ سے سرفراز ہوئے، وہ بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہے، نہ انھوں نے داڑھی کترائی، نہ شراب کے قریب گئے نہ اکبر کے ایجاد کردہ دینِ الٰہی کی طرف میلان ظاہر کیا، شاہ نواز خاں مصنف "مآثر الامراء" کی روایت ہے کہ بادشاہ ایک دن عصر و مغرب کے درمیان فتح پور سیکری میں ایک تالاب کے کنارے سیر کر رہا تھا، شہباز خاں حاضر تھے، بادشاہ نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور چہل قدمی اور ان سے گفتگو میں مصروف ہو گیا، لوگوں کا خیال تھا کہ شہباز خاں بادشاہ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکتے، اور آج ان کی مغرب کی نماز ضرور قضا ہو گی، ان کا یہ بھی معمول تھا کہ عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے، شہباز خاں نے جب دیکھا کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے تو انھوں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت مانگی، بادشاہ نے ازراہِ بے تکلفی کہا، مجھے تنہا نہ چھوڑو، نماز قضا کر لینا، شہباز خاں نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اپنی چادر زمین پر بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہو کر اپنے روز مرہ کے اوراد میں مشغول ہو گئے بادشاہ ان کے سامنے کھڑا رہا اور سخت الفاظ کہتا رہا، امیر ابو الفتح اور حکیم علی گیلانی اس موقع پر موجود تھے، انھوں نے موقع کی نزاکت محسوس کی، وہ آگے بڑھے اور بادشاہ کو متوجہ کرنے کے لئے کہا کہ آخر ہم بھی تو توجہاتِ شاہانہ کے مستحق ہیں؟ بادشاہ کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ شہباز خاں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ ہو گیا۔

شیخ عبد القادر بدایونی بھی انھی جری لوگوں میں تھے جنھوں نے خلافِ شرع امور میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، ایک دن بادشاہ نے افیون ان کو پیش کی، انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا، اس سے بادشاہ کو ناگواری ہوئی، ایک دن وہ عبادت خانہ میں نماز فرض کے بعد

نوافل میں مشغول تھے کہ بادشاہ محل سے برآمد ہوا اس نے کہا کہ آپ کو نفلیں اپنے گھر میں پڑھنی چاہئیں، مولانا عبدالقادر نے جواب دیا کہ حضور والا! یہاں (عبادت خانہ میں) آپ کی سلطنت نہیں ہے بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ آپ کو میری سلطنت گوارہ نہیں تو یہاں سے چلے جائیے وہ اسی وقت شہر اُچ کی طرف روانہ ہو گئے اور عبادت اور افادۂ خلائق میں مشغول ہو گئے، انہی کے ہم نام شیخ عبدالقادر لاہوری (م ۱۰۲۲ھ) کو بھی اکبر کے حکم سے جو ان سے ان کی دینی صلابت کی بنا پر ناراض تھا، حجاز کا سفر کرنا پڑا، مرزا عزیز الدین کوی کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) جو اکبر کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی تھے اور جن سے اکبر کو بڑی محبت تھی ...شرع اور دینی مسائل میں اکبر کا بالکل لحاظ نہیں کرتے تھے اور صاف گوئی سے کام لیتے تھے، اسی بنا پر اکبر نے ان کو گجرات کی صوبیداری سے معزول کیا پھر بنگال اور بہار کی صوبیداری دی، اور خان اعظم کا خطاب دیا لیکن اس تقرب کے باوجود انھوں نے سجدۂ تعظیمی، ریش تراشی وغیرہ میں بادشاہ کی موافقت نہیں کی، انہی لوگوں میں شیخ منور عبدالحمید لاہوری (م ۱۰۱۱ھ) بھی تھے جن کو اکبر نے ۹۸۰ھ میں صدارت کے عہدہ پر مقرر کیا لیکن وہ بھی اپنی دینی استقامت کی وجہ سے بادشاہ کے معتوب اور مورد غضب بنے، بادشاہ نے ان کے مال و املاک یہاں تک کہ کتابوں تک کے لوٹ لینے کا حکم دیا، پھر آگرہ طلب کر کے ان کو سخت قید میں رکھا اور وہیں ان کا انتقال ہوا[1]۔

جہانگیر کی جانشینی عمل میں آئی تو عرصہ تک عہد اکبری کے رسوم و آئین جاری رہے، اسلام کی علانیہ مخالفت چھوڑ کر باقی وہی طور طریقے سلطنت میں رائج تھے اور اس وقت تک رائج رہے جب تک کہ جہانگیر کا خود میلان شریعت محمدی کی تعظیم اور شعائر اسلام کے احترام کی طرف

---

[1] یہ سب نام دربار اکبری کی مخالفت کے واقعات "نزہۃ الخواطر" ج ۵ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

نہیں ہوا، اس دور میں بھی متعدد علماء و مشائخ نے خطرہ مول لے کر ان خلافِ شرع بلکہ منافیِ دین و شریعت آداب و رسوم کے ادا کرنے سے انکار کیا، شریعت کے حدود سے تجاوز کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور کلمۂ حق کہنے سے دریغ نہیں کیا، انہی میں ہندوستان کے شمال مغربی حدود کے ایک صاحبِ طریقت بزرگ احمد بن محمد بن الیاس حسینی غرغشتی تھے جن کو جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، انھوں نے آداب رسوم کے مطابق سلام و آداب بجالانے سے انکار کر دیا، جہانگیر نے ان کو قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا جہاں وہ تین سال تک رہے پھر ۱۰۲۸ھ میں ان کو آزادی کا پروانہ ملا، اور جہانگیر ان کو اپنے ساتھ آگرہ لایا۔[1]

لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطنت کی بے راہ روی کی منظم مخالفت اور اس کو راہِ راست پر لانے کی مکمل اور حکیمانہ کوشش کا سہرا حضرت مجدد کے سر ہے، اور حفاظتِ دین اور نصرتِ اسلام و مسلمین کا کارنامہ انہی کے لئے مقدر تھا، اور انہی نے اس کو تکمیل تک پہونچایا کر بیس سال میں وہ خاموش انقلاب برپا کیا جس کی نظیر دوسرے اسلامی ملکوں اور سلطنتوں کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اور جس کے نتیجہ میں اکبر کے بعد سلطنتِ مغلیہ کے تخت پر جو فرمانروا آیا وہ اپنے پیشرو سے بہتر، اسلام کی مخالفت کے جرائم سے محفوظ اور دین کے احترام اور حمیتِ اسلام میں فائق و ممتاز تھا، یہاں تک کہ اس سلسلۂ زریں کی تکمیل محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی ذات پر ہوئی۔

جہانگیر کی تخت نشینی اور مجدد صاحب کے اصلاحِ سلطنت کے کام کا آغاز

جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال (۱۰۱۴ھ کو) ہوا، اس وقت حضرت مجدد کی عمر

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ٥۔

تینتالیس سال کی تھی، اکبری سلطنت کا آخری دور جس میں ہندوستان میں اسلام کی باعزت زندگی، آزادی اور اس ملک میں غلب و اقتدار رہنے کے لئے کھلا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ مجدد صاحب کے روحانی تکمیل و ارتقاء کا زمانہ تھا، ارکان سلطنت سے ان کے کوئی مراسم و تعلقات نہیں تھے، اور نہ ابھی وہ وقت آیا تھا کہ وہ ان کے علو مرتبہ، اخلاص و للہیت اور باطنی کمالات سے واقف ہوں، اس لئے حقیقت میں وہ سرا ہاتھ میں نہیں آیا تھا، جس سے وہ دربار شاہی تک اپنے احساسات و تاثرات پہونچا سکتے، یا دین و آئین کے بارے میں حکومت کی عام پالیسی پر اثر انداز ہو سکتے، اس وقت فرمانروائے سلطنت کے مزاج و مذاق، سرکار و دربار اور نظم و نسق پر وہ لوگ حاوی تھے، جو کسی مخلص و دیندار کو بادشاہ کے قریب آنے نہیں دیتے تھے، اور انھوں نے اس کے گرد ایک ایسا آہنی حصار قائم کر رکھا تھا جس سے باہر کی تازہ اور بے آمیز ہوا کا کوئی جھونکا اور اہل ملک کی پسند و ناپسند کا کوئی اندازہ اندر نہیں آسکتا تھا، اس وقت اسلام اور مسلمانوں کا اس وسیع ملک میں جہاں ان کی آزاد سلطنتیں تسلسل کے ساتھ قائم رہ چکی تھیں، وہی حال تھا جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے۔

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ	زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا	وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے اور انھوں نے
أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا إِلَيْهِ	سمجھ لیا کہ خدا (کی گرفت) سے کہیں پناہ نہیں
(التوبہ ۔ ۱۱۸)	مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے

لیکن جہانگیر کی تخت نشینی (۱۰۱۴ھ) پر یہ صورت باقی نہیں رہی، جہانگیر کے اندر اگر (اس مخصوص تعلیم و تربیت کی بنا پر جو اس نے باپ کے زیر سایہ پائی تھی) کوئی نمایاں دینی صلاح

تشریح و فرائض اسلام کی پابندی اور کھلا ہوا دینی رجحان نہیں پایا جاتا تھا تو اس کے اندر اسلام سے کوئی کد و وحشت کسی دوسرے مذہبی فلسفہ یا قومی تہذیب سے مرعوبیت و شیفتگی اور کسی نئے دین و آئین کے اجراء کا شوق بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر وہ حامی اسلام نہیں تھا تو ماحی اسلام بھی نہیں تھا، عام طور پر جو صاحب تخت و تاج فرمانروا عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ کسی مقبول عام نظام کے ازالہ اور تنسیخ اور کسی نئے نظام کے اجراء کا دردِ سر مول نہیں لیتے، وہ صرف کام و دہن کی لذت اور حکومت و اقتدار کی عزت سے سروکار رکھتے ہیں، عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسے لوگوں کے اندر ان ہستیوں کے ساتھ ایک مخفی عقیدت اور احترام پایا جاتا ہے جو اس مادی سطح سے بلند اور ان دنیاوی مظاہر مناصب سے مستغنی ہوتے ہیں، اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کسی منصب کے مدعی یا کسی نئی تحریک و فلسفہ کے داعی ہوتے ہیں، ان میں قبول حق کی زیادہ استعداد و صلاحیت پائی جاتی ہے۔

جہانگیر فرمانروایانِ سلطنت کی اسی قسم سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ جب تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اہل نظر نے سمجھ لیا کہ اب سلطنت کا رخ بدلنے اور تدریجی طور پر اس کو راہ راست پر لانے کا وقت آگیا ہے۔

صحیح طریقِ کار

اس وقت حضرت مجدد اور ان سب حضرات کے لئے جو علم دین اور کمال باطن سے آراستہ، خود مشغول اور سیر الی اللہ کی دولت سے مالا مال اور دینی حمیت و غیرت کے نشہ سے سرشار تھے، اس صورت حال کے سامنے جو اس وقت قلمرو سلطنت پر سایہ فگن تھی، تین راستے تھے۔

۱۔ سلطنت اور ملک کو اپنے حال پر چھوڑ کر اپنے لئے کسی ایسے گوشہ کا انتخاب جہاں اطمینان کے ساتھ یادِ خدا میں مشغولی، طالبین کی تربیت اور ذکر و عبادت کی یکسوئی اور سرگرمی میسر آسکتی تھی، یہ وہ طرزِ عمل تھا، جو حضرت مجدد کے عہد میں بیسیوں بلکہ صدہا علماء ومشائخ نے اختیار کیا، ملک کے چپہ چپہ پر ان کی خانقاہیں تھیں، اور وہ پوری یکسوئی اور خاموشی کے ساتھ کام کر رہے تھے، اور خلقِ خدا کو ان سے بیش بہا روحانی و ایمانی فوائد پہنچ رہے تھے۔

۲۔ ہندوستان کی برائے نام مسلم سلطنت اور اس کے فرمانروا کو (جس کو صرف مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کا شرف حاصل تھا) اسلام کا مخالف اور معاند سمجھ کر (جس کے ثبوت کے لئے بہت سے آئین و ضوابط اور ذاتی اعمال و اخلاق مل سکتے تھے) اس کی اصلاح سے یکسر مایوس ہو جانا، اس کے خلاف ایک دینی محاذ قائم کر لینا اور اسلام کا اس کو مستقل حریف اور مقابل سمجھ کر اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی۔

اور اگر اس سے کام نہ چلے تو دینی حمیت، جہاد و سرفروشی کا جذبہ رکھنے والے اور موجودہ صورتِ حال سے بیزار معتقدین و مریدین و رفقاء کو جمع کرنا اور کسی فوجی و سیاسی کارروائی کے ذریعہ سلطنت میں انقلاب لانا اور تختِ سلطنت پر کسی زیادہ صالح اور دیندار شخص کو (خواہ وہ خاندانِ مغلیہ ہی سے تعلق رکھتا ہو اور بابر کی اولاد ہی ہو) بٹھانے کی کوشش کرنا، جو پوری سلطنت کا رخ موڑ دے اور حالات میں یکسر تبدیلی ہو جائے۔

۳۔ ارکانِ سلطنت و امرائے دربار سے تعلقات پیدا کر کے اور جن سے پہلے سے تعلق ہو اور آپ کی ذات سے عقیدت اور آپ کے خلوص اور دلسوزی پر پورا اعتماد رکھتے ہیں، ان میں دینی جذبہ اور حمیت ابھار کر اور ان کے دلوں کے خاکستر میں جو ایمانی چنگاریاں

دبی ہوئی ہیں ان کو فروزاں کر کے بادشاہ کو نیک مشورہ دینے پر آمادہ کرنا اس کی رگِ اسلامیت کو جو اپنے باایمان اسلاف و اجداد سے اس کو ورثہ میں ملی ہے جنبش میں لانا، اس کو اسلام کی حمایت، مسلمانوں کے مجروح دلوں کی چارہ سازی اور گزشتہ دور کی تلافی پر آمادہ کرنا، خود ہر طرح کے جاہ و منصب سے بلکہ اس کے سایہ سے بھی دور رہنا، مکمل زہد و استغناء کا ثبوت دینا، سلطنت کو اہلِ سلطنت اور مناصب و مراتب کو اہلِ مناصب و مراتب کے حوالہ کرنا، ایسی عالی نظری اور بے لوثی کا اظہار کہ کوئی شدید سے شدید مخالف اور حاسد بھی جاہ طلبی یا حصولِ اقتدار کی تہمت نہ لگا سکے اور کوئی مخالفانہ سازش بھی اس سلسلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جہاں تک پہلے نمبر کا تعلق ہے وہ حضرت مجدد کی افتادِ طبع، ان کی شانِ عزیمت اور اس رفیع منصب سے جس سے اللہ نے ان کو سرفراز کیا تھا، کوئی مناسبت نہیں رکھتا، حضرت مجدد کو اپنی باطنی تکمیل و تربیت کے بعد ہی اس بات کا اذعان پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی دوسرا ہی کام لینا منظور ہے، اور وہ محض لازمی و انفرادی عبادات و ترقیات اور پیری و مریدی کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، انھوں نے اپنے سلسلہ ہی کے ایک رفیع المرتبت شیخ اور امام سلسلہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کا یہ مقولہ نقل کر کے "حدیثِ دیگراں" میں "سرِّ دلبراں" کہہ دیا ہے کہ حضرت خواجہ احرار فرماتے تھے:-

اگر من شیخی کنم ہیچ در عالم مرید نیابد
اما مرا کار دیگر فرمودہ اند، آں ترویج
شریعت و تائید ملت است۔

اگر میں خالی پیری مریدی کرنے پر
آجاؤں تو دنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید
نہ ملے لیکن خدا نے مجھے کچھ اور ہی
کام سپرد کیا ہے اور وہ ترویج شریعت
اور تائید ملت ہے۔

پھر اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لاجرم بصحبت سلاطین می رفتند و	آپ بادشاہوں کی مجلسوں میں تشریف
بتصرف خود ایشاں را منقاد می	لے جاتے تھے اور اپنی قوت باطنی اور
ساختند و بتوسل ایشاں ترویج	تاثیر روحانی سے ان کو اپنا مطیع و
شریعت می فرمودند۔[1]	منقاد بنا لیتے تھے پھر ان کے ذریعہ
	شریعت کو رواج دیتے تھے۔

جہاں تک نمبر ۲ کا تعلق ہے یہ ایک سیاسی ذہنیت رکھنے والے کوتاہ نظر داعی یا قائد کا طرز عمل ہو سکتا ہے جو اپنا کام شک و بدگمانی سے شروع کرتا ہے اور اپنی عجلت پسندی، حکمت دعوت اور جذبۂ خیرخواہی و نصیحت پر محاذ آرائی کو ترجیح دینے کے نتیجہ میں حکومت و اقتدار کو اپنا حریف اور مد مقابل بنا لیتا ہے اور دین کے غلبہ کے امکانات اور میدان کو اور زیادہ تنگ کر لیتا ہے، ایک داعی الی اللہ اور مجدد دین اللہ کا طریق کار نہیں ہوتا جس کا مقصد اپنی ذات یا جماعت کے لئے حصول اقتدار نہیں صرف دین کا غلبہ اور احکام شریعت کا نفاذ و اجراء ہوتا ہے، خواہ وہ کسی کے ہاتھ سے ہو۔

جہاں تک عملی اقدام کا تعلق ہے، وہ سخت خطرات سے بھرا ہوا تھا، اور ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی نقشہ اور ماحول میں اسلام کے بارے میں ایک طرح سے خودکشی کا اقدام تھا، سلطنت مغلیہ جس کو بابر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے قائم کیا تھا، ہمایوں نے اس کے لئے ایران کا ہفت خواں طے کیا تھا، اور اکبر نے اپنی پے در پے فتوحات اور تسخیر ملک سے اس کو مستحکم کیا تھا، ابھی تک ضعف کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے

---

[1] مکتوبات دفتر اول مکتوب ۶۵ بنام خان اعظم

شیر شاہ سوری جیسے اولوالعزم بادشاہ کا جانشین سلیم شاہ اس کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا مختلف وقتوں میں ملک میں رونما ہونے والی بغاوتیں سب ناکام ہو چکی تھیں، پھر اگر مغل فرمانروا کو تخت سلطنت سے اتارنے کی کوشش کامیاب بھی ہو جاتی تو اس کا قوی اندیشہ تھا کہ راجپوت جنھوں نے اکبر کے زمانہ میں خاص طور پر اعلیٰ مناصب حاصل کر لئے تھے اور جن کی فوجی طاقت خود فرمانروائے سلطنت کے لئے سب سے زیادہ قابل اعتماد سرمایہ تھا، حکومت پر حاوی ہو جاتے اور اس ملک میں مسلم اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا تھا۔

پھر یہ تجربہ اس سے پہلے ناکام ہو چکا تھا اکبر کے زمانہ میں شیخ بایزید کی جو پیر روشن اور پیر تاریک کے متضاد ناموں سے مشہور ہیں، قیادت میں ایک بڑی دینی تحریک اور تنظیم فرقہ روشنائیہ کے نام سے شروع ہوئی تھی، اس نے سالہا سال سلطنت مغلیہ کی افواج قاہرہ کا پامردی سے مقابلہ کیا، اس نے کوہ سلیمان کو مستقر بنا کر درۂ خیبر پر بھی قبضہ جما لیا اور قرب وجوار کے علاقوں پر بھی حملہ آور ہوئی، اکبر نے ان کے مقابلہ کے لئے راجہ مان سنگھ اور راجہ بیربل اور زین خاں کو بھیجا لیکن وہ سب ناکام رہے، بیربل ایک مقابلہ میں مارا گیا، روشنائیوں نے ایک بڑے لشکر کی مدد سے غزنی پر بھی قبضہ کر لیا، یہ فتنہ جہانگیر کے عہد ہی میں فرو ہو سکا اور اس کا پورا خاتمہ شاہجہاں کے زمانہ میں ہوا، لیکن اس سب کے باوجود اس بغاوت کا سوائے انتشار کے کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر اس کو منظم و مستحکم مغل سلطنت کے سامنے سپر ڈالنی پڑی اور تاریخ میں صرف اس کا نام رہ گیا۔

اس طرح کے فوجی اقدامات جو کسی اصلاح کے نام سے کئے جاتے ہیں، طاقتوں اور اصحاب اقتدار کی مختلف بدگمانیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں اور وہ دین کو اپنا حریف ورقیب سمجھ کر اس کے استیصال اور اس کے ہم خیالوں اور پیرووں کی تلاش و جستجو کرکے

ان کا قلع قمع کرنے کے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں غالباً اسی بنا پر گوالیار کی اسیری اور لشکر کی ہمراہی سے رہائی پانے کے چار یا پانچ سال بعد ۱۰۳۵ھ میں عہد جہانگیری کے مشہور امیر و وزیر مہابت خان نے بغاوت کی تو اہل بصیرت نے اس کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی، مجدد صاحب کی فراست ایمانی کی بہت بڑی دلیل اور توفیق الٰہی کا یہ روشن ثبوت تھا کہ انھوں نے حالات میں انقلاب لانے کے لئے پر خطر اور مشتبہ راستہ اختیار نہیں کیا اور تخریب کے بجائے تعمیر، نفی کے بجائے اثبات و ایجاب اور ازالہ کے بجائے امالہ کا راستہ اختیار کیا جو ہر طرح کے خطرات سے محفوظ اور ایک بے ضرر راستہ تھا۔

اب مجدد صاحب کے سامنے ایک ہی راستہ رہ جاتا تھا، اور وہ یہی کہ ان ارکان سلطنت سے رابطہ قائم کریں جو بہر حال مسلمان تھے حضرت مجدد صاحب کو اپنی گہری واقفیت اور خداداد ذہانت سے معلوم تھا کہ دربار اکبری کے مخالف اسلام منصوبے میں وہ شریک نہیں تھے، وہ اکبر کے بہت سے اقدامات کو ناپسند کرتے تھے لیکن مجبور تھے، ان میں متعدد اسلام کی محبت اور دینی حمیت سے بھی خالی نہ تھے، ان میں سے کئی ان کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ اور خود ان سے اگر ارادت کا نہیں تو محبت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے وہ حضرت مجدد کے اخلاص و بے غرضی اور اسلام کے لئے دلسوزی اور درد مندی سے واقف تھے، ان میں حسب ذیل حضرات ممتاز تھے، نواب سید مرتضیٰ عرف شیخ فرید (م ۱۰۲۵ھ) خان اعظم مرزا کوکہ (م ۱۰۳۳ھ) خان جہاں لودھی (م ۱۰۴۰ھ) صدر جہاں پہانوی (م ۱۰۲۷ھ) لالہ بیگ جہانگیری۔

ہر چہ از دل برخیزد بر دل ریزد

مجدد صاحب نے انھیں امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو اپنا مخاطب بنایا،

ان سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑے اتار کر رکھ دیئے، یہ خطوط اپنے درد و اخلاص، جوش و تاثیر، زورِ قلم اور قوتِ انشاء کے لحاظ سے ان خطوط و مکاتیب کے مجموعہ میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپردِ قلم کئے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں، اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی آج بھی ان میں اثر و دلآویزی پائی جاتی ہے[1]، اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا، حقیقت میں یہی خطوط مجدد صاحب کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطراتِ اشک اور ان کے لختہائے جگر ہیں، اور دسویں صدی میں ہندوستان کی عظیم سلطنت مغلیہ میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔

امرائے سلطنت کے نام تحریکی و دعوتی خطوط

ان تحریکی و دعوتی خطوط کی ایک بڑی تعداد نواب سید فریدؒ[2] کے نام ہے جو ارکانِ سلطنت

---

[1] مکتوبات کے ادبی پہلو اور حیثیت کے متعلق مصنف کا وہ تبصرہ دوبارہ پڑھ لیا جائے جو اس نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ سوم میں حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کے مکتوبات صدی اور مکتوبات امام ربانیؒ کے ذیل میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۲۲۰-۲۳۲

[2] میر کبیر نواب مرتضیٰ خاں ابن احمد بخاری جو معروف بہ سید فرید کی شخصیت عجیب جامع کمالات و مختلف الجہات تھی، سیاست و انتظام، سخاوت و کرم، تواضع و اخلاق، دین و اہل دین سے محبت اور علو ہمتی اور بلند نظری کا عجیب نمونہ، عہد اکبری ہی میں میر بخشی گری کے عہدہ تک پہنچ گئے تھے، جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو ان کے منصب میں اضافہ کیا اور صاحب سیف و قلم اور مرتضیٰ خاں کا لقب دیا اور صوبہ گجرات کا پھر پنجاب کا صوبیدار بنا دیا، وفات

اور صوبیداران مملکت میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور اکبر کے عہد سلطنت سے سلطنت کے مقرب و معتمد علیہ تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے، ان کی سیادت اور دینی حمیت سے حضرت مجدد نے فائدہ اٹھایا اور اس کا واسطہ دے کر ان کو اپنا فرض دینی اور خاندانی ادا کرنے پر آمادہ کیا اور یہ کہ وہ جہانگیر کو یہ مشورہ دیں کہ سلطنت کا رخ اکبر کے ڈالے ہوئے راستے پر چلتے رہنے اور اسلام کے تقاضوں سے چشم پوشی اور بے تعلقی، اسلام اور مسلمانوں کی کسمپرسی سے حمایت دین اور شعائر و احکام اسلام کے احترام کی طرف موڑنے کی کوشش کریں۔

افسوس ہے کہ ان مکاتیب پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے ورنہ حکمت دعوت اور تدریجی ارتقاء کے کئی اہم گوشے سامنے آتے اور معلوم ہوتا کہ آپ نے کس طرح اپنے مکتوب الیہ اور مکتوب الیہ نے کس طرح بادشاہ کو پھر بادشاہ نے کس طرح سلطنت کے رخ کو حمایت اسلام کے راستہ پر ڈالا، اور پچھلی حکومت کے اثرات کس طرح بتدریج مضمحل ہونے اور ان کی جگہ اسلام دوستی اور اسلام شناسی نے لینا شروع کیا۔ ہم اپنے اندازے کے مطابق ان خطوط کے اقتباسات کو کسی قدر ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

نواب سید فرید بخاری کے ایک مکتوب میں جو غالباً جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد جلد ہی

(باقی حاشیہ گذشتہ کا) عجیبہ جو مدۃ العمر فراموش نہ ہوں گے، جو دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، کبھی اپنے کپڑے اتار کر سائلوں کو دے دیتے تھے، بیواؤں، مسکینوں اور اہل حاجت کے روزینے اور سالانے مقرر کر رکھے تھے، یتیم بچوں پر ماں باپ کی طرح شفقت کرتے، شادی کے قابل غریب لڑکیوں کی شادی اور جہیز کا انتظام کرنا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، ان کے دسترخوان پر ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے قریب روزانہ کھانا کھاتے، شہر فرید آباد (دہلی) انہی کے نام سے منسوب ہے، ۱۰۲۵ھ میں وفات پائی (از نزہۃ الخواطر ج ۵، مختصراً)۔

لکھا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

اپنے آبائے کرام اور خاص طور پر سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"بادشاہ کو عالم سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن سے ہے اگر دل صحیح و صالح ہے تو بدن بھی صحیح و صالح ہوگا، اور اگر وہ فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہوگا، بادشاہ کا صلاح عالم کا صلاح ہے اور اس کا فساد عالم کا فساد ہے۔

آپ کو خوب معلوم ہے کہ قرن ماضی (عہد اکبری) میں اہل اسلام کے سر پر سے کیسی مصیبت گذر گئی، اس سے پہلی صدیوں میں غربت اسلام کے باوجود اہل اسلام کی ذلت وخواری اس سے زیادہ نہ ہوئی تھی اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور اہل کفر اپنے طریق پر لکم دینکم ولی دین لیکن قرن ماضی میں اہل کفر غالب آ کر برملا دار الاسلام میں احکام کفر کا اجراء کرتے تھے اور مسلمان اسلام کے احکام کے اظہار سے بھی مجبور تھے اگر کوئی ہمت بھی کرتا تھا تو موت کی سزا پاتا تھا۔ واویلاہ، وامصیبتاہ، واحزناہ، واحسرتاہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (جو محبوب رب العالمین ہیں) ماننے والے ذلیل وخوار تھے اور آپ کے نبوت کا انکار کرنے والے باعزت وباعتبار مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی نوحہ خوانی میں مصروف تھے اور معاندین تمسخر و استہزاء کے ساتھ ان کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے آفتاب ہدایت گمراہی کے پردہ میں مستور اور نور حق باطل کے حجابات میں مخفی اور روپوش تھا۔

آج جبکہ اسلام کے غلبہ و اقبال سے جو چیز مانع تھی اس کے دور ہو جانے اور بادشاہ اسلام کے سریر آرائے سلطنت ہونے کا مژدہ خاص و عام کے کانوں تک پہونچا ہے اہل اسلام

نے اپنی ذمہ ضروری سمجھا کہ وہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں اور شریعت کی ترویج اور ملت کی تقویت کا راستہ دکھائیں یہ امداد و تقویت خواہ زبان سے میسر آئے خواہ ہاتھ سے۔

پھر چند سطروں کے بعد گذشتہ عہد کے مرض کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قرن ماضی میں جو مصیبت بھی سر پر آئی وہ علماء سوء کی جماعت کی نحوست سے پیش آئی بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا دیتے ہیں امت میں جو بہتر فرقے بنے اور انھوں نے جو راہ ضلالت اختیار کی ان کے مقتدیٰ یہی علماء سوء تھے علماء میں سے کم ایسے گمراہ ہوں گے جن کی ضلالت دوسروں پر اثر کرے اس زمانے کے اکثر جہلائے صوفیہ بھی علماء سوء کا اثر رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی فساد ہے اگر کوئی شخص اس کار خیر (اعانت دین) میں اعانت دین کی استطاعت رکھتا ہے اگر اس میں کوتاہی سے کام لیتا ہے اور کوئی رخنہ اسلام میں نمودار واقع ہوتا ہے وہ کوتاہی کرنے والا بھی قابل شکایت ہوگا اسی بنا پر یہ حقیر قلیل البضاعت بھی چاہتا ہے کہ وہ سلطنت اسلام کی مدد کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہو اور اپنی بساط بھر ہاتھ پاؤں مارے کہ [illegible] قوم فہو منہم کیا عجب ہے کہ اس بے استطاعت کو اس عالی جماعت میں شامل کرے، وہ اپنی شان اس ضعیفہ کی طرح سمجھتا ہے جس نے کچھ سوتیاں بٹ کر اپنے کو خریداران یوسف کے سلک میں منسلک کرنا چاہا تھا، امید ہے کہ جلد ہی یہ فقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، آپ سے اس کی توقع ہے کہ چونکہ آپ کو بادشاہ کا قرب خاص حاصل ہے اور ان باتوں کے گوش گذار کرنے کے مواقع میسر ہیں، خلوت و جلوت میں شریعت محمدی کی ترویج کی کوشش کریں گے اور مسلمانوں کو اس غربت و بیکسی سے نکالیں گے"[1]

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر اول۔

سید فرید کے نام ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت غریب اہل اسلام جو اس گرداب میں گرفتار ہیں، نجات کی امید اہل بیت ہی کے سفینہ سے لگائے ہوئے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مثل اهل بيتي كمثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك"[1] ہمت عالی کو اس مقصد عالی پر مرکوز کردیں کہ یہ سعادت عظمیٰ ہاتھ آئے اللہ کی عنایت سے ہر طرح کا جاہ و جلال اور عظمت و شوکت آپ کو میسر ہے اس شرف ذاتی (سیادت خاندانی) کے ساتھ اگر یہ سعادت بھی شامل ہو جائے تو سب سعادتمندوں سے بازی لے جائیں، یہ حقیر اسی طرح کی باتوں کے عرض معروض کے لئے جن کا مقصد تائید و ترویج شریعت ہے آپ کی خدمت میں آنے کا ارادہ رکھتا ہے"[2]

ایک تیسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"سیادت پناہا! آج کے دن اسلام بڑا بیکس اور غریب الوطن ہے ایک پیسہ بھی جو اس وقت اسلام کی تقویت میں صرف کیا جائیگا کروڑوں میں خریدا جائے گا، دیکھنا چاہئے کہ کون شہباز ہے جس کو اس دولت عظمیٰ سے مشرف فرمائیں گے، ترویج دین و تقویت ملت کا کام جس زمانہ میں جس شخص سے بھی وقوع میں آئے مستحسن ہے اور خوشنما لیکن اس وقت۔ اسلام غریب الوطن ہے اور آپ جیسے سادات سے زیبا تر و رعنا تر ہے کہ یہ دولت آپ کے خاندان کے لئے خانہ زاد ہے آپ کے لئے وہ بالذات ہے اور دوسروں کے لئے بالواسطہ، اس سعادت کے حصول میں اپنے جد امجد کا وارث ہونا بڑی قیمت رکھتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرکے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم ایسے زمانہ

---

[1] مشکوٰۃ عن ابی ذرؓ از مسند احمد [2] مکتوب ۲۱ دفتر اول۔

میں ہو کر اوامر و نواہی کا دسواں حصہ چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ، تمہارے بعد ایک گروہ ایسا آئے گا کہ اگر اوامر و نواہی کے دسویں حصہ پر عمل کریں گے تو نجات پائیں گے، یہ وقت وہی وقت ہے اور یہ گروہ وہی گروہ ہے

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

سید فرید کے بعد حضرت مجدد کی نظر انتخاب سلطنت مغلیہ کے دوسرے رکن رکین خان اعظم[1] پر پڑی جو شاہی خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے تھے، جہانگیر کو بھی ان کی اہمیت و قدر و منزلت کا احساس تھا، مشائخ نقشبندیہ سے بھی ان کو عقیدت و محبت تھی، جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ہی غالباً حضرت مجدد نے ان کو مکتوب ذیل تحریر فرمایا ہے۔

"أيدكم الله سبحانه ونصركم على أعداء الإسلام في إعلاء الإسلام" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث "الاسلام بدأ غريباً وسيعود كما بدأ فطوبى للغرباء" (اسلام کا آغاز مسافرانہ بیکسی سے ہوا اور پھر وہ اسی مسافرانہ بیکسی کو پہنچ جائے گا تو مبارک ہو

---

[1] مرزا عزیز الدین نام، اکبر کے رضاعی بھائی ہونے کی وجہ سے کوکا کا خطاب تھا، غزنی پیرہا وطن تھا، [illegible]ھ میں گجرات کے صوبیدار تھے، ان کو محمد حسین مرزا کے محاصرہ سے چھڑانے کے لئے اکبر نے آگرہ سے احمد آباد ایک ہزار چار سو میل کا سفر نو دن میں کیا، گجرات کے بعد بنگال و بہار کے صوبیدار ہوئے، خان اعظم خطاب ملا، دوبارہ [illegible]ھ میں گجرات کی صوبیداری ملی، اس قرب و اختصاص کے باوجود اکبر کے غیر شرعی امور پر علانیہ صاف نکیر کرتے تھے، اس کے باوجود مہر شاہی مہر اوزک ان کے سپرد کی گئی اور ان کو وکیل مطلق کا عہدہ دیا گیا، جہانگیر نے بھی اہم مناصب حکومت سپرد کئے اور گجرات کی صوبیداری عطا کی، ۱۰۳۳ھ میں انتقال کیا (نزہۃ الخواطر مختصراً)۔

ان لوگوں کو جو اس کے شریک حال ہوں) اسلام کی بیکسی اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور بے تکلف احکام کفر کے اجرا اور کوچہ و بازار میں اس کی مدح و ثنا سے نہیں شرماتے اس کے مقابلہ میں مسلمان احکام اسلام کے اجراء سے مجبور اور اگر ان پر عمل کر لیتے ہیں تو مذموم و مطعون ہوتے ہیں ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"آج کے دن جناب کی ہستی کو ہم مغتنم سمجھتے ہیں اور ہماری ہوئی بازی میں آپ کے سوا کسی کو مرد میدان نہیں پاتے اللہ آپ کا مؤید و ناصر ہو بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات والبرکات" حدیث میں آیا ہے "لن یؤمن احدکم حتی یقال انہ مجنون" اس وقت وہ جنون جس کا باعث فرط غیرت اسلام ہے آپ ہی کی طبیعت میں محسوس ہوتا ہے الحمد للہ سبحانہ علی ذلک" آج کا دن وہ دن ہے کہ عمل قلیل کو اجر جلیل کے بدلہ میں بڑی قدر کے ساتھ قبول فرماتے ہیں، اصحاب کہف سے سوائے عمل ہجرت کے کوئی اور نمایاں عمل ثابت نہیں جس کو اتنی اہمیت دی جائے، دشمنوں کے غلبہ کے وقت اگر وفادار سپاہی تھوڑی سی مستعدی دکھائیں تو بڑی عزت پاتے ہیں بخلاف اس وقت کہ جب امن کا زمانہ ہوتا ہے اور دشمن اپنی جگہ پر ہوتے ہیں، جہاد قولی کا یہ موقع جو آج آپ کو میسر ہے، جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت سمجھئے اور "ھل من مزید" کہئے اس جہاد بسان کو جہاد بسیف و سنان سے بھی اس وقت افضل سمجھیں، ہم فقیر لوگ بے دست و پا اس دولت سے محروم ہیں۔

هنیئاً لأرباب النعیم نعیمها وللعاشق المسکین ما یتجرع
دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں گر ما نرسیدیم تو شاید برسی"

پھر چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں:-

"سلطنت سابقہ میں دینِ مصطفوی کے ساتھ جو عناد نظر آتا تھا، بظاہر اس سلطنت میں وہ عناد نہیں ہے، اگر ہے بھی تو لاعلمی کی وجہ سے ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں یہاں بھی معاملہ اس عناد تک پہونچ جائے اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے ع

جو بید بر سر ایمان خویش می لرزم[1]

دربارِ جہانگیری کے ایک دوسرے اعلیٰ عہدہ دار خانِ جہاں[2] کے نام بھی مضمون مختصراً لکھتے ہیں:-

"آپ جس خدمت پر فائز ہیں، اگر اس کو شریعتِ مصطفوی پر عمل کرنے کے ساتھ جمع کرلیں تو انبیاء علیہم السلام والا کام کریں گے، علیہم الصلوات والتسلیمات، اور دینِ متین کو منور و معمور کر دیں گے، ہم فقیر اگر سالہا سال جان کھپائیں تو اس عمل میں آپ جیسے شہبازوں کے گرد کو نہیں پہونچ سکتے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد[3]

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر اول [2] امیر کبیر خانِ جہاں ابن دولت خاں لودھی، جہانگیر کو ان پر بڑا اعتماد تھا اور وہ ان سے بڑی محبت کرتا تھا، بڑے علم دوست اور علماء پرور تھے، عام لوگوں سے بھی اچھا سلوک تھا، شاہجہاں کے عہد میں بغاوت کی اور ۱۰۴۰ھ میں قتل کرا دیئے گئے (نزہۃ الخواطر ۵)۔

[3] مکتوب ۸۱ دفتر سوم۔

ایک دوسرے مفصل مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"وہ دولت جس سے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے، اور لوگ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف (اور اندیشہ ہے کہ آپ بھی اس سے پورے طور پر آگاہ نہ ہوں) یہ ہے کہ بادشاہ وقت سات پشت سے مسلمان چلا آرہا ہے، وہ اہل سنت میں سے ہے اور حنفی المذہب ہے، اگرچہ چند سال سے اس زمانہ میں کہ قرب قیامت ہے اور عہد نبوت سے بُعد ہو چکا ہے، بعض لکھے پڑھے لوگوں نے طمع کی نحوست سے جو خرابیٔ باطن کا نتیجہ ہے، حکام و سلاطین سے تقرب حاصل کرکے ان کی خوشامد میں آکر دین متین میں شکوک و شبہات پیدا کردیئے ہیں، اور سادہ لوح لوگوں کو راستہ سے ہٹا دیا ہے، جہانگیر جیسا بادشاہ عظیم الشان جب آپ کی بات غور و التفات کے ساتھ سنتا ہے، اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیا نادر موقع ہے کہ آپ صراحتاً یا اشارۃً کلمۂ حق (کلمۂ اسلام) کو جو اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے مطابق ہے (شکر اللہ تعالیٰ سعیہم) گوش گذار کردیں، اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں، بلکہ برابر اس بات کے جویا اور نگراں رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب و ملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان و شناعت کے اظہار کا موقع ملے۔[1]

ان ارکان سلطنت کے علاوہ آپ نے ایک دوسرے عہدہ دار سلطنت لالہ بیگ کو بھی اسی مضمون کے خط لکھے جو اکبر بادشاہ کے لڑکے سلطان مراد کے بخشی تھے اور بہار کے گورنر بھی رہے تھے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"زادنا اللہ سبحانہ و ایاکم حمیۃ الاسلام" اسلام کی غربت و بیکسی تو یہاں ہو گئی

---

[1] مکتوب ۶۵ دفتر دوم۔

اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ بلاد اسلام میں اہل کفر بعض احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے، چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ زائل ہو جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، معاملہ کو اس سرحد تک پہونچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعائر مثلاً ذبح بقر کا اظہار کرتا ہے تو قتل کی سزا کو پہونچ جاتا ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"ابتدائے بادشاہت میں اگر مسلمانی رواج پا جائے اور مسلمان کچھ عزت پیدا کرلیں فبہا، اور اگر عیاذاً باللہ سبحانہ اس معاملہ میں توقف ہوا تو معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت مشکل ہو جائے گا" الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث" دیکھئے کون صاحب اقبال اس سعادت سے سرفراز ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے؟ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم[1]

سلطنت جہانگیری کے ایک اور امیر صدر جہاں تھے[2] ان کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:-

"یقین ہے کہ مقتدائے اسلام، سادات عظام، علمائے کرام ..... خفیہ و علانیہ دین متین کی ترقی و تقویت اور اس صراط مستقیم کی تکمیل میں مشغول ہوں گے، یہ بے سروسامان اس معاملہ میں کیا دراز نفسی سے کام لے[3]"

---

[1] مکتوب ۸۱ دفتر اول [2] مفتی صدر جہاں پہانی (ضلع ہردوئی) کے رہنے والے تھے، علوم عربیہ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، پہلے لشکر شاہی میں مفتی مقرر ہوئے، پھر صدارت کے عہدہ پر ان کا انتخاب ہوا، جہانگیر کو ان سے تلمذ حاصل تھا اور اس نے چہل حدیث ان سے حفظ کی تھی، جہانگیر نے پانچ ہزاری منصب صدیت جاگیر عطا کی تھی، ایک سو بیس سال کی عمر پائی، آخر تک ہوش و حواس سلامت تھے، ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ج ۵) [3] مکتوب ۱۹۴ دفتر اول۔

گذشتہ غلطی کا اعادہ نہ کیا جائے

آخر وہ مبارک وقت آگیا کہ جہانگیر کو غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اپنی حکومت وانتظام کے عام اصول کے مطابق، چاہا کہ علماء کی ایک جماعت دینی امور میں مشورہ دینے اور غلطیوں سے بچنے کے لئے دربار میں موجود رہے، اس نے دیندار ارکان سلطنت سے فرمائش کی کہ چار دیندار علماء کو تلاش کرکے دربار میں ہر وقت حاضر رہنے پر آمادہ کردیں، جو مسائل شرعیہ کی وضاحت کریں، اور ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہے، مجدد صاحبؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے فراست صادقہ اور اعلیٰ دینی بصیرت عطا فرمائی تھی، اور سابق سلطنت کے انحراف کی تاریخ اور اس کے اسباب پر ان کی گہری نظر تھی، یہ اطلاع سن کر بجائے مسرور ہونے کے فکر مند اور پریشان ہوگئے، اور انھوں نے ایک خط شیخ فرید کو اور ایک خط نواب صدر جہاں کو اس مضمون کا لکھا کہ:۔

"خدارا... ایسی غلطی نہ کریں، بجائے متعدد علمائے ظاہر کے ایک مخلص بے لوث عالم ربانی کا انتخاب کریں!

شیخ فرید کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ثبتکم اللہ سبحانہ علی جادۃ آبائکم الکرام، سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام نے اپنے حسن فطرت اور اسلامیت کی بنا پر جو اس کی طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے آپ سے فرمایا ہے کہ چار علمائے دیندار کی خدمات حاصل کریں جو دربار میں رہیں اور مسائل شرعیہ کو بیان کریں تاکہ بادشاہ کا کوئی حکم یا عمل خلاف شرع واقع نہ ہو، الحمد للہ سبحانہ علی ذلک" مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کیا خوشخبری اور ماتم زدوں کے لئے اس سے

بہتر کیا نوید مسرت ہو سکتی ہے لیکن یہ فقیر ضرورتاً اور مجبوراً اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے امید ہے کہ معذور قرار دیں گے کہ صاحب الغرض مجنون۔

غرض یہ ہے کہ ایسے علماء و مشائخ اولاً تو خود ہی اقل قلیل ہیں جو حب جاہ و حب اقتدار سے بلند ہو چکے ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے سوا کوئی غرض نہ رکھتے ہوں، اگر حب جاہ کی بنا پر ان علماء میں سے کوئی ایک پہلو اختیار کرے گا اور اپنی فضیلت و برتری کا اظہار کرے گا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کے ذریعہ سے بادشاہ کا قرب اور اس کے یہاں اقتدار و اعزاز حاصل کرنا چاہے گا تو معاملہ دین کا کام ابتر ہوگا قرن سابق میں علماء کے اختلافات ہی نے عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا اور اب پھر وہی خطرہ درپیش ہے، ترویج دین کا کیا ذکر یہ امر تخریب دین کا باعث ہوگا۔ العیاذ باللہ سبحانہ من ذلک ومن فتنۃ علماء السوء اگر کوئی شخص ان چاہے کہ ایک عالم کا اس مقصد کے لئے انتخاب کیا جائے تو بہتر ہوگا، اگر وہ علمائے آخرت میں سے ہوگا کیا ہی اچھا کہ اس کی صحبت کبریت احمر ہے اور اگر علمائے آخرت میں سے کوئی نہ ملے تو اس طبقہ علماء میں سے بہتر سے بہتر آدمی کا انتخاب کیا جائے کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھا جائے، جیسے کہ خلائق کی خلاصی علماء کے ساتھ وابستہ ہے، عالم کا نقصان بھی انہی کے ساتھ مربوط ہے، علماء میں جو بہترین ہیں وہ عالم کے بہترین ہیں اور جو ان میں بدترین ہیں وہ مخلوقات میں بدترین ہیں، ہدایت و ضلال کو اسی گروہ کے ساتھ مربوط کر دیا گیا ہے، کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ و بیکار بیٹھا ہوا ہے، انھوں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگا کہ اس وقت کے علماء ہمارا کام کر رہے ہیں

اور اغواء و اضلال کا کام کر رہے ہیں ؎

عالمے کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

غرض کہ اس معاملہ میں پورے غور و تأمل اور فکر صحیح سے کام لے کر قدم اٹھائیں جب معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا مجھے شرم آتی ہے کہ ایسی باتیں زیرک و دانا جیسے کہ آپ ہیں حضرات کے سامنے کی جائیں لیکن اس کو اپنے لئے وسیلۂ سعادت سمجھ کر باعث تصدیع ہوا۔[1]

عقیدتمند ارکان سلطنت اور ان سے خط و کتابت

ان مکتوب الیہم کے علاوہ جن کے نام کے مکاتیب میں حضرت مجدد اسلام کی غربت و بیکسی، احکام و شعائر اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مجبوری پر خون کے آنسو روئے ہیں اور ان کو اپنے قرب و اعتماد، خدمات جلیلہ اور منصب و عہدہ کے اثر سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کو صورت حال کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی موروثی و خاندانی رگِ اسلامیت کو حرکت میں لانے کی کوشش کی طرف توجہ دلائی ہے کچھ امرائے کبار اور اراکین سلطنت کے نام آپ کے مکاتیب کی ایک بڑی تعداد ہے جو اصلاحی و ترغیبی ہیں اور جن میں سلوک و تصوف کے بعض غوامض کو حل فرمایا گیا ہے، دنیائے دنی کی طرف سے بے رغبتی اور نعیم اخروی اور ترقیات باطنی کے حصول کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یہ خطوط امیر الامراء عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۰۳۶ھ) قلیج خان اندجانی اکبری (م ۱۰۲۳ھ) خواجہ جہاں

---

[1] مکتوب ۵۳ دفتر اول، صدر جہاں کے نام مکتوب ۱۹۴ دفتر اول میں بھی اسی مضمون کو مختصراً تحریر فرمایا ہے۔

(م ۱۰۳۶ھ) مرزا داراب ابن خان خاناں جہانگیری (م ۱۰۳۳ھ) اور شرف الدین حسین بدخشی کے نام ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان امرائے کبار کو حضرت سے گہری عقیدت و محبت تھی، یہ خطوط ایسے ہی ہیں جیسے ایک شیخ اپنے زیر تربیت مریدین کو لکھتا ہے، ان کی لغزشوں پر تنبیہ بھی کرتا ہے، ان کو وعظ و نصیحت بھی کرتا ہے، اور ان کی دینی ترقی اور روحانی استعداد و مناسبت پر خوشی کا اظہار بھی کرتا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس قوی تعلق اور گہری عقیدت کے بعد ان امرائے کبار نے حضرت مجدد کے اصلاح سلطنت کے منشاء کے مطابق بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور اسلام کی خیر خواہی اور ہمدردی میں کوئی کوتاہی نہ کی ہوگی اور انھوں نے اس کام میں اپنے مخدوم و شیخ کی تمنا پوری کرنے اور دوسرے امراء سلطنت کے ساتھ (جن کو آپ نے اس مقصد عظیم کے لئے خطوط لکھے تھے) تعاون کرنے سے دریغ نہ کیا ہوگا۔

اصلاح حال میں حضرت مجدد کا ذاتی اثر و فیض

ابھی تک جو کچھ تفصیل بیان کی گئی اس کا تعلق حضرت مجدد کی بالواسطہ کوششوں سے تھا، یعنی انھوں نے امرائے کبار اور ارکان سلطنت کو دین کی نصرت و حمایت، بادشاہ کو احترام دین و شریعت اور اصلاح حال پر اپنے مکاتیب کے ذریعہ جن میں حمیت اسلامی کی بجلیاں کوندتی نظر آتی ہیں کس طرح پے در پے خطوط لکھے اور ان سے اس مقصد کی تکمیل میں کس طرح کام لیا، یہ سعی یقیناً رائگاں نہیں گئی اور ان مکتوب الیہم نے اور خاص طور پر نواب سید فرید نے حکومت کا رخ بدلنے میں بنیادی و مرکزی کردار ادا کیا۔

لیکن ابھی فرمانروائے سلطنت جہانگیر کے مزاج و طبیعت میں وہ تبدیلی نہیں پیدا ہو

ہوئی تھی جس کی اس عظیم الشان اور دشوار کام کے لئے ضرورت تھی، شخصی و موروثی سلطنتوں میں بادشاہ کی ذات وہ مرکزی نقطہ ہوتی ہے جس کے گرد حکومت کا سارا نظام گردش کرتا ہے، اس کا کسی بات کے لئے ارادہ کر لینا اور اس کے ذہن کا کسی امر کو قبول کر لینا خدا کے کسی مخلص اور بے لوث بندے سے اس کے دل میں عقیدت و محبت کا پیدا ہو جانا اور اس کے اخلاص پر اعتماد کر ہزاروں میل کے فاصلہ کو گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرا دیتا ہے، اور بعض اوقات بظاہر ناممکن العمل چیز کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیتا ہے، ابھی تک جہانگیر حضرت مجدد کے روحانی و علمی مقام سے ناآشنا تھا، وہ ان اہل علم و اہل مشیخت میں نہیں تھے جو درباروں میں آتے جاتے ہیں، اب اس کی کیا صورت تھی کہ جہانگیر کو براہ راست ان سے واسطہ پڑے، وہ ان کے علو مقام سے (اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق) واقف ہو، حکمت الٰہی نے اس کا بھی عجیب و غریب طریقہ پر انتظام کیا، وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو) کی تفسیر ہے۔

جہانگیر کا تأثر

باب سوم میں قارئین قلعہ گوالیار کی اسیری اور لشکر شاہی کی نظر بندی کی داستان پڑھ چکے ہیں، لشکر شاہی کے ساتھ حضرت مجدد ۳½ سال تک رہے[1]، بادشاہ سے مجلسیں رہیں، مسائل دینیہ پر مذاکرہ و گفتگو رہی، بادشاہ نے حضرت مجدد کی دینی صلابت اور

---

[1] قلعہ گوالیار سے رہائی جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ میں ہوئی تھی اور لشکر شاہی سے رخصتی ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ میں ہوئی، اس طرح ساڑھے تین سال ہوتے ہیں

استقامت کا نمونہ سجدۂ تعظیمی اور آداب شاہی سے انکار اور گوالیار کی اسیری میں پوری خودداری اور عزت نفس کے ساتھ رہنے اور معافی نہ مانگنے کی شکل میں دیکھا، حضرت مجدد کے روحانی فیوض و برکات اور ان کی صحبت کی تاثیر کو سیکڑوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کی شکل میں دیکھا، پھر لشکر شاہی کی طویل رفاقت میں ان کے زہد و استغناء اور ان کی عبادت و معمولات کی پابندی کو بھی دیکھا، مجلس کی گفتگو میں ان کے رسوخ فی العلم کا بھی تجربہ کیا ہوگا، یقیناً وہ ایک سلیم الطبع، ذہین اور ہوشمند فرمانروائے سلطنت کی حیثیت سے جس کو امراء و علماء و مشائخ، دنیاداروں اور دینداروں کی ایک بڑی تعداد کے حالات کا اپنے والد اکبر کے دور سے اس وقت تک مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا، اور اس سے اس میں مردم شناسی کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی جو ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی جن کو کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا اتنا طویل موقع نہیں ملتا، مجدد صاحب کے متعلق ضرور سمجھ گیا ہوگا کہ وہ ان لوگوں سے بہت مختلف ہیں جو ابھی تک دربار کی زینت یا بوریائے فقر کے مسند نشین تھے۔

واقعہ ذیل میں جو جہانگیر نے پوری تفصیل اور ایک حد تک تشکر و فخر کے اظہار کے ساتھ لکھا ہے، حضرت مجدد کی صحبت و جذبات کا اثر صاف جھلکتا ہے، جہانگیر کے اس اقدام کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اگر یہ امر سامنے رکھا جائے کہ یہ قلعہ آزمودہ کار مسلمان سپہ سالاروں کے بجائے راجہ بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔

جہانگیر لکھتا ہے:-

بتاریخ بیست و چہارم ماہ مذکور توجہ بسیر قلعہ کانگڑہ	ماہ مذکور کی ۲۴ تاریخ کو قلعہ کانگڑہ کی سیر کے
نمودم حکم کردم کہ قاضی و میر عدل و دیگر علمائے اسلام	ارادہ سے نکلا اور میں نے حکم دیا کہ قاضی و میر عدل و دیگر
در رکاب بودہ آنچہ شعار اسلام و شرائط دین محمدی	علمائے اسلام جو ہمرکاب ہیں جو اسلامی شعائر اور دین محمدی
است در قلعہ مذکور بعمل آرند۔ بالجملہ قریب یک کروہ	کے شرائط ہیں وہ اس قلعہ مذکور میں بجا لائیں مختصر

---

[1] تزک جہانگیری [illegible]

طی نمودہ بطراز فلک بر شد بتوفیق ایزد تعالیٰ — ایک کوس کی مسافت طے کر کے قلعہ کی بلندی پر پہنچا
بانگ نماز و خواندن خطبہ و کشتن گاو و غیرہ کہ از ابتدائے — توفیق الٰہی سے اپنی موجودگی میں اذان، نماز اور خطبہ
بنائے این قلعت تا حال نشدہ بود بعمل آمد بحضور خود — گائے ذبح کی گئی جو اس قلعہ کی تعمیر کے وقت سے کبھی
بعمل آوردم سجدات شکر این موہبت عظمیٰ کہ ہیچ — عمل میں نہ آیا تھا اپنے سامنے عمل کرایا اس نعمت الٰہی پر
بادشاہی توفیق بر آں نیافتہ بود بتقدیم رسانید — بادشاہ کو بھی اس کی توفیق نہیں ہوئی تھی شکر کے سجدے کیا
حکم فرمودم کہ مسجد عالی درون قلعہ بنا نہند[1] — لازمی حکم دیا کہ ایک بلند و بالا مسجد قلعہ کے اندر تعمیر کی جائے

اس بالواسطہ اور بلاواسطہ کوشش سے اولاً سلطنت کا رخ اسلام کی طرف سے تغافل بلکہ تجاہل اور اس سے آگے بڑھ کر بغض و نفرت سے ہٹ کر اسلام کے احترام اور شعائر اسلام کی بلندی اور بادشاہ اسلام کی اسلام سے دلچسپی کی طرف تبدیل ہوا، جس کا سلسلہ جہانگیر کے آخری دور سے شروع ہو کر صاحبقران ثانی شاہجہاں کے عہد سلطنت پر پایۂ تکمیل ہوا۔

شاہجہاں کا دور

صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ) کا دور جس کا عہد سلطنت ۱۰۳۷ھ سے شروع ہو کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ ۳۱ سال رہا، جو حضرت مجدد کی وفات کے دو سال بعد تخت سلطنت پر بیٹھا، ایک غیر محسوس تدریجی اصلاح و بہتری کا دور تھا۔ شاہجہاں کے متعلق اس بات کا کوئی قابل اعتماد تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ وہ حضرت مجدد یا ان کے فرزند ارجمند خواجہ محمد معصوم سے باقاعدہ بیعت و ارادت کا تعلق رکھتا تھا، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے دل میں ہمیشہ حضرت مجدد کے لئے نرم گوشہ اور احترام و اخلاص رہا، چنانچہ جب حضرت مجدد نے بادشاہ کی طلبی پر دربار میں آنے کا ارادہ کیا اور یہ معلوم تھا کہ حضرت مجدد سجدۂ تعظیمی اور دربار کے آداب قبول نہیں کریں گے

---

[1] تزک جہانگیری جشن شانزدہم نوروز ص ۳۱۳

تو شاہجہاں نے افضل خاں اور مفتی عبدالرحمٰن کو (جو شاہزادہ کے مصاحبین و متوسلین میں تھے) بعض کتب فقہیہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ "سجدۂ تعظیمی سلاطین کے لئے جائز ہے اور فقہاء نے خاص حالات میں اس کی اجازت دی ہے، اگر آپ ملاقات کے وقت بادشاہ کے لئے یہ آداب بجالائیں تو میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا، حضرت مجدد نے اس کو قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ "یہ رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو کسی حال میں سجدہ نہ کیا جائے۔[1]

شاہجہاں کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک نیک دل بادشاہ، شریعت کا احترام کرنے والا، عظیم مساجد کی تعمیر کا خاص شوق رکھنے والا، اور اپنی ذات سے فرائض شرعی کا پابند تھا، علماء اور صلحاء کو اپنے قریب رکھتا تھا اور ان پر اعتماد کرتا تھا، اس کے وزیر با تدبیر جملۃ الملک سعد اللہ خاں علامی (م ۱۰۶۶ھ)[2] اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور صاحب دین تھے، اس ذاتی دینداری و خدا ترسی کے ساتھ (جو ایک وسیع سلطنت رکھنے والے خود مختار بادشاہ کی زندگی میں غنیمت بھی جانی چاہیئے) شاہجہاں نے عہد جہانگیری کی بعض خلاف شرع رسوم و آداب کو بھی بند کیا، شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب فارسی کی معاصر تاریخوں بادشاہ نامہ وغیرہ کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں:-

> "جب شاہجہاں نے تخت سلطنت پر جلوس کیا تو اس کو مراسم ملت مصطفوی اور شریعت محمدی کا جس میں کچھ خلل پڑ گیا تھا، ایسا پاس و لحاظ تھا کہ اول اس نے حکم دیا کہ سجدہ کرنے کی تعظیم جو معبود حقیقی سزاوار ہے، اب آئندہ کوئی دوسرے کے لئے اپنی پیشانی کو خاک مذلت پر نہ رکھے، مہابت خاں کے کہنے سے اس کی جگہ پہ زمین بوس مقرر کیا، مگر اس میں بھی سجدہ کے ساتھ مشابہت

---

[1] تفصیل کے لئے کتاب کا باب سوم ملاحظہ ہو۔ [2] ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" جلد ۵

جو نا تھی۔ اس کو بھی بوقت [illegible] کے تقسیم [illegible] کی[1]

سر رچرڈ برن SIR RICHARD BURN لکھتا ہے کہ:-

"شاہجہاں اسلامی عقائد کو سختی سے دوبارہ [illegible] چاہتا تھا جن میں دوسرے مذاہب کے لئے ادب سے تعرض بھی شامل نہیں ہونا چاہتا تھا اس نے جلد ہی تخت نشین ہو کر سجدہ کی [illegible] ...... الٰہی سنہ بھی جسے اکبر نے رائج کیا تھا اس کا سرکاری کاغذات و سکوں پر استعمال شاہجہاں کی تخت نشینی کے چند سال بعد ختم ہو گیا ...... ۱۶۳۴ء میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان مناکحت جو پنجاب و کشمیر میں عام تھی ممنوع قرار دے دی گئی"[2]

مولوی ذکاء اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

"سرکاری قواعد سے تمامی عالم پر ظاہر ہو گیا کہ احکام شریعت و آداب [illegible] ...... [illegible] مقرر ہوا تحقیق و ثبوت کے بعد [illegible] ہندوؤں کے تصرف سے نکالے اور ان کی عمارات و مسجدوں کو [illegible] انہوں نے حکم مذکور کے مطابق عمل کیا [illegible] بعض نے ان کو جدا کیا اور ہندو سے [illegible] کراتے تھے [illegible] جنہوں نے قرآن شریف کی بے ادبی کی تھی ان کو بعد ثبوت ...... [illegible] سزا دی [illegible] تمام [illegible] جس جگہ یہ صورت پیدا ہوئی ہو وہاں خبر کے متعلق تحقیق کریں"[3]

لیکن اس احترام شریعت اور قدیم دینی حمیت کے ساتھ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شاہجہاں اپنے متشرع صاحب علم اور صاحب صلاحیت فرزند اورنگ زیب کے مقابلہ میں اپنے صلح کل آزاد مشرب بڑے بیٹے دارا شکوہ کو ترجیح دیتا تھا اور اسی کو تخت و تاج کا وارث اور اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا اور یہی شخصی و موروثی سلطنتوں اور دین و سیاست کی تفریق

---

[1] [illegible] جلد [illegible] صفحہ ۲۱۸ باختصار [illegible] CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA [illegible]

[3] تاریخ ہندوستان جلد [illegible] صفحہ [illegible]

کے اصول پر کاربند فرمانروایان سلطنت کی وہ خصوصیت ہے جہاں ان کی ذاتی دینداری امور سلطنت پر اثر انداز اور کسی غلط یا معتبر جانشین کے انتخاب میں مانع نہیں تھی۔

شاہزادہ داراشکوہ

عہد عالمگیری میں جو تاریخیں مرتب کی گئیں ہیں بعض ان کے اعتماد پر ہم داراشکوہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے نہ اس کے قطعی طور پر بے دین و بدعقیدہ ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تخت و تاج کے لئے بھائیوں کی یہ جنگ تھا لعث دو فلسفوں دو طرز فکر اور دین و لادینیت کی جنگ تھی لیکن غیر مسلم اور غیر جانبدار مؤرخوں کے بیانات سے بھی اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پردادا اکبر کے رنگ سے قریب تر اور وحدت ادیان کے نظریہ سے متاثر اور شریعت و ویدانت میں مطابقت ثابت کرنے کے لئے کوشاں تھا، فرانسیسی ڈاکٹر برنیر لکھتا ہے کہ بوزی صاحب فلیمش پادری کے مواعظ و تقریر کو بہت رغبت سے سنتا تھا ہندو مسلمان کو ایک مذہب کرنا چاہتا تھا، دائرۂ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے بقول:۔

> "وہ تصوف سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور ہندو فلسفہ کے زیر اثر تھا اس نے مسلمان صوفیا اور ہندو سنیاسیوں سے گہرے تعلقات قائم کر لئے تھے، ان میں (مسلمان صوفیین اور علماء کے ساتھ) سرمد مشہور آزاد مشرب وجودی اور بابا لال داس بیراگی کبیر کا پیرو بھی تھا:
>
> "داراکی بعض تصانیف سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ نظریہ وحدۃ الوجود کا پیرو تھا، وہ ہندو فلسفہ اور دینیات سے متاثر تھا جس کی وجہ سے وہ متعدد ایسے ملحدانہ خیالات کی طرف مائل ہو گیا جن کے واضح مماثل ہندو فلسفہ میں پائے جاتے ہیں اور جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں…… دارا اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ویدانت اور تصوف دونوں کے ذریعہ حق"

> کا ادراک کرنا چاہیے اور باہم مخالف نہیں، فرق صرف لفظوں کا ہے اور اپنشدوں کے ترجمے میں جسے وحدت کا سرچشمہ بیان کیا گیا تھا، دارا نے دونوں مذاہب اسلام اور ہندومت کے بہت سے مشترک نظریات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، نیز اس نے یہ چاہا کہ ہندوؤں کے اعتقادات سے مسلمانوں کو شناسا کرائے۔[1]

دارا کے ان افکار و خیالات، رجحانات و جذبات کی بنا پر جو اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرے سے مخفی نہیں رہ سکتے تھے اور جس کا بیدار مغز شہزادے اورنگ زیب نے پورا فائدہ اٹھایا ہوگا، زیادہ بھی محل استعجاب نہیں کہ ہندوستان کے دیندار حلقے علماء دین اور متبع شریعت شیوخ طریقت اور ان کے متبعین نے جو اکبر کے دور میں اسلام کی بے بسی و بے دخلی کا منظر دیکھ چکے تھے یا انھوں نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا، اس جنگ برادران میں داراشکوہ کے مقابلہ میں حامی اسلام، پابند مذہب و شریعت شاہزادہ اورنگ زیب کی نصرت و حمایت اور اپنی دعاؤں اور ترغیب و تحریض سے اس کی پوری مدد کی ہو۔[2]

اس کشمکش کا نتیجہ سب کو معلوم ہے کہ اورنگ زیب نے داراشکوہ پر فتح پائی اور ۱۰۶۸ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور پوری نصف صدی بڑے کروفر کے ساتھ حکومت کی۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور اس کی دینی حمیت و حمایت

اورنگ زیب عالمگیر نے جس کو حضرت مجدد کے خاندان سے عقیدت اور ان کی

---

[1] مقالہ داراشکوہ اور وحدانیت، معارف، اعظم گڑھ جلد [illegible] شمارہ [illegible] نیز ملاحظہ ہو "AURANGZEB" از ظہیر الدین فاروقی ص [illegible]

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر محمد اسلم کا مقالہ اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار، مشمولہ تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم ص [illegible]

دعوت و سلوک سے شروع سے مناسبت تھی) حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت و ارادت کا تعلق قائم کر لیا تھا۔[1] اس بات کے متعدد شواہد و قرائن ہیں کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سے محض غائبانہ عقیدت اور عام نیازمندی کا نہ تھا، بلکہ اس نے باضابطہ اصلاح و تربیت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کر لیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کی اورنگ زیب کی شہزادگی کے وقت سے اس پر نظر خاص تھی اور وہ اس کو شہزادۂ دین پناہ (جو ایک پیشین گوئی اور فال نیک تھی) کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ سیف الدین اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصوم کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

بادشاہ (اورنگ زیب) دین پناہ را	بادشاہ دین پناہ کا حضرت کے ساتھ
در خدمت حضرت اخلاص بے نوع	اخلاص اور ہی طرح کا ہے لطائف ستہ
دیگر است، از ذکر لطائف و ذکر سلطانی	اور سلطان الاذکار کے ذکر سے گذر کر
گذشتہ بذکر نفی و اثبات مقید است	اس وقت نفی و اثبات کے ذکر کی منزل
و ظاہری سازد کہ بعضے اوقات خطرہ	پر ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات
مطلقاً نمی آید و گاہے می آید، استقرار	وسوسہ مطلق نہیں آتا اور کبھی آتا بھی
نمی کند، ازیں راہ خیلے محظوظ است	ہے تو اس کو استقرار نہیں ہوتا، وہ اس چیز
و می گوید کہ پیش ازیں از ہجوم	سے بہت محظوظ ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس سے
خواطر دل تنگ بودم، و شکر ایں نعمت	پہلے میں وساوس و خطرات کے ہجوم
بجا می آرد۔[2]	سے پریشان ہو جاتا تھا، وہ اس نعمت
	کا شکر بجا لاتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات سیفیہ مکتوب ۱۲۹ بنام صوفی سعد اللہ افغانی [2] ایضاً مکتوب ۲

خواجہ سیف الدین کے اس خط کے جواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم نے جو مکتوب تحریر فرمایا اس میں آپ نے خدا کا شکر ادا کیا ہے جس نے بادشاہ کو روحانی مراتب عطا فرمائے اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فنائے قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا جو سلوک میں ایک بلند مقام ہے۔[1]

ابوالفتح آداب عالمگیری میں لکھتا ہے کہ:۔

> "اورنگ زیب کی تخت نشینی کے تھوڑا بعد خواجہ محمد معصوم کے برادر بزرگ خواجہ محمد سعید دربار شاہی میں تشریف لائے اورنگ زیب نے اس موقع پر [illegible] ملاقات [illegible] عزت کی۔"[2]

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اپنے مضمون "اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار" میں مرآت العالم اور فتوحات عالمگیری[3] کے حوالہ سے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اس خاندان اور حضرت مجدد کے فرزندوں سے گہرے روابط تھے۔ یہ حضرات بادشاہ سے ملاقات کرتے تھے اور بادشاہ ان کی خدمت میں

---

[1] مکتوبات خواجہ محمد معصوم مکتوب ۲۱ [2] ابوالفتح آداب عالمگیری قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری [illegible] ورق ۲۳ب، محمد کاظم عالمگیر نامہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸ء ص ۴۹۳۔ منقول از تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم

[3] یہ دونوں کتابیں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم لندن کے کتب خانہ میں ہیں [4] حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات کا مجموعہ "مکتوبات سیفیہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اگر بغور ان کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ بادشاہ کا تعلق حضرت خواجہ سیف الدین سے [illegible] خصوصی [illegible] خوش عقیدہ بادشاہوں کا اپنے [illegible] کے علاوہ [illegible] سے [illegible] زیادہ [illegible] حضرت خواجہ سیف الدین نے اپنے والد [illegible] کے ایک مکتوب میں [illegible] تحریر کئے ہیں۔

حضرت علامہ [illegible]   حضرت علامہ [illegible] ۳۲۶

تیمیؒ کی مخالفت پیش کرتا تھا۔ دہلی سے لاہور جاتے اور واپس آتے وقت وہ کئی بار سرہند میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور خاندان مجددی کے دوسرے افراد سے ملا۔

مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق بادشاہ نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے متعدد بار استدعا کی کہ وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہا کریں، لیکن انھوں نے اپنے والد بزرگوار کی نصیحت کے مطابق بادشاہ کے ساتھ رہنا پسند نہیں فرمایا اور اپنی جگہ اپنے فرزند گرامی قدر خواجہ سیف الدین کو دہلی بھیج دیا۔ مکتوبات معصومیہ میں دو مکتوب ایک ۲۲۱ دوسرا ۲۲۲ بادشاہ کے نام ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کا حضرت خواجہ سے ارادت و تربیت کا تعلق ہے۔ ان کے اور بادشاہ کے روابط اور بادشاہ کے ان سے اثر پذیر (ملاحظہ ہو)

و چند کتاب نامہ مذکور گردید بعد و اخلاص تمام گوش نمود۔	بعض دینی مکاتیب کا ذکر بھی ہوتا ہے اور بادشاہ بڑے اخلاص کے ساتھ سماعت فرماتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۱۷۷ میں جو شیخ محمد باقر لاہوری کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:

بادشاہ دین پناہ شب جمعہ گذشت [illegible] بافقیر	بادشاہ دین پناہ شب جمعہ کو [illegible] اس فقیر کی صحبت میں
فرزندی [illegible] بے تکلف [illegible] حاضر [illegible]	تھے [illegible] بے تکلف کھانے حاضر تھے
[illegible] صحبت طولانی گشت مجلس [illegible] سکوت [illegible]	ان کو شامل فرمایا صحبت طویل ہو گئی درمیان میں سکوت
...... بالجملہ [illegible] طریقہ عالیہ [illegible]	مجلس میں پیش کی [illegible] تفصیلی
[illegible] بظہور آمد۔ صفحہ ۱۹۹	خواہش کے مطابق طریقہ عالیہ [illegible] ظہور ہوگا۔

تعلقات و اثرات کا یہ سلسلہ عالمگیر کی وفات تک برابر جاری رہا۔ [illegible] کے مشہور شیخ ہیں [illegible] حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۲ھ) نے اپنے خلیفہ [illegible] حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں بعض خطوط میں ہدایت کی ہے کہ جو لوگ اس وقت بادشاہ کے ساتھ اورنگ [illegible] آپ [illegible] کی مجلس [illegible] نہیں [illegible] کہ [illegible] حضرات [illegible] مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ [illegible] اور ان کا طول قیام [illegible] کے [illegible] مرتبہ [illegible] بادشاہ کے [illegible] دعا و توجہات [illegible] حال رکھتے تھے۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی صفحہ ۴۱۹

ہونے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کرنے کا تذکرہ باب ہشتم میں خواجہ سیف الدین کے تذکرہ میں آئے گا۔ خواجہ سیف الدین بادشاہ کے ساتھ رہ کر ترویج شریعت و احیاء سنت کے کام میں برابر ساعی و سرگرم رہے۔ ان کے خطوط کے مجموعہ مکتوبات سیفیہ میں بادشاہ کے نام اٹھارہ[1] مکتوبات ہیں جن میں بادشاہ کی توجہ ازالۂ بدعات، احیائے سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

کسی فرمانروائے سلطنت اور خود مختار بادشاہ کے پورے اعمال و اخلاق اس کے فیصلوں اور اقدامات کی ذمہ داری لینی مشکل ہے اور ان سب کو اسلامی تعلیمات اور احکام شریعت کے مطابق ثابت کرنا ممکن نہیں، یہ بات نہ صرف خلفائے راشدین اور ایسے چند حکمرانوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے جو اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرح خلافت علی منہاج النبوۃ کے قائل و عامل تھے، پھر یہ متنازعہ فیہ اقدامات اور سیاسی و انتظامی کارروائیاں کن مجبوریوں اور مصلحتوں کے پیش نظر عمل میں آئیں اور مؤرخین نے ان کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کس حد تک واقعیت پر مبنی تھی، طویل زمانہ گذر جانے کے بعد اور صحیح شہادتوں کی غیر موجودگی میں ان کے بارے میں فیصلہ کرنا آسان نہیں، پھر بھی عالمگیر کے متعلق جو مستند تاریخی مواد موجود ہے اس کی بنا پر پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ حضرت مجدد صاحب کی اصلاحی و تجدیدی تحریک سلطنت کو ہادم اسلام کے بجائے خادم اسلام بنانے کی انقلاب انگیز مگر خاموش کوششوں اور ان کے فرزندوں اور خاندان کی گہری بے لوث روحانیت اور قوی شخصیتوں سے پورے طور پر متاثر تھا، اور اس نے حضرت مجدد کی دعوت و مقاصد سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی، وہ نظام سلطنت اور معاشرہ میں جرأت مندانہ

---

[1] مکتوب نمبر ۲۰-۲۲-۲۳، ۴۲، ۴۵، ۴۹، [illegible]
(مکتوبات سیفیہ)

اور وہ ان میں تبدیلیاں لانا چاہتا تھا، اور اس نے پہلی مرتبہ بعض ایسی اصلاحات نافذ کی تھیں جن سے اگرچہ حکومت کا مالیہ متاثر ہوتا تھا لیکن شریعت کے بعض صریح احکام کا نفاذ ہوتا تھا۔

ہم اس کی ذاتی زندگی کو اس وقت چھوڑتے ہوئے جس کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ ایک متشرع، پابند مذہب بلکہ متقی مسلمان کی زندگی تھی اور جس کے لئے بطور مثال کے چند نمونے کافی ہیں۔

> "رمضان کا مہینہ تھا، گرمی کی راتیں تھیں، دن بڑے ہوتے تھے، بادشاہ دن کو روزہ رکھتا، نماز پڑھتا، تلاوت و کتابت اور حفظ کلام مجید کرتا، اور اپنی عدالت و سلطنت کے کاموں کو انجام دیتا، شام کو افطار کرکے مسجد خلافت (اصلی مسجد) میں نماز تراویح اور نفل پڑھتا، آدھی رات کے بعد قلیل غذا کھاتا، رات کو بہت کم سوتا، اکثر حصہ عبادت کرتا، بعض متبرک راتوں کو ساری رات عبادت ہی میں گذارتا، اسی طرح سارا مہینہ گذر جاتا۔"[1]

انتقال کا حال بیان کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

> "سال پنجاہ و یک (۵۱) جلوس (سنہ ۱۱۱۸ھ) تپ بڑی شدت سے چڑھی، چار روز تک باوجود اشتداد مرض بسبب کمال تقویٰ کے پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، ایک وصیت نامہ تھا کہ جس میں اس نے اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق لکھا تھا کہ ساڑھے چار روپیہ جو میرے ہاتھ کی محنت کی ٹوپیوں کی سلائی سے بچے ہیں اس میں تجہیز و تکفین ہو اور آٹھ سو پانچ روپے جو قرآن نویسی کی اجرت سے حاصل ہوئے ہیں، مساکین میں تقسیم ہوں، روز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۵۱ سنہ جلوس مطابق سنہ ۱۱۱۸ھ کو بادشاہ نے صبح کی نماز پڑھ کے کلمہ توحید کا ذکر شروع کیا

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ہشتم از شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی مرحوم ص [illegible] ماخوذ از مآثر عالمگیری وغیرہ

ایک بیرونی چبوترے اس دلربا فضا سے روضۂ جناں کو تشریف فرما ہوا[1]

ہم یہاں پر عالمگیر کے صرف ان احکام و فرامین کا ذکر کریں گے جن کا تعلق شعائر اسلام کے احترام اور احکام شریعت کے نفاذ و اجراء سے ہے۔

۱۰۶۹ھ اور جلوس کے سال دوم کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

> "جلال الدین محمد اکبر شاہ کے عہد سے دفتر و جلوس کے سال و ماہ کی بنا غرۂ فروردی پر رکھی گئی تھی اس تاریخ میں آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا ہے بہار کا موسم ہوتا ہے اس بادشاہ کے جلوس کی تاریخ بھی اس تاریخ کے قریب تھی تو اس نے سارا حساب فروردی سے لے کر اسفندار[2] کے مہینوں تک مقرر کیا تھا اور مہینہ کا نام اور الٰہی رکھا تھا چونکہ یہ طریقہ آتش پرست بادشاہوں اور مجوسیوں کے مشابہ تھا اس لئے بادشاہ نے شریعت کا پاس کر کے جلوس و جشن اور دفتر کے حسابوں کے لئے سال و ماہ قمری عربی کا حساب مقرر کیا اور حکم دیا۔ سال شمسی پر جو سال و ماہ مقدم ہوں اور جشن نوروز بالکل موقوف ہو ....
>
> سب جانتے ہیں کہ ہمیشہ موسموں میں قمری ماہ بدلتے رہتے ہیں قمری سال و ماہ کے حساب رکھنے میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں لیکن اس دیندار بادشاہ نے کچھ حساب کی آسانی پر خیال نہیں کیا۔ فقط آتش پرستوں اور مجوسیوں کی مشابہت کی وجہ سے نوروز کے جشن کو موقوف کیا اور جلوس ثانی کی تاریخ غرۂ رمضان مقرر کر کے اس نے جلوس کا نیا سال مقرر کیا اور جشن نوروز کی جگہ جشن عید الفطر مقرر کیا"[3]

ایک بڑی سرکاری آمدنی کے ذریعہ کی جو نا مشروع تھی موقوفی کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخ لکھتا ہے:۔

---

[1] ایضاً ص [illegible]

[2] فروردی، اسفندار قدیم ایرانی تقویم کے مہینے ہیں۔

[3] ایضاً ص [illegible]

"بادشاہ نے راہداری کی معافی کا حکم کیا، یہ راہداری جو ہر گذر اور ہر شہر میں لی جاتی تھی اور...

اس کی آمدنی کا سب روپیہ خزانہ میں داخل ہوتا تھا، پاندری جس کو تہ بازاری کہتے ہیں......اور

یہ آمدنی لاکھوں روپیہ سے زیادہ خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اور ابواب غیر شرعی مثل شرع

محلات و خرابات خانہ، جہانہ و شکرانہ وغیرہ وغیرہ جن کی آمدنی کا کروڑوں روپیہ خزانہ سرکار میں

داخل ہوتا تھا ان سب کو قلمرو ہندوستان سے معاف کرایا۔"[1]

محتسب کا عہدہ شرعی حکومتوں کا ایک اہم عہدہ اور خلافت اسلامی کا ایک خاص رکن تھا، بہت سے علماء نے اس عہدہ کی نوعیت اس کے فرائض پر "الحسبۃ فی الاسلام" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں عرصے سے یہ عہدہ موقوف اور یہ کام معطل تھا، بادشاہ نے اس سنت کو بھی زندہ کیا، مورخ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ نے ایک عالم موصوف رحیم کو محتسب مقرر کیا، اس کو حکم تھا کہ وہ خلق کو منہیات و محرمات سے خصوصاً شرب خمر اور بھنگ بوزہ اور تمام مسکرات و فواحش سے منع کرے اور حتی المقدور برے کاموں سے خلق کو روکے۔"[2]

سال یازدہم مطابق بیست و دوم ۱۰۷۹ھ کے واقعات درج کرتے ہوئے مورخ لکھتا ہے:۔

"روز بروز امور شرعی کے اجراء اور منہیات کے انسداد میں بادشاہ کی توجہ ترقی پر تھی مفصل احکام جاری ہونے تھے کہ راہداری و پاندری وغیرہ موقوف کی جائے جس سے لاکھوں روپیہ کی آمدنی ہر سال سرکار کو حاصل ہوتی تھی، وہ مسکرات کے بند کرنے و خرابات خانوں کو موقوف کیا جاتا۔"[3]

---

[1] ایضاً ص۱۰ [2] ایضاً ص۱۱ [3] صاحب ترجمہ انوار قرنی مآثر عالمگیری کے مقدمے میں لکھتا ہے کہ انگریزی سلطنت میں یہ کے ابواب محصول وغیرہ کی موقوفی کر دینے سے خزانہ شاہی کو تیس کروڑ سالانہ کی آمدنی ہوتی تھی۔

آگے چل کر لکھتا ہے:۔

> بادشاہ نے علماء دینی کے منع کا تحریر کیا۔۔۔ پھر جشن وزن کو بھی نامشروع جان کر جھروکہ میں تو دیکھنا اور جھروکہ کے نیچے آدمیوں کے جمع ہونے کو موقوف کر دیا۔[1]

اہلِ ہند کے قدیم دستور و رفتار کے مطابق سلطان بادشاہ بھی علم نجوم اور نجومیوں پر بہت زیادہ اعتبار کرتے تھے اور انھیں کے حسابات اور فیصلوں کے مطابق کاموں کے لئے دن مقرر کرتے تھے، عالمگیر نے اس کو بھی موقوف کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدالتی فیصلوں کا تمام تر انحصار امراء و حکام کی عدالتوں اور ان کے فیصلوں پر تھا، عالمگیر نے شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے۔

> منجم و نجومی جو بہت زیادہ اعتبار رکھتے تھے حضرت شاہ جہاں کے عہد میں موقوف ہوئے امور ملکی و مقدمات جزئی و کلی میں قضاۃ مقرر ہوئے۔ اور وہ ایسے مستقل ہوئے کہ با این عہدہ صاحب مدار سلطنت کو ان پر کچھ دسترس نہ رہا۔[2]

پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے کے لئے اور قضاۃ کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑہ اٹھایا اور مستند علماء کی ایک جماعت کو اس کے لئے مامور کیا کہ وہ آسان عبارت میں مسائل جزئیہ کو ایک جگہ جمع کر دیں اور ظاہر الروایہ پر اکتفا کریں اور سوائے خاص حالات کے نوادر کی طرف توجہ نہ دیں اور جو عبارت جہاں سے لی جائے اس کا حوالہ دیں، اس کے لئے اوائل سلطنت ہی میں مولانا نظام الدین برہانپوری کو ذمہ دار بنایا، انھوں نے ان علماء کبار سے مدد لی جو فقہ حنفی میں

---

[1] ایضاً ص ۴۶۰، ۴۶۸ باختصار [2] ایضاً ص ۵۲۸ نیز ملاحظہ ہو ظہیر الدین فاروقی کی کتاب اورنگ زیب کا باب ۵۴۴، ۵۴۸، ۵۲۵

امتیاز رکھتے تھے[1] یہ کام ۶ جلدوں میں مکمل ہوا اور اس پر شاہی خزانے کے دو لاکھ روپے (جو اس زمانے کے لحاظ سے خطیر رقم ہے) صرف ہوئے، یہ ہندوستان میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے اور مصر و شام و ترکی میں "الفتاویٰ الہندیہ" کے نام سے مشہور ہے، اور اس کو بعض خصوصیات کی بنا پر بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس سے زیادہ جرأت مندانہ اقدام یہ تھا کہ بادشاہ نے اپنے خلاف بھی رعیت کو استغاثہ کرنے اور شریعت کے مطابق فیصلہ کرانے کی اجازت دی اور اس کام کے لئے وکیل شرعی مقرر کئے، مؤرخ ہندوستان لکھتا ہے:۔

> سنہ ۱۰۸۶ھ میں بادشاہ نے حکم فرمایا کہ حضور میں اور شہروں میں منادی کریں کہ جس کسی کا دعویٰ شرعی بادشاہ پر ہو وہ حاضر ہو کر وکیل بادشاہ سے رجوع کرے، اور اثبات کے بعد اپنا حق لے، اور حکم دیا کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل شرعی حضور میں اور بلاد نزدیک و دور میں مقرر ہوں تاکہ جو حضور میں آنے کی دسترس نہیں رکھتے وہ ان کے ذریعہ سے اپنی حق رسی کا دعویٰ کریں۔[2]

مغل دربار میں اور شاہان مغلیہ کے لئے عام طور پر کورنش و آداب کے طریقے رائج تھے، جن میں مبالغہ آمیز تعظیم اور خلاف شریعت اعمال شامل تھے، سلام مسنون کا تو درباروں کا کیا ذکر امراء و رؤساء بلکہ بہت سے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بھی رواج نہیں رہا تھا، بادشاہ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور سلام مسنون پر اکتفا کرنے کی تاکید کی، مؤرخ لکھتا ہے:۔

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف نزہۃ الخواطر نے اپنی گراں قدر کتاب الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند میں بڑی تحقیق و تلاش سے ان لوگوں کے نام جمع کئے ہیں جو علماء کے اس بورڈ میں شامل تھے انھوں نے بیس ایسے نام لکھے ہیں جو ہندوستان کے مختلف حصوں کی نمائندگی کرتے تھے، ملاحظہ ہو الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند مطبوعہ دمشق اکیڈمی ص ۲۱۰-۲۱۱

[2] ایضاً ص ۴۰۰

"انھیں دنوں یہ حکم ہوا کہ جب مسلمان بادشاہ سے ملاقات کریں تو سلام شرعی السلام علیکم پر اکتفا کریں کفار کی طرح سر پر ہاتھ نہ رکھیں احکام میں بھی خاص دعا کے ساتھ یہی طریقہ برتیں"[1]

انھیں جذبات و اقدامات کی بنا پر ہندوستان کے دینی حلقوں نے بادشاہ عالمگیر کو "محی الدین" کا لقب دیا۔ علامہ اقبال کے نزدیک بھی جن کی ہندوستان کے رجحانات اور تصوف اور روحانیت اور شریعت کی صحت آرائی اور ہندوستان کے مستقبل کی صورت گری پر قسمت آزمائی پر گہری نظر تھی، عالمگیر کا شمار ان چند شخصیتوں میں تھا جن کے سر اس ملک میں اسلام کی حفاظت کا سہرا ہے۔ راقم سطور نے اپنی ایک طویل ملاقات کی روداد (جو ۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء کو لاہور میں ان کے دولت خانہ پر ہوئی تھی) روداد قلمبند کرتے ہوئے اپنے مضمون "عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے" میں لکھا تھا۔

> "ہندوستان میں اسلام کے تجدید و احیاء کی بات نکلی تو علامہ نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور سلطان محی الدین عالمگیر کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جد و جہد نہ ہوتی تو ہندی تہذیب و فلسفہ اسلام کو اپنے اندر تحلیل کر لیتے۔"

انھوں نے اسی یقین و تحقیق کی بنا پر عالمگیر کی شان میں یہ حسب ذیل پرجوش اور فکر انگیز شعر کہے۔

شاہ عالمگیر گردوں آستاں　　اعتبار دودمان گورگاں
پایۂ اسلامیاں برتر ازو　　احترام شرع پیغمبر ازو
درمیان کارزار کفر و دیں　　ترکش ما را خدنگ آخریں
تخم الحادے کہ اکبر پرورید　　باز اندر فطرت دارا دمید

---

[1] عالمگیر کے عقیدے ہوئے دینی رجحان اور سلطنت میں اس دینی رجحان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو [illegible] کی کتاب [illegible] AURANGZIB (AND HIS TIMES) PAGE 66 [illegible] کی کتاب HISTORY OF AURANGZIB [illegible]

شمع دل در سینہ ہا روشن نبود　　ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را　　آں فقیر صاحب شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد　　بہر تجدید یقیں مامور کرد
برق تیغش خرمن الحاد سوخت　　شمع دیں در محفل ما برفروخت
کور ذوقاں داستانہا ساختند　　وسعت ادراک او نشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود　　چوں براہیم اندریں بتخانہ بود

در صفِ شاہنشہاں یکتاستے
فقر او از تربتش پیداستے[1]

بالآخر حضرت مجدد کے دو خلیفۂ اجل اور جانشین برحق حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری اور ان کے مخلص و باعظمت خلفاء اور جانشینوں کی کوششیں اس ملک میں بارآور ہوئیں اور رفتہ رفتہ بارہویں صدی ہجری میں یہ ملک پوری دنیائے اسلام (جس پر فکری و علمی اضمحلال کے بادل چھائے ہوئے تھے) کا روحانی و علمی مرکز بن گیا، اور دنیائے اسلام کے دور دراز گوشوں سے لوگ یہاں اپنی روحانی و علمی پیاس بجھانے، تزکیہ و احسان کی منزلیں طے کرنے اور حدیث کا درس لینے کے لئے آنے لگے یہاں جابجا مجددی خانقاہیں اور کتاب و سنت کی تعلیم اور درس حدیث کے مرکز قائم ہو گئے، اور ایک عالم نے ان سے فیض اٹھایا۔

---

[1] رموز بیخودی کلیات فارسی ص ۱۰

حضرت مجددؒ کی مخالفت و تضلیل کی تحریک

اور اس کے نمایاں افراد

یہ باب نامکمل رہے گا اور ناظرین کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آئے گا (جو اگرچہ بہت درخشاں اور روشن ہے اور مجدد صاحب کی سیرت و تاریخ میں یہی پہلو غالب اور نمایاں ہو کر رہا) اگر ہم اس مخالفانہ تحریک اور مہم کا ذکر نہ کریں، جو مجدد صاحب کی زندگی کے آخری دور ہی میں شروع ہو گئی تھی، اور جو ہندوستان کے حدود سے تجاوز ہو کر حرمین شریفین تک پہونچی، اور جس کی بنیاد مجدد صاحب کی بعض تحریرات اور مکتوبات کی بعض عبارتوں اور مضامین پر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کو ان کی زندگی میں جو قبول عام اور محبوبیت تام عطا فرمائی، اور ان کا اہل ذکر و علم سے لے کر اہل حکومت تک پر جو اثر قائم ہوا، اور چند سال کے عرصہ میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کو ہندوستان اور بیرون ہند میں جو فروغ نصیب ہوا، نیز انھوں نے جن نئے علوم و تحقیقات کا اپنے مکتوبات اور مجالس کے ذریعہ افاضہ فرمایا جن میں سے بہت سے عوام تو عوام خواص کے لئے بھی نامانوس اور ایک حد تک (اگر موجب وحشت نہیں تو) موجب حیرت ضرور تھے، اور ان میں بہت سے ان حلقوں کے مسلمات کے خلاف

تھے جو نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے چلے آرہے تھے، اور یہ معاملہ اکثر ان نادرۂ روزگار شخصیتوں کے ساتھ پیش آیا ہے جو کسی علم و فن کی مجتہد، اور کسی مستقل طریق کی بانی، اور اپنے زمانہ کی عام علمی ذہنی و باطنی سطح سے بلند ہوتی ہیں، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علوم و کمالات وہبی سے نوازا ہے اور وہ عام مصطلحات، اور تقلیدی تعبیرات کے دائرہ سے باہر قدم نکالتی ہیں۔ پھر آپ نے بدعت حسنہ کے خلاف جو قلمی جہاد شروع فرمایا، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی، وجد و سماع، لفظی طور پر نماز کی نیت کرنے، جماعت کے ساتھ نماز تہجد ادا کرنے اور محفل میلاد کی مخالفت کی، اور کشف کے حجت نہ ہونے اور مشائخ طریق و اولیائے کبار کے بجائے ائمہ مجتہدین کے قول کے حجت ہونے کو ثابت کیا، اور کشف کی صحت و قطعیت میں کلام کیا، اور اپنے عہد و دیار کے بہت سے سلاسل اور خانقاہوں کے مروجہ اور متعارف معمولات کے مخالف سنت ہونے کو ظاہر کیا، پھر اس سب سے بڑھ کر وحدۃ الوجود سے (جس کو ایک بدیہی حقیقت اور محققین صوفیہ کا ایک اجماعی مسئلہ سمجھا جاتا تھا) اور شیخ اکبر کے علوم و تحقیقات سے جن کو علم و معرفت کا سدرۃ المنتہیٰ قرار دیا گیا تھا، قدم آگے بڑھایا، اور اس کے متوازی وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا، اس کے بعد آپ کے بارے میں زبانوں اور قلموں کا یکسر خاموش رہنا، اور کسی مخالفت اور تردید کی جگہ تفصیلی تحریک و مہم کا آپ کے آخر زمانہ میں یا آپ کے ارتحال کے فوراً بعد پیدا نہ ہونا، نہ صرف تاریخِ اصلاح و تجدید بلکہ تاریخ علم و تدوین کا بھی ایک نادر واقعہ ہوتا۔

ان اختلافات یا مخالفتوں کو ہم دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، ایک وہ مخالفت جو مخالفین کی کسی غلط بیانی کی بنا پر، یا کسی غلط فہمی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، اور اس غلط بیانی اور سازش کا پردہ چاک ہونے، یا اس غلط فہمی کے دور ہو جانے کے بعد رفع ہو گئی، دوسری وہ مخالفت جو اختلافِ عقیدہ و مسلک، یا کسی عصبیت یا ذاتی عناد پر مبنی تھی۔

پہلی قسم میں ہم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے اختلاف کو لیتے ہیں، جن کا علمی و دینی پایہ، خلوص و للّٰہیت اور دینی حمیت مسلّم ہے، اور جو حضرت مجدد کے پیر بھائی بھی تھے، اور اپنے پیر کے خلیفہ و مجاز بھی، انھوں نے حضرت مجدد سے اختلاف کیا، ان کے بعض اقوال و تحقیقات پر سخت حیرت اور وحشت کا اظہار کیا، اور ایک مکتوب میں جو حضرت مجدد کے نام ہے، اس کا برملا اظہار بھی کر دیا[۱] حضرت شیخ عبدالحق کے اس طویل مکتوب میں حضرت مجدد کی جو باتیں نقل کی گئی ہیں، ان کے بارے میں مجددی سلسلہ کے بہت سے اہل علم و اہل نظر کی تحقیق ہے کہ وہ محرّف اور غلط ہیں، یہ ایک نجی مکتوب تھا، حضرت شیخ نے اس کو اپنی کتاب "المکاتیب والرسائل" میں درج نہیں کیا، حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ارشاد کے مطابق شیخ نے اس مکتوب کو ضائع کرنے کی وصیت کی۔

اس مکتوب کی تحریر میں اصلاً جو جذبہ کام کر رہا ہے (اور وہ فی ذاتہٖ محمود ہے) وہ شیخ کا یہ خیال ہے کہ مجدد صاحب کے بعض اقوال و تحقیقات سے بعض ایسے بزرگوں کی تنقیص اور تخطیہ کا پہلو نکلتا ہے، جن کی جلالت قدر پر امت کا اتفاق ہے، لیکن اس کا مکتوبات کے خود اس دور مشائخ اور حضرت مجدد صاحب کے مقاصد کے رمز آشنا بار بار جواب دے چکے ہیں، اور خود مکتوبات کا مطالعہ اور حضرت مجدد کی زندگی اس کی تردید کرتی ہے، اس مکتوب کا

---

[۱] یہ مکتوب پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب "حیات شیخ عبدالحق" کے آخر میں مکمل طور پر درج ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۳۱۲–۳۲۹، اس مکتوب کے جواب میں بکثرت رسالے لکھے گئے، جن میں شیخ بدرالدین سرہندیؒ، شیخ محمد یحییٰؒ (فرزند اصغر حضرت مجدد)، شیخ محمد فرخؒ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کا نام لیا جا سکتا ہے، مولانا ذکیؒ؛ محمد سکندر پوری نے "ہدیہ مجددیہ" کے نام سے ایک مستقل کتاب اس کے رد میں لکھی ہے جو ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک بڑا محرک حضرت شیخ کی سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ وہ یگانہ عقیدت بھی ہے جو عشق و فنائیت کے درجہ تک پہونچی ہوئی تھی، اور وہ ہر طرح سے نہ صرف قابل تحسین بلکہ قابل رشک ہے اور اس میں امت کا ایک بڑا طبقہ ہر عہد و ملک میں ان کا شریک ہے، حضرت شیخ کا خیال ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے کلام سے ان پر —— اپنی ترجیح ثابت ہوتی ہے اس کا علمی ان تردیدی رسائل میں تشفی بخش جواب دیا جا چکا ہے، یہاں اس مکتوب کے مختلف اجزا اور مشتملات کا تفصیلی جائزہ لینا مقصود نہیں، اس کے لئے ان رسائل کی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا، اس مکتوب میں حضرت مجدد کی طرف بعض ایسے اقوال منسوب کئے گئے ہیں جو بداہۃً بے اصل ہیں، اور معاندین کی افترا پردازی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ حضرت شیخ نے ان کو کیسے باور کیا اور مکتوب میں درج فرمایا، حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے قلم سے جو مجسم وقار و سکینت تھے، اسی بنا پر اس طرح کی عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد بے اختیار نکل گیا ہے۔

"العیاذ باللہ، ایں چہ خلاف نویسی است و ایں چہ بے تحقیق گوئی است، در ہیچ مکتوب ایشاں ایں چنیں عبارت نیست، یا شیخ عفا اللہ عنک" (پناہ بخدا! یہ کیا بے اصل و بے تحقیق کلام ہے، حضرت مجدد کے کسی مکتوب میں اس طرح کی عبارت نہیں، حضرت شیخ! اللہ آپ کو معاف کرے)!۔

لیکن چونکہ حضرت شیخ مخلص تھے اور ان کے قلم سے ان اقوال و بیانات پر جو حضرت مجدد کی طرف منسوب کئے گئے تھے، جس تحیر و تاثر کا اظہار ہوا، اس کی محرک ان کی دینی حمیت اور علمی مقام تھا، اس لئے جب ان کو اس غلط بیانی کا علم ہوا، حضرت مجدد کے بارے میں غلط فہمی رفع ہوئی، اور آپ کا علوئے مقام ان پر منکشف ہوا تو انھوں نے اس کی

ادائی کرنے میں قطعاً تقصیر و تاخیر سے کام نہیں لیا اور بڑے بلند الفاظ میں حضرت مجدد کے ساتھ خلوص و محبت کا اظہار کیا: جو ان کے جیسے عالم ربانی ہی کے شایان شان ہے۔ انھوں نے حضرت خواجہ حسام الدین احمد دہلوی کو حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:۔

نصرکم اللہ وابقاکم علی رؤس المحبین
الطالبین المخلصین درین دو سہ روزہ
کہ از احوال شریف خبر نگرفت یا
بجہت تقصیر ست کہ در جبلت بشریت
یا بقصد آنکہ مطلقاً از آلام ضعف
و فترت پاک شدہ باشند تا خبر مسرت
اثر صحت کلی و عافیت تام شنود
و مسرور گردد امید کہ باعلام
آں مشرف گردانند۔

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت اور چاہنے
والے مخلص طالبوں کے سروں پر باقی
رکھے اس دو تین دن کے عرصہ میں جو
احوال شریفہ کی خبر نہ معلوم کرنے کی وجہ
یا تو وہ کوتاہی ہو سکتی ہے جو انسان کی
فطرت میں ہے یا پھر وہ ارادہ ہو سکتا
ہے کہ کامل صحت ہو جائے اور پھر
خبر مسرت سننے میں آئے امید ہے کہ
صحت کی خبر سے آگاہ کریں گے۔

دیدۂ محبت در راہ انتظار وصول
اخبار مسرت آثار بندگی حضرت میاں
شیخ احمد دوچار است امیدوار است
دعائے محبان باجابت رسیدہ اثر عظیم
آرد، نسبت ایں فقیر دریں ایام و
صفائے باطن بخدمت ایشاں از
حد متجاوز است و اصلاً پردۂ بشریت

بندگی حضرت میاں شیخ احمد کے اخبار
مسرت آثار پر چشم شوق لگی ہوئی ہے
امید ہے چاہنے والوں کی دعا قبول ہو کر
بڑا اثر پیدا کرے گی آج کل ان سے
فقیر کا قلبی تعلق بے حد زیادہ ہے،
بشریت کا کوئی پردہ یا اختلاف طبع کا
کوئی اثر بالکل حائل نہیں رہا ہے خود

وحشتے و جمعیت درمیان نماندہ نمی
داند کہ از کجا است، با قطع نظر از رعایت
طریقۂ انصاف و حکم عقل کہ بایں چنیں
عزیزان و بزرگان بد نباید بود، در
باطن بطریق ذوق و وجدان و غلبہ
چیزے فتادہ است کہ زبان
از تقریر آں لال است سبحان اللہ
مقلب القلوب و مبدل الاحوال شاید
کہ ظاہر بیناں در ایں جا استبعاد کنند
نمی دانم کہ حال چیست و چہ
سوال است زیادہ چہ گوید و چہ
نویسد واللہ اعلم بحقیقۃ الحال[1]

نہیں جانتا کہ کیوں بند ہے
اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ طریقہ
انصاف کی رعایت اور حکم عقل کا
تقاضا ہے کہ ایسے عزیزوں اور
بزرگوں کے ساتھ برا گمان نہ ہونا چاہئے
میرے دل میں ذوق و وجدان اور
غلبہ کی بنا پر کچھ ایسی کیفیت پیدا
ہوگئی ہے کہ اس کے بیان سے زبان
قاصر ہے، پاک ہے اللہ دلوں کا پلٹنے
اور احوال کا بدلنے والا، ظاہر بین شاید
اس پر یقین نہ کریں، میں خود بھی نہیں
جانتا کہ کیا حال ہے اور کیوں ہے
زیادہ کیا کہوں اور کیا لکھوں،
حقیقت حال کا بہتر علم اللہ کو ہے۔

دوسری قسم ان سے بہت پہلے بارہویں صدی کے ایک حجازی عالم شیخ حسن عجیمی مکی (جو مدینہ منورہ میں حدیث کا درس دیتے تھے اور اس عہد کے مشہور حنفی عالم تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے استاد حدیث شیخ ابو طاہر کردی کے استاد تھے[2]) کی کتاب

---

[1] بشارات مظہریہ از شاہ نعیم اللہ بہرائچی مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

[2] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین میں ان کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ وہ حدیث میں شیخ کا درجہ رکھتے تھے مختلف علوم اور دقائق میں جل
(انسان العین ص ۱۳)

"امتاع الہندی فی جواب سوال عن کلمات السرہندی" پر ایک نظر ڈالتے ہیں اس کتاب کی تمہید میں کہا گیا ہے کہ ہندوستان سے حرمین شریفین میں ۱۰۹۳ھ میں شیخ احمد سرہندی اور ان کے ان بعض نامناسب کلمات کے بارے میں جو ان کے مکتوبات سے نقل کئے گئے ہیں، ایک سوال آیا، اور علمائے حرمین شریفین سے استفتاء کیا گیا کہ جو ایسے کلمات کو اپنی زبان سے نکالے یا ان پر اس کا اعتقاد ہو یا وہ ان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے اس کا حکم شرعی کیا ہے؟ اس کے بعد جامع کتاب نے لکھا ہے کہ میرے قابل احترام استاد و شیخ مولانا الشیخ ملا ابراہیم بن حسن کورانی نے مجھے ہدایت کی کہ میں اس کا جواب دوں، اور علمائے حرمین کی اس بارے میں رائے اور فتوے نقل کروں، مؤلف کتاب نے اس مجموعہ میں دو رسالوں ایک مذکور الصدر ملا ابراہیم کورانی مدنی اور دوسرے علامہ جلال الدین محمد ابن عبدالرسول البرزنجی کے

(باقی صفحہ ۳۴۰ کا) رکھتے تھے، حسین احسان اور تقویٰ کا انداز تھے ان کی زیادہ تر صحبت و استفادہ شیخ عیسیٰ مغربی سے ہے شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن علاء بابلی اور شیخ زین العابدین ابن عبدالقادر طبری مفتی شافعیہ کی بھی صحبت اٹھائے ہوئے تھے شاہ نعمت اللہ ترمانی جیسے اہل طریق سے بھی ملاقات کی تھی اور حدیث سے ان کا بھی شغل رہا تھا ان کے درس حدیث میں شاہ ولی اللہ صاحب کے استاذ شیخ ابو طاہر کردی مدنی عام طور سے قاری ہوتے تھے آخر عمر میں درس کی صحبت ترک کرکے طائف میں گوشہ نشینی اختیار کرلی تھی وہیں ۱۱۱۳ھ میں وفات پائی، اور سیدنا عبداللہ بن عباس کے قریب جگہ پائی (ازاں صاحب ص ۱۱۰۵) محمد بن عبدالرسول البرزنجی نے دو علام میں ان کو الخطیب لکھا ہے والد کا نام علی بن یحییٰ تھا ابو البقاء کنیت تھی، یا ان کا وطن مکہ ہی تھا ۱۰۴۹ھ میں ولادت ہوئی (جلد ۲ صفحہ ۲۲۳)

[1] عربی مخطوطہ خدا بخش خان لائبریری کا باکی پور پٹنہ نمبر ۱۰۰۰ یہ کتاب ۱۰۹۴ھ میں مکمل ہوئی خدا بخش خان لائبریری کا مخطوطہ مصنف کے نسخہ سے شیخ سینا نے نقل کیا ہے، وہ بھی قابل اعتبار ہے

یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات میں بھی موجود ہے اس کا نام قدح الازند نمبر ۱۰۰ فن کلام عربی میں ہے (قلمی)

فتاویٰ نقل کیے ہیں۔

سب سے پہلے اس استفتاء کے دو مجیب ملا ابراہیم کورانی مدنی اور جمال الدین محمد بن عبدالرسول برزنجی کی شخصیت سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ اول الذکر کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین (صفحہ ۱۸۲–۱۸۶) پر کیا ہے، جو شاہ ولی اللہ صاحب کے اصل استاذ حدیث شیخ ابوطاہر کردی کے والد اور شیخ ہیں۔ اس زمانہ کے ایک شیخ اور بزرگ شیخ یحییٰ شاوی کے بارے میں ان کی اس رائے سے جو شاہ ولی اللہ صاحب نے ذکر کی ہے اور جس میں شیخ نے ان پر تجسیم کا فتویٰ صادر کیا تھا، اور جس کی وجہ سے وزیر سلطنت ترکی جو ان کا معتقد تھا، ان کو اہانت کے ساتھ مجلس سے نکلوا دیا، اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشونت اور رائے قائم کرنے میں عجلت تھی۔ سید محمد برزنجی[1] جو اس مجموعہ کے دوسرے مفتی ہیں، کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "فی الجملہ خشونتی در مزاج داشت" (ص ۱۸۰) (مزاج میں کسی قدر خشکی تھی)۔

(باقی صفحہ ۳۴۱ کا) اس کا پورا نام [illegible] المعصب الابتداع [illegible] مرقات پر درج ہے مصنف [illegible] میں ذکر نہیں ہے۔

کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات [illegible] حضرت [illegible] تعلیقات کی [illegible]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

[1] سید محمد برزنجی ان کا پورا نام محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید الحسینی البرزنجی ہے ۱۰۴۰ھ میں ولادت اور ۱۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ شہر زور میں ولادت ہوئی، آخر میں مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ ان کی ایک کتاب "الاشاعۃ لاشراط الساعۃ" بھی ہے۔ یہ وہ برزنجی نہیں ہیں جن کا مولود دیار عرب میں مشہور ہے۔ (الاعلام للزرکلی جلد ۶ صفحہ ۲۰۳) محمود صاحب کی تردید میں ان کی مستقل کتاب "قدح الزند" بھی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المحبی کی کتاب "خلاصۃ الاثر" اور "نشر النور والزہر" تالیف الشیخ عبداللہ مرداد ابوالخیر

اس کے بعد فتویٰ اور علماء کے آراء اور حکم شرعی کے بیان و اعلان کی تاریخ میں اس تلخ حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ علماء اور اہل افتاء کے سامنے واقعہ کی جیسی صورت بیان کی جاتی ہے اور جس طرح کے منقولات و اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں انہیں کو سامنے رکھ کر اور انہیں کے پیش نظر فتویٰ صادر کیا جاتا اور حکم شرعی بیان کیا جاتا ہے، مثل مشہور ہے "تنہا پیش قاضی روی راضی بیائی" (اکیلے قاضی صاحب کے پاس چلے جاؤ اور اپنے مطلب کا فتویٰ لکھوا کر آجاؤ) یہ علماء واہل افتاء نہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں اور نہ ان کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ ان اقوال و بیانات کے سیاق و سباق کو دیکھیں اور اس کی تصدیق کریں کہ یہ نقول صحیح ہیں اور ان کو سیاق و سباق سے علیٰحدہ کر کے "لاتقربوا الصلوٰۃ" کے مشہور عوامی لطیفہ کے مطابق اپنی تائید میں نہیں پیش کیا گیا ہے، اس بات کے بڑے قرائن موجود ہیں کہ جواب تحریر کرنے والے حضرات نے مکتوبات کا براہ راست مطالعہ نہیں کیا ہوگا، اور نہ ان کو درس و افتاء سے اتنی فرصت ملی ہوگی کہ وہ مزید اس کی تحقیق کرتے نیز اس وقت حرمین شریفین میں اس مسئلہ کے ایسے اہل علم حضرات بھی موجود نہیں رہے ہوں گے جو حقیقت حال سے آگاہ کرتے۔

جہاں تک مستفتی کے فہم و امانت اور احساس ذمہ داری کا تعلق ہے اس کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے کہ حضرت مجدد نے حقیقت کعبہ کے بارے میں جو دقیق عارفانہ کلام کیا ہے اس کو اس بات پر محمول کیا گیا ہے کہ آپ اس بات کے قائل ہیں کہ موجودہ معروف عمارت کعبہ نہیں ہے اور یہ بات کفر کو مستلزم ہے مصنف لکھتے ہیں:۔

ومنها انکارہ ان مسمّی الکعبۃ هی البنیۃ المعروفۃ عند الاکثر	اور انہیں کفریات میں سے ان کا اس بات سے انکار کرنا ہے کہ کعبہ یہی موجودہ معروف عمارت ہے۔

اب اس کے مقابلہ میں اس مکتوب کو پڑھیے جو شیخ تاج الدین سنبھلی کے نام ہے جو تازہ تازہ حج بیت اللہ سے واپس آئے تھے مجدد صاحب بیت اللہ شریف کے حالات سننے کے اشتیاق و بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فقیر کے نزدیک جس طرح صورت کعبۂ ربانی خلائق کے صور و اجسام کے لئے یعنی بشر اور ملک کی مسجود الیہ ہے اس کی حقیقت ان صور و اجسام کے حقائق کا بھی مسجود بنا ہے، اس طرح یہ حقیقت تمام حقائق کے اوپر ہے اور اس سے جو کمالات متعلق ہیں ان تمام کمالات پر جو دوسرے حقائق سے متعلق ہیں فوقیت رکھتی ہے گویا یہ حقیقت حقائق کونی اور حقائق الٰہی کے درمیان برزخ ہے۔[1]

اس ایک مثال سے ان دانستہ یا نادانستہ فتوی تکفیر کی حقیقت و ماہیت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان منقولہ اقتباسات پر جاری کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بھی مصنف نے آخر میں یہ احتیاط کی ہے کہ لکھا ہے:-

• یہ بھی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان اقوال کے قائل اور ان تحریرات کے لکھنے والے پر فضل فرمایا ہو، اور ان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہو جیسا کہ اس کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ رہا ہے، اور اس کی شان کریمی کا یہی اظہار ہوتا ہے، اور اس کا ایک یہی قرینہ ہے کہ ان کی نسلی اولاد میں سے بعض حضرات جب حرمین شریفین حاضر ہوئے تو انھوں نے حدیث کی سماعت کا شوق ظاہر کیا، اور انھوں نے بتایا کہ ان کے طریقہ کی بنیاد اتباع سنت محمدی اور نقش قدم نبوی پر چلنے پر ہے۔ انھوں نے مشائخ حدیث مثلاً امام زین العابدین طبری سے حدیث کی سماعت کی، وہ ہمارے شیخ عیسیٰ محمد بن المغربی الجعفری کو بھی مطمئن و مانوس کیا کہ انھوں نے

---

[1] مکتوب نمبر ۲۰۹ دفتر اول۔

شیخ محمد معصوم سے طریقۂ نقشبندیہ کی تحصیل کی تاکہ ان کو اس کے عالی مرتبہ مشائخ کی برکت حاصل ہو[1]

مصنف کے اس بیان سے جو انھوں نے ازراہِ دیانت درج کیا ہے صاف طریقہ پر اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ محض ان نقول کے اعتماد پر لکھے گئے تھے جو پیش کی گئیں اور مفتی صاحبان خود ان کے بارے میں متردد تھے مجددی خاندان کے عالی مرتبہ افراد کے حرمین شریفین میں حاضر ہونے اور خاص طور پر حضرت خواجہ محمد معصوم کی سیرت، اخلاق اور احوالِ رفیعہ دیکھنے کے بعد نہ صرف یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہوگی، بلکہ خود مصنف کے ایک جلیل القدر شیخ عیسیٰ مغربی نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے بیعت کی اور طریقۂ مجددیہ نقشبندیہ کی نسبت پیدا کی، شاہ ولی اللہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں ان کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:-

> بالجملہ یکے از علمائے محققین بود وے استاد جمہور اہل حرمین است و یکے از اوحدی عصر و قرأت بسیار با حسن بیعت وے گفتی من أراد أن ينظر إلى شخص لا يبتدع في دينه فلينظر إلى هذا[2]

ترکستان کے ایک مجددی فاضل محمد بیگ الازبکی ان فتاویٰ کے بعد حجاز آئے، انھوں نے اپنی کتاب "عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطأ والصواب"[3] لکھ کر یہ ثابت کیا کہ یہ فتاویٰ مکتوبات کی عبارتوں کے غلط تراجم پر مبنی ہیں اور دانستہ ایسی تحریف کی گئی ہے انھوں نے غلط ترجمہ کی متعدد مثالیں دیں، اس توضیح سے متاثر ہو کر بہت سے علماء نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا، اور بعض نے امام ربانی کی تائید و دفاع میں کتاب لکھی

---

[1] السعادۃ الابدیۃ (مخطوطہ) ص

[2] انفاس العارفین ص ۱۹۰

ان میں حسن بن محمد مراد التونسی المکی بھی ہیں جنھوں نے "العرف الندی فی نصرۃ الشیخ احمد السرہندی" لکھی جس میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کے خلاف جو مہم شروع کی گئی تھی اس کی بنیاد غلط و محرف تراجم پر تھی، دوسرے صاحب احمد البشیشی المصری الشافعی الازہری ہیں انھوں نے اس بات کا صفائی سے اظہار کیا ہے کہ حضرت مجدد کی تکفیر صرف تصوف کی اصطلاحات و نظریات کے صحیح طور پر نہ سمجھنے یا غلط سمجھنے کی بناء پر ہو سکتی ہے جو انھوں نے استعمال کئے ہیں، محمد بیگ نے علمائے حجاز کے ساتھ اس موضوع پر مباحثے بھی کئے اور رد و قدح گفتگو اور مذاکرات بھی، جس کی وجہ سے البرزنجی کو اپنی کتاب "الناشرۃ الناجرۃ" لکھنی پڑی جس میں محمد بیگ کا بڑے حقارت آمیز و تجہیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا۔

ہندوستان میں حضرت مجدد صاحب کی مخالفت اور ان پر اعتراضات کی ایک قابل توجہ تاریخی دستاویز جو مخالفین و معترضین کی ذہنیت اور طرز فکر کی واضح ترجمانی اور اس گروہ کی کسی درجہ میں نمائندگی کرتی ہے، وہ شیخ عبداللہ خویشگی قصوری (۱۰۴۳ - ۱۱۰۶ھ) کی کتاب "معارج الولایۃ" ہے جو ایک ضخیم تصنیف ہے[1] عبداللہ خویشگی کے (جو اختصاراً عبدی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں) حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کثیر التصانیف بزرگ ہیں اپنے زمانہ کے مروجہ علوم میں دخل رکھتے ہیں، تصوف میں سلسلۂ چشتیہ سے ان کا تعلق ہے اور ذوق و مشرب وجودی ہیں بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ وحدۃ الوجود میں ان کو غلو ہے،

---

[1] اس کتاب کے قلمی نسخہ کا راقم سطور نے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے ذاتی کتب خانہ میں مطالعہ کیا ہے معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ لاہور میں بھی ہے۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری تالیف محمد اقبال مجددی، شائع کردہ دارالمؤرخین لاہور۔

ان کے اساتذہ اور معتقد فیہ اشخاص بھی زیادہ تر حضرت مجدد کے مخالفین اور وحدۃ الوجودی صوفیہ ہیں اور ان میں سے بعض (مثلاً شیخ نعمت اللہ لاہوری اور قاضی نورالدین، قاضی [illegible] مجدد صاحب کے فتویٰ تکفیر پر دستخط کرنے والوں میں ہیں) ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سید محمد برزنجی مؤلف "قدح الزند" کے متعلقین سے بھی متاثر ہوئے ہیں جو اورنگ آباد میں مقیم تھے جہاں ۱۰۹۶ھ میں خویشگی نے اس کتاب کی تکمیل کی ہے۔ اس کتاب کا ایک ماخذ اس عہد کی ایک دوسری تصنیف "قواعد المخالفین" ہے جو حضرت مجدد اور آپ کے متبعین کے رد میں لکھی گئی تھی۔

قصوری کے طرز فکر اور مبلغ علم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مجدد صاحب کی قابل اعتراض چیزوں میں نماز کی زبان سے نیت نہ کرنے کو بھی شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

چوں برائے تحریمۂ نماز برخاستے اغلب	جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے
اوقات نیت را بدل کردے و زبان را	اکثر اوقات دل سے نیت کرتے
ساکت گردانیدے و گفتے کہ رسول خدا	زبان کو حرکت نہ دیتے اور کہتے کہ
صلے اللہ علیہ وسلم نیت بدل کردہ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی
نہ بزبان زیرا کہ نیت فعل قلب	یہی معمول تھا کیونکہ نیت دل کا
است نہ فعل لسان۔	فعل ہے نہ کہ زبان کا۔

خویشگی نے مکتوبات کا مطالعہ کس نظر نارسا سے کیا تھا، اور ان کے اندر کس درجہ میں ذمہ داری کا احساس اور کسی کی طرف اقوال و خیالات کی نسبت کرنے میں کتنی احتیاط تھی، اس کا اندازہ ان کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے:-

---

اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ آباد میں [illegible]

بعض مشائخ متقدمین ہر کہ قائل
بہ وحدۃ وجود شدہ چنانچہ حسین
منصور و شیخ محی الدین عربی و امثال
آں او را ملحد زندیق گفتہ در مکتوبات
خود کہ مجلد بسہ مجلد است در اکثر
مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر
نمودہ و در بعضے محال نسبت مذاہب
اعتزال بوے ثابت نمودہ و باایں
ہمہ او را از جملہ مقبولان شمردہ ۔

مشائخ متقدمین میں سے جو لوگ
وحدۃ الوجود کے قائل تھے مثلاً
حسین منصور اور شیخ محی الدین عربی
وغیرہ (شیخ احمد سرہندی) ان کو
ملحد و زندیق کہتے تھے اپنے مکتوبات
میں جو تین جلدوں پر مشتمل ہے اکثر
مقامات پر شیخ محی الدین عربی کی
تکفیر کی ہے اور بعض مقامات پر
مذاہب اعتزال کی ان سے
نسبت کی ہے اور اس سب کے
باوجود ان کو مقبولین الٰہی میں شمار
کیا ہے۔

ان اعتراضات کے ساتھ حضرت مجدد کی تعریف بھی کرتے ہیں فرماتے ہیں:۔

بہ دعوت طالبان حق ارشاد کردہ
پس وے اکثر طالبان (را) ہدایت
نمودے و بہ جانب حق دلالت
فرمودے و در اجرائے شرائع تقید
فرمودے و تارک شرائع را توبیخ
و زجر کردے و مرتکب شرائع را

(حضرت خواجہ باقی باللہ نے) آپ کو
دعوت طالبان حق کی اجازت دی
چنانچہ طلبگاران حق کو آپ ہدایت
کرتے اللہ کی طرف رہبری فرماتے
احکام شریعت کی پیروی کی تاکید
فرماتے تارک شریعت کو زجر و توبیخ

دوست داشتے۔	کرتے شریعت پر عمل کرنے والے سے خوش ہوتے۔

مجدد صاحب کی طرف سے تاویل بھی کرتے ہیں اور حسن ظن بھی ظاہر کرتے ہیں، مخالفین نے جن عبارتوں اور الفاظ پر اعتراض کیا ہے ان کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

وقتے لازم آید کہ مراد ازیں الفاظ معنی ظاہری بودے تا اگر مراد از آنہا معنی باطنی بود چناں کہ گزشت ہیچ تکفیر و تشنیع لازم نیاید۔	لیکن یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ سے معنی ظاہری ہی مراد ہوں لیکن اگر ان سے معنی باطنی مراد ہوں جیسا کہ اوپر گزرا ہے ... اس سے کوئی تکفیر و تشنیع لازم نہیں آتی۔

لیکن پھر وہ خیال جو صحبت و ماحول کے اثر اور افواہوں کی کثرت سے ان کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا ہے، غالب آتا ہے اور وہ لکھتے ہیں۔

ولیکن حق آنست کہ ایراد کلامے کہ موہم بنقص بود بجناب نبوی خالی از نقص و قصور نیست کہ لایخفی۔	لیکن حق یہ ہے کہ ایسے کلام کا لانا جس سے بارگاہ نبوی میں تنقیص کا وہم پیدا ہوتا ہو نقص و قصور سے خالی نہیں۔

اس کتاب کی زیادہ تر اہمیت اور شہرت اس وجہ سے ہوئی کہ اس میں قاضی شیخ الاسلام کا[1] ... مراسلہ درج کیا گیا ہے جو انھوں نے اورنگ آباد کے قاضی کو ہدایت الخ

---

[1] قاضی شیخ الاسلام قاضی القضاۃ عبدالوہاب گجراتی کے بیٹے اور عہد عالمگیری کے نامور قضاۃ میں تھے [illegible] میں عالمگیر نے ان کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا [illegible] میں اس عہدہ جلیلہ سے استعفا دیا اور حج کے لئے چلے گئے (رود کوثر [illegible])

کے [illegible] موجود ہے اور اسی کے ضمن میں مصنف کا بیان ہے کہ وہ بادشاہ اسلام (اورنگ زیب عالمگیر) کے حکم سے جاری کیا گیا، وہ اس پر قاضی شیخ الاسلام کی مہر بھی۔ مصنف کے بیان کے مطابق اس پر ۱۲ شوال ۱۰۹۳ھ کی تاریخ درج ہے۔ یہ اسناد یا فرمان مصنف نے کتاب [illegible] سے نقل کیا ہے اور یہاں بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:-

رقم زبانی ... بتاریخ ۱۲ شہر شوال	۱۲ ماہ شوال ۱۰۹۳ھ ... قاضی
سنہ ۱۰۹۳ ... و بجہت آنکہ	ہدایت اللہ کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں
شریعت پناہ فضائل و کمالات	ہمیں بادشاہ کے پاس روایت پہنچی کہ
دستگاہ قضابت انتساب قاضی	مکتوبات شیخ احمد سرہندی کے
ہدایت اللہ بدانند	بعض مقامات ظاہراً عقائد اہل سنت
درین ولا بعرض مقدس معلی رسید	کے مخالف ہیں، شیخ مذکور کے معتقد
بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی	جو شہر اورنگ آباد میں سکونت رکھتے
ظاہراً مخالف عقائد اہل سنت	ہیں ان کی اشاعت کرتے ہیں ...
جماعت است، و معتقدان شیخ	تو ان کو روک دیجئے اور ان
مذکور کہ در شہر اورنگ آباد خجستہ بنیاد	عقائد باطلہ مذکورہ کی تحقیق پر
سکونت دارند و ترویج آن می نمایند	اعتقاد رکھتے ہیں، حکم والا شرف
و معتقد آن نمی شوند اعتقاد و تحقیقت	صدور پایا کہ تمام شریعت پناہ کو
عقائد باطلہ مذکورہ دارند	حکم دیں کہ ان کو روکیں اور ان پر عتاب

لہ [illegible] ۱۰۹۳ھ کا ہو گئے [illegible] کے [illegible] بعد [illegible]

[illegible] صاحب [illegible] مصنف کی وفات [illegible]

حکم والا شرف صدور یافت کہ	کے درس و تدریس سے روک دیا جائے
ایں خادم شریعت با شریعت پناہ	اور جس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ ان
بنویسد کہ آنہا را از رشد و درس آں	عقائد باطلہ پر اعتقاد رکھتا ہے،
منع بکنند کسے کہ معلوم شود کہ معتقد	اس کو سزائے شرعی دی جائے۔
عقائد باطلہ مذکورہ است او را	اس لئے اس کو تحریر میں لایا گیا،
بجزائے شرعی رسانند لہذا نگارش	چاہیئے کہ اس حکم واجب الاتباع
خدمت باید کہ بر طبق حکم مطاع واجب	کے مطابق عمل کیا جائے اور حقیقت
الاتباع عمل آرند و حقیقت برنگارند[1]	لکھی جائے۔

اس فرمان شاہی کو زمانۂ حال کی بعض تصنیفات میں بڑی اہمیت دی گئی ہے اور گویا یہ ایک عظیم تاریخی انکشاف ہے جو عالمگیر کے مجددی تحریک سے متاثر اور حضرت مجدد اور ان کے خاندان سے عقیدت مندانہ تعلق اور روابط کی پوری عمارت کو منہدم کر دیتا ہے[2] لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ اتنا "سنسنی خیز" اور ہوش ربا نہیں ہے جتنا سمجھا گیا ہے پہلی بات یہ ہے کہ اس میں جہاں مکتوبات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں بظاہر وہ مخالفت عقائد اہل سنت والجماعت کہا گیا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس بات پر تشویش ظاہر کی گئی ہے وہ ان مضامین کی ترویج و تدریس ہے اور جس چیز سے روکا گیا ہے وہ بھی تعلیم و اشاعت

---

[1] معارف الولایۃ [illegible]

[2] یہودی فاضل YOHANAN FRIEDMANN کی کتاب - SHAYKH AHMAD SIRHINDI AN OUTLINE OF HIS THOUGHT & A STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY (McGILL UNIVERSITY, MONTREAL & LONDON, 1971) مطبوعہ

اور درس و تدریس ہے؟ ظاہر ہے کہ ان دقیق و غامض مضامین کی (جن کا فہم محققین کی اصطلاحات سے واقفیت اور سلوک و تصوف کے عملی تجربات و ممارست پر موقوف ہے) عام اشاعت اور ان کا حلقۂ درس میں لانا جس میں مبتدی و منتہی سب شریک ہوتے ہیں؛ (انتشار خیال کا موجب اور اختلاف کا باعث ہو سکتا ہے، اور ایک حامی شریعت بادشاہ کو جس کے پیش نظر اپنے ملک کے معاشرہ کا ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہنا ہے اور بزرگوں کے معاملہ میں زبان طعن دراز کرنے سے احتیاط کرنا ہے، اور جس کو اپنی اس دعوت اور اس خاندان والا شان سے قلبی و مخلصانہ روابط پر اصرار ہے، اور جو اپنے اثر و اقتدار سے اس کو کامیاب بنانے میں ساعی و سرگرم ہے، انتظاماً ایسی پابندی عائد کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حق ہے، اگر اس فرمان کو عالمگیر کی ذاتی زندگی، اس کے حقیقی رجحانات و جذبات اور اس خاندان کے ساتھ اس کے ان روابط و تعلقات کے (جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے) سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو اس کے چند جملوں میں اس پوری تاریخ اور عالمگیر کے اس طرز عمل کی تردید کا کوئی سامان نہیں ہے جس نے بالآخر سلطنت مغلیہ کا رخ ہندوستان سے اسلامی اثرات کے ختم کرنے سے ہٹا کر شریعت اسلامی کے نفاذ اور اسلامی تہذیب کے اجراء پر ڈال دیا، اور جس میں بلاشبہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے خاندان، خلفاء اور متبعین کا بنیادی حصہ ہے۔

بہرحال اتنا تو یقینی ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان کے باہر حضرت مجدد کی وفات کے بعد ان کے مکتوبات اور ان کی بعض تحقیقات و نکات کی بنا پر مخالفت و تضلیل کی جو مہم شروع کی گئی تھی اور جس میں علماء و اہل افتاء کی بھی ایک تعداد شریک ہو گئی تھی، اس نے بارہویں صدی کے نصف اول ہی میں دم توڑ دیا، اور اب وہ صرف تاریخ کے (اور وہ بھی بعض قلمی کتابوں کے

سہارے پر، اوراق میں مدفون ہو کر رہ گئی ہے، بارہویں صدی کے نصف اول ہی میں ہندستان سے ترکستان تک مجددی خانقاہیں اور ہدایت و ارشاد کے مرکز قائم ہو چکے تھے، سلسلۂ مجددیہ کے مشائخ اور علماء نے مکتوبات کے متعدد عربی ترجمے کر کے بیشتر اسلامی ممالک میں پھیلا دیئے تھے، شیخ محمد مراد مکی قزانی نے حضرت مجددؒ اور ان کی اولاد و احفاد اور ان کے سلسلہ کے عرب و ترک مشائخ کا عربی میں تذکرہ لکھا جو "ذیل الرشحات" کے نام سے شائع ہوا ہے، نیز مکتوبات کا ترجمہ بھی کیا جو "الدرر المکنونات النفیسۃ" کے نام سے شائع ہوا، نیز شیخ محمود زادہ بیگ الاوزبکی کا عربی رسالۃ "عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب" بھی شائع ہوا، اور مکتوبات کی ممالک عربیہ اور ترکی میں ایسی اشاعت ہوئی کہ تمام غلط فہمیاں رفع ہو گئیں،[1] سرآمد علمائے روزگار علامہ شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) اپنی مشہور آفاق تفسیر "روح المعانی" میں مجدد صاحبؒ کا بہت احترام سے نام لیتے ہیں اور مکتوبات کے بکثرت اقتباسات پیش کرتے ہیں، اور اب کہیں بھی علماء کے حلقہ سے مخالفت اور تضلیل کی کوئی تحریک یا مہم جاری نہیں۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا	میل کچیل کا جھاگ (جو کسی کام کا نہیں ہوتا)
مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ	رائیگاں جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے
كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ۔	لئے نفع بخش ہے وہ زمین میں رہ جاتی ہے
(سورۃ الرعد ۱۷)	اسی طرح اللہ (لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے)
	مثالیں بیان کرتا ہے۔

حکمت الٰہی کی یہ عجیب کارفرمائی ہے کہ مخالفت و تضلیل کی اس مہم میں سب سے بڑا حصہ حجاز کے ان علماء نے لیا تھا جو کردی الاصل تھے، شیخ ابراہیم الکورانی کردی ہیں اور سید محمد برزنجی بھی شہر زور میں پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی تبلیغ و اشاعت

---

[1] ان حضرات نے جو کام کیا، حضرت مجددؒ اور ان کے سلسلہ کی [illegible] کا فرض انجام دیا [illegible] کے نام [illegible] پر [illegible]

کے لئے ایک کردی عالم مولانا خالد شہرزوری کا انتخاب فرمایا، جن کی مساعی جمیلہ اور قوت نسبت سے یہ سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں اس طرح پھیلا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔[1] — وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

* * *

---

[1] تفصیل باب ہشتم میں آئے گی۔

باب ہشتم

حضرت مجددؒ کے دو خلفائے کبار اور ان کے متوسلین کے ذریعہ آپ کے تجدیدی کام کی توسیع وتکمیل

مشاہیر خلفاء

حضرت مجددؒ کے خلفائے عظام کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء دشوار ہی نہیں بلکہ تقریباً ناممکن ہے کہ ان کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے خلفاء میں متعدد اصحاب کے نام جن کو آپ نے بعض بیرونی ممالک میں اصلاح وتربیت کا کام تفویض کرکے روانہ فرمایا تھا یا ہندوستان کے بعض اہم مقامات میں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا گذشتہ اوراق میں گذر چکے ہیں یہاں پر حروف تہجی کے اعتبار سے ان میں سے مشاہیر کی فہرست درج کردی جاتی ہے پھر دو اہم ترین خلفاء (حضرت خواجہ محمد معصوم اور حضرت سید آدم بنوری) کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے گا پھر ان کے خلفائے کبار اور ان کے سلسلوں کی اشاعت اور ان کے ذریعہ سے اصلاح وتربیت کا جو کام انجام پایا جن اہم روحانی وتربیتی مراکز کی بنیاد پڑی اور ان سے عوام وخواص کو جو فائدہ پہنچا اس کا اجمالاً تذکرہ آئے گا جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت مجددؒ کے سلسلہ کو کس طرح قبول عام عطا فرمایا اور ان کی اصلاحی و تجدیدی مساعی کو کیسا بارآور اور پرثمر فرمایا۔ اور یہ سب ارادۂ خداوندی، تائید غیبی، قبولیت عند اللہ نہایت اخلاص اور اتباع سنت کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا محمد جتی (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدر الدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷) شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خاں افغانی (۱۰) میر صفیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بدخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ خورد (۱۵) شیخ عبد الحی حصاری (۱۶) مولانا عبد الواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبد الہادی فاروقی بدایونی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی (۲۱) سید محب اللہ مانکپوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۷) شیخ مزمل (۲۸) حافظ محمود لاہوری (۲۹) شیخ نور محمد پٹنی (۳۰) مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی (۳۱) مولانا یار محمد قدیم (۳۲) شیخ یوسف برکی (۳۳) مولانا یوسف سمرقندی۔[1]

---

[1] حروف تہجی کی رعایت سے یہ فہرست مولانا سید زوار حسین کی تالیف "حضرت مجدد الف ثانی" (شائع کردہ ادارہ مجددیہ کراچی) سے ماخوذ ہے۔ ان کے حالات کے لئے مذکورہ بالا کتاب از ص [illegible] اور تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی کا مقالہ تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ (از مولانا نسیم احمد فریدی صاحب) ص ۲۳ تا ص ۲۷ ملاحظہ ہو۔

حضرت خواجہ محمد معصوم[1]

شیخ طریقت وامام وقت فاضل اجل حضرت معصوم بن احمد بن عبد الاحد العمری یعنی خواجہ محمد معصوم نقشبندی سرہندی اپنے والد کی جیتی اولاد صورۃً مشابہ قریب تر پیروی واتباع میں فائق آپ کے علوم کے حامل خصوصی فرزندان گرامی میں سب سے زیادہ مشہور اور ان میں سب سے زیادہ بابرکت تھے۔

۱۱ر شوال ۱۰۰۷ھ میں پیدا ہوئے، اور بعض کتب درسیہ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق سے اور بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں، اپنے والد کی خدمت میں رہ کر تحصیل طریقت کی، اور تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا، نسبت پدری کی تحصیل میں آپ کا حال صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ جیسا تھا، جو اپنے دادا صاحب کی تحریروں کو ان کے لکھے جانے کے ساتھ ہی حفظ کرتے جاتے تھے، اسی لئے اس مرتبہ کو پہنچے جہاں آپ کے والد کے اصحاب میں سے کوئی نہیں پہنچا، چنانچہ آپ کے والد ماجد نے "قیومیت" وغیرہ جیسے بلند مقامات کی بشارت دی، والد ماجد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور حرمین شریفین کا سفر کر کے حج وزیارت سے مشرف ہوئے، اور خاصی مدت تک مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر ہندوستان واپس ہوئے، اور درس وافادہ میں عمر صرف کر دی، تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ، عضدی، وتلویح زیادہ تر درس میں رہیں۔

شیخ مراد بن عبد اللہ قزانی "ذیل رشحات" میں لکھتے ہیں کہ آپ اپنے والد ماجد کی طرح اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، آپ نے دنیا کو روشن کر دیا، اور اپنے توجہات اور

---

[1] حضرت خواجہ محمد معصوم کا یہ تذکرہ جس میں اکثر حضرت مجدد کی باتیں آگئی ہیں، نزہۃ الخواطر ج ۵ سے ماخوذ ہے۔

بلند حالات کی برکت سے جہالت و بدعت کی تاریکیوں کو کافور کر دیا ہزاروں انسان اسرار الٰہی کے محرم ہوئے اور آپ کے شرف صحبت کے سبب بلند حالات تک پہنچے کہا جاتا ہے کہ نو لاکھ انسانوں نے آپ سے بیعت کی جن میں آپ کے خلفاء کی تعداد سات ہزار ہے جن میں شیخ حبیب اللہ بخاری بھی تھے جو اپنے زمانے میں خراسان و ماوراء النہر کے سب سے بڑے شیخ تھے آپ کی وجہ سے بخارا کی فضائیں بدعت کی تاریکیوں کے بعد سنت کی روشنیوں سے منور ہوگئیں آپ نے چار ہزار مریدوں کو باکمال بنا کر خلافت و اجازت سے سرفراز کیا۔

شیخ محمد معصومؒ کے مکتوبات تین جلدوں میں ہیں اور والد ماجد (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے مکتوبات ہی کی طرح اسرار و رموز اور لطائف و اشارات پر مشتمل ہیں اور اکثر مجدد صاحبؒ کے دقیق علوم و معارف کی تفسیر و تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو شہر سرہند میں انتقال فرمایا جہاں دفن ہوئے قبر مبارک مشہور اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت سید آدم بنوریؒ[۱]

شیخ عارف، ولی کبیر حضرت آدم بن اسماعیل بن بہوہ بن یوسف بن یعقوب بن حسین حسینی کاظمی بنوری سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار میں ہیں آپ کے والد ماجد کو خواب میں آپ کی پیدائش کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ملی تھی سرہند کے قریہ بنور (بفتح باء و تشدید نون) میں آپ کی ولادت و نشو و نما ہوئی۔

آپ نے حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک مرید حاجی خضر روغانی سے ملتان میں روحانی

---

[۱] حضرت شیخ آدم بنوری کا تذکرہ نزہۃ الخواطر ج ۵ سے ماخوذ ہے جو اس سلسلہ میں "ما قل و دل" کا مصداق ہے۔

استفادہ کیا اور دو ماہ ان کی خدمت میں رہ کر شیخ کے حکم سے حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان کے پاس مدت تک مقیم رہ کر طریقت کی تحصیل کی۔ خلاصۃ المعارف میں ہے کہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی خدمت میں آپ کو ربانی کشش حاصل ہوئی جو انھیں اپنے شیخ اسکندر سے اور انھیں اپنے دادا شیخ کمال الدین کیتھلی سے حاصل ہوئی تھی، فی الجملہ آپ اس رتبے کو پہنچے جہاں آپ کے بہت سے معاصر مشائخ نہیں پہنچ سکے۔ آپ کا طریقہ شریعت محمدیہ اور سنت نبویہ کا اتباع تھا جس سے اپنے اقوال و افعال میں سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔

آپ سے ایک خلق نے استفادہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سے چار لاکھ مسلمانوں نے بیعت کی اور ان میں سے ایک ہزار نے علم و معرفت کا وافر حصہ پایا۔ کہتے ہیں کہ آپ کی خانقاہ میں ایک ہزار آدمیوں سے کم تعداد شاید ہی کسی دن رہتی ہو، سب لوگ آپ کے مہمان ہوتے اور آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ تذکرۂ آدمیہ میں ہے کہ حضرت سید آدم جب ۱۰۵۲ھ میں لاہور تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار اعیان و مشائخ اور ہر طبقے کے افراد تھے، شاہجہاں بادشاہ بھی ان دنوں لاہور ہی میں تھا، جسے ان کی مقبولیت سے تشویش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے وزیر سعد اللہ خان کو شیخ کے پاس بھیجا، مگر اس ملاقات میں بدمزگی کے سبب وزیر مذکور نے بادشاہ سے شیخ کی شکایت کی جس کے نتیجے میں بادشاہ نے انھیں حرمین شریفین کے سفر کا حکم دے دیا، چنانچہ آپ نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ حجاز کا رخ کیا اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

حقائق و معارف میں شیخ آدم بنوری کی متعدد کتب و رسائل ہیں جن میں فارسی میں دو جلدوں میں "خلاصۃ المعارف" نامی کتاب ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی ہے

۲ [illegible] لہ[1] اور ان کی کتابوں میں "نکات الاسرار بھی ہے۔

شیخ آدم بنوریؒ امی تھے انھوں نے کسی سے علمی تحصیل نہیں کی تھی آپ نے ۲۳ شوال ۱۰۵۳ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں قبہ سیدنا عثمانؓ کے پاس دفن ہوئے۔

سلسلۂ مجددیہ معصومیہ اور اس کے مشائخ کبار

ہم پہلے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے سلسلے کے مشائخ کبار کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں جس سے ان کی مقبولیت اور مرجعیت ان کے افادہ و افاضہ کے دائرہ کی وسعت ان کی طرف رجوع عام اور خلق خدا کے پروانہ وار ہجوم و اژدحام اور اس وقت کے اسلامی معاشرہ اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کے وسیع و عمیق اثرات کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا، ان کے مفصل حالات و سوانح کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے جو مستقلاً ان کے حالات میں لکھی گئیں یا ان کتب و تراجم کی طرف جن میں ان کا اجمالاً تذکرہ آیا ہے جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس کے لئے مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب نزہۃ الخواطر کی جلد پنجم، ششم اور ہفتم پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔

حضرت خواجہ سیف الدین سرہندیؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے طریقہ کی اشاعت اور باقی مسند حضرت مجدد الف ثانیؒ

---

[1] مصنف نے تحدیث بالنعمۃ کے طور پر لکھا ہے کہ یہ کتاب ان کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

کے مقاصد کی تکمیل (جن میں تعلق مع اللہ کی تجدید، اتباع سنت کا رواج اور ازالۂ بدعات و منکرات خاص اہمیت رکھتا ہے) حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے خلف رشید اور خلیفۂ راشد حضرت خواجہ سیف الدین سرہندیؒ (۱۰۴۹ھ - ۱۰۹۶ھ) سے ہوئی جنھوں نے اپنے والد ماجد کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی، آپ کے ہاتھوں اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی جس کو بعد میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ نے تربیت روحانی کا عالمگیر مرکز بنا دیا اور جس کے انوار سے ایک طرف افغانستان و ترکستان، دوسری طرف عراق و شام و ترکی منور ہوئے اور شاعر کا یہ کہنا حرف بحرف صادق آیا ہے

چراغ ہفت کشور خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ نے (جس نے جیسا کہ اوپر گذرا ہے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی) حضرت خواجہ سیف الدینؒ سے روحانی تربیت حاصل کی، حضرت خواجہ کے محل شاہی میں جانے اور دیواروں پر کندہ تصویروں پر اعتراض کرنے اور بادشاہ کے اسی وقت ان کے ختم کرنے کا حکم دینے کا تذکرہ تاریخ میں آتا ہے۔ خواجہ سیف الدینؒ نے اپنے والد ماجد کو اس کی اطلاع دی اور خواجہ نے (بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں) اس پر مسرت کا اظہار فرمایا، تحریر فرماتے ہیں:۔

چہ نعمت ست کہ بایں ہمہ طمطراق   یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ شان
بادشاہی و دبدبۂ سلطانی کلمۂ حق   و شوکت اور بادشاہی دبدبہ کے باوجود

---

[1] ذیل الرشحات۔ بحث شیخ محمد و الفرقان ص ۶۳ المجدد نمبر بحوالہ الیانع الجنی

بسمع قبول افتد وگفتۂ نامرادے   کلمۂ حق قبول کیا جائے اور ایک
موثر شود۔[1]   نامراد کا کہنا موثر ہو۔

خواجہ سیف الدین نے بادشاہ میں آثار ذکر ظاہر ہونے اور بادشاہ کے بعض منازل سلوک طے کرنے کی بھی اطلاع دی اور خواجہ محمد معصوم نے اس پر بھی اپنی مسرت و اطمینان کا اظہار فرمایا ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

• بادشاہ دین پناہ کے جو احوال تم نے ذکر کیے مثلاً لطائف میں ذکر کا سرایت کرنا اور سلطان ذکر اور رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمۂ حق قبول کرنا بعض منکرات کا ترک ہونا اور لوازم طلب کا زائل ہونا یہ سب بوضاحت معلوم ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا چاہیے بادشاہوں کے طبقے میں یہ باتیں عنقا کی طرح نایاب ہیں۔[2]

بادشاہ نے ان سے رابطۂ روحانی قائم رکھا مآثر عالمگیری کے مصنف محمد ساقی مستعد خاں نے سال دوازدہم سنہ ۱۰۸۰ھ (۱۳ محرم) کے واقعات میں بادشاہ کے ایک بار رات کے باغ حیات بخش سے حضرت خواجہ کے دولت خانہ میں تشریف لے جانے اور ایک گھڑی بیٹھ کر ان کی صحبت بابرکت اور کلمات طیبہ سے مستفید ہونے اور ان کا اعزاز و اکرام کرنے کے بعد دولت خانۂ شاہی میں مراجعت کا ذکر کیا ہے۔[3]

حضرت خواجہ کا خاص ذوق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تھا، اور اس میں وہ بڑے سرگرم تھے۔ ذیل الرشحات کے مصنف شیخ مراد بن عبداللہ القزانی کے بیان کے مطابق، ان کی ان مساعی کا اثر یہ ہوا کہ قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان سے بدعات کا

---

[1] مکاتیب حضرت خواجہ محمد معصوم ج ۲ مکتوب [illegible]   [2] ایضاً ج ۲ مکتوب [illegible]

[3] مآثر عالمگیری شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۷۱ء ص [illegible]

خانقاہ ہو جائے اسی بنا پر ان کے والد ماجد نے ان کو منصب امامت کا خطاب دیا، نہایت قوی التاثیر صاحب جذب و تصرف تھے، لوگ ایک اضطراب و استغراق کی حالت میں ان کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، اسی کے ساتھ بڑے دبدبہ اور عظمت کے شیخ تھے، سلاطین و امراء ان کی مجلس میں مؤدب کھڑے رہتے تھے اور ان کو ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، رجوع عام کا یہ حال تھا کہ روزانہ چودہ سو آدمی دونوں وقت ان کے مطبخ سے اپنی خواہش و ذوق کے مطابق کھانا پاتے تھے۔[1]

خواجہ سیف الدینؒ کے بعد ان کے خلیفہ سید نور محمد بدایونی (م ۱۱۳۵ھ) نے ان کی جگہ کو آباد و ان کی خانقاہ کو نور محمدی سے منور رکھا، ان کے بعد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے ان کی مسند ارشاد کو زینت بخشی جن کا تذکرہ اپنی جگہ پر آئے گا۔[2]

خواجہ محمد زبیرؒ سے مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ تک

حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد نقشبند تھے (م ۱۱۱۴ھ) جو حجۃ اللہ نقشبند کے نام سے مشہور ہیں، حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے ان کو اپنا جانشین و خلیفہ بنایا تھا، اور ان کی وفات کے بعد وہ ہمہ تن ارشاد و تلقین میں مصروف ہو گئے۔

ان کے خلفاء میں خواجہ محمد زبیرؒ (ابن ابی العلاء ابن خواجہ محمد معصوم م ۱۱۵۲ھ) تھے جن کی طرف طالبین کا ایسا رجوع ہوا جو اس عہد میں کمتر کسی کی طرف ہوا ہوگا، جب آپ مکان سے مسجد تشریف لاتے تھے تو امراء اپنے دوشالے اور پگڑیاں مکان سے مسجد تک

---

[1] ذیل رشحات ص ۲۸-۲۹ [illegible]

[2] حضرت مرزا صاحب [illegible]

بچھائے جاتے تھے تاکہ قدم مبارک زمین پر نہ پڑے اور اگر کسی مریض کی عیادت یا دعوت میں جانے کے لئے سوار ہوتے تو بادشاہوں کے مثل آپ کی سواری جاتی تھی۔[1]

حضرت خواجہ محمد زبیر نے بڑے بڑے خلفاء یادگار چھوڑے ان میں تین بڑے نامور ہوئے، حضرت شاہ ضیاء اللہ جن کے خلفاء میں حضرت شاہ محمد آفاق ہیں، دوسرے حضرت خواجہ محمد ناصر عندلیب جن کے فرزند و خلیفہ خواجہ میر درد دہلوی ہوئے، تیسرے حضرت خواجہ عبدالعدل جن کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی مترجم قرآن و فرزند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ بڑے پایہ کے شیخ طریقت و صاحب نسبت تھے حضرت شاہ غلام علی فرماتے تھے کہ جس نے نسبت مجددی مجسم نہ دیکھی ہو وہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کو دیکھے۔[2]

ان کے خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۱۶۰–۱۲۵۱ھ) کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام عطا فرمایا اور شہرۂ آفاق بنا دیا۔ دہلی سے کابل تک لوگوں نے آپ سے فیض اٹھایا کابل تشریف لے گئے تو زماں شاہ، شاہ افغانستان نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت شاہ محمد آفاق کے خلیفۂ ارشد اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (۱۲۰۸–۱۳۱۳ھ) تھے جن کے جذب قوی، نفس گرم، زہد و تجرید، اتباع شریعت، علم سنت و حدیث اور عشق الٰہی و حب نبوی نے نصف صدی سے زائد تک ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند) کی فضا کو گرم اور منور رکھا اور خود انہیں کے الفاظ میں عشق کی

---

[1] درالمعارف ملفوظات حضرت شاہ غلام علی

[2] ایضاً صـ۱۔

دکان کی گرم بازاری رہی[1]:

ہندوستان کے وسیع النظر و محتاط مؤرخ اور تذکرہ نگار مولانا حکیم سید عبدالحی مصنف نزہۃ الخواطر کے بقول:—

"عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف و ہدایا کی بارش ہوئی بڑے بڑے امراء اور رؤساء دور دراز اور دشوار گذار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوئے اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی اور ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہوئی جو اس زمانہ میں کسی شیخ طریقت کو حاصل نہیں تھی۔

جہاں تک آپ کے کشف و کرامات کا تعلق ہے وہ حد تواتر کو پہونچ گئی ہیں اور اس بارہ میں اولیاء متقدمین میں بجز حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی[2]؛"

مفصل تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو راقم سطور کی کتاب تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی؛

---

[1] ندوۃ العلماء کے اکثر بانی و ناظم حضرت مولانا کے مرید و مسترشد تھے مثلاً مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم اول ندوۃ العلماء مولانا محمد زمان خان شاہجہانپوری (استاد اعلیٰ حضرت محبوب علی خان نظام دکن) مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری مولانا سید تجمل حسین بہاری مولانا حکیم سید عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی (صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن) حسام الملک مخلص الدولہ نواب سید علی حسن خان ناظم ندوہ، مولانا کے سلسلہ کی اشاعت اول الذکر مولانا سید محمد علی مونگیری کے ذریعہ وسیع پیمانہ پر ہوئی۔

[2] نزہۃ الخواطر ج ۸ ۔

مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ غلام علی

حضرت سید نور محمد بدایونی کے خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید[۱] (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) تھے جنہوں نے پینتیس ۳۵ سال تک اپنے انفاس قدسیہ سے دلوں کو گرم و منور رکھا اور دارالسلطنت دہلی میں عشق کا زور بازار اپنے عروج پر رہا، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے صاحب نظر معاصر کی ان کے متعلق شہادت ہے۔

> ”ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں کہ ہم یہیں کی پیدائش ہیں اور یہیں عمر بسر ہوئی، ملک عرب کو خود دیکھا ہے اور اس کی سیاحت کی ہے، افغانستان و ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے ہیں، اس سب کے بعد اس فقیر پر بہ تحقیق ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور طریقت پر اور کتاب و سنت کی پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم ہو اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا مستند اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو موجودہ وقت میں ان ملکوں میں سے کسی خطہ میں جن کا ہم نے تذکرہ کیا پایا نہیں جاتا، دور ماضی اور بزرگان سلف کی بات ہو سکتی ہے، لیکن سچ پوچھئے تو میرا خیال ہے ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں نہ پائے جاتے چہ جائیکہ اس زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پر ہے۔“[۲]

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلفاء میں حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچی (م ۱۲۱۸ھ) مصنف ”معمولات مظہریہ“ اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) مصنف ”تفسیر المظہری“ و ”ما لا بد منہ“ اور مولانا غلام یحییٰ بہاری (م ۱۱۸۰ھ) جیسے سرآمد روزگار

---

[۱] اصل نام شمس الدین حبیب اللہ تھا، مظہر تخلص تھا، والد کا نام مرزا جان تھا، اسی نسبت سے عالمگیر مرحوم نے جان جان نام رکھا کہ فرزند جان ہیں، بعد میں خلق کی زبان پر جان جاناں جاری ہوگیا۔ [۲] کلمات طیبات ص ۱۶۴-۱۶۵

علماء و مشائخ تھے[1] لیکن مرزا صاحب کے سلسلہ بلکہ طریقہ مجددیہ کی عالمگیر اشاعت ان کے خلیفۂ ارشد حضرت شاہ غلام علی بٹالویؒ (ولادت ۱۱۵۶ھ م سنہ ۱۲۴۰ھ) کے لئے مقدر تھی ان کو سلسلۂ مجددیہ کا مجدد کہیے تیرہویں صدی میں سلوک الی اللہ اور تزکیہ و احسان (جس کا معروف نام تصوف ہے) کا مجدد کہنا صحیح ہوگا جن پر عجم و عرب کے طالبین نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس[2] خلفاء تھے، سرسید احمد خاں مرحوم آثار الصنادید[3] میں لکھتے ہیں:۔

> میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم و شام اور بغداد و مصر و چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان، پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے حضرت کی خانقاہ میں پانسو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔

شاہ رؤف احمد مجددی دُرّ المعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں جو ۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے

> سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، رامپور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونا وغیرہ۔

ان کے اس فیض عام کو دیکھ کر ان کے مسترشد مولانا خالد رومیؒ کا فارسی کا یہ شعر بالکل واقعہ کی تصویر ہے ؎

---

[1] خلفاء و مریدین مبارک کے لئے ملاحظہ ہو مقامات مظہری۔ از ص ۷۲ تا ۷۸ میں انہی خلفاء کے نام دیئے ہیں ان کی تعداد ۴۳ ہے

[2] آپ کا اصل نام عبداللہ تھا لیکن غلام علی کے نام سے مشہور ہوئے [3] آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۳ دارالمعارف مطبع ثانی

خبر از مرگ و عیدی آں شاہ خوباں را بہ پنہانی
کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانش

حضرت شاہ غلام علیؒ کے بڑے بڑے جلیل القدر خلفاء ہوئے، ان میں سے حضرت شاہ سعد اللہ جن کے خلیفہ شاہ محمد نعیم معروف بہ مسکین شاہ صاحب (م ۱۲۶۳ھ) تیرہویں صدی کے وسط میں حیدرآباد تشریف لائے اور طویل قیام فرمایا، آصف جاہ ششم اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں ان کے ارادت مند تھے، شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد بادشاہ بخاری (م ۱۲۸۳ھ) تھے، حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایک خلیفہ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی (وفات ۱۲۵۳ھ) نے بھوپال میں خانقاہ مجددیہ کی بنیاد ڈالی، بھوپال ہی میں مولانا شاہ بشارت اللہ بہرائچی (م ۱۲۹۲ھ) نے سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی اشاعت کی، بخارا میں شیخ محمد شریف کامل بنے ہوئے تھے اور انھوں نے سلسلۂ مجددیہ کا فیض عام کر رکھا تھا، شیخ احمد جاوی قادری نے بغداد سے آکر بیعت و اجازت حاصل کی۔

مولانا خالد رومی

عراق و شام اور ترکی میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے سلسلہ کی اشاعت کا کام اللہ نے ایک کردی فاضل اجل مولانا خالد رومی سے لیا جو اپنے عہد میں حضرت کے فیض و ارشاد

لے یہ اشعار [illegible] کی تعریف میں ہیں جو [illegible] عبد الغنی [illegible] نے اپنے [illegible] نقل کیا ہے کہ [illegible] ۱۲۹۶ھ

کلہ ان کے خلیفہ مولانا [illegible] صاحب (م ۱۲۹۳ھ) [illegible] مدت دراز تک حیدرآباد میں سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ کلہ ان کو [illegible] صاحب اور ان کے فرزند ارجمند مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب نے اپنے اپنے وقت میں آباد کیا۔ [illegible] ۱۲۹۳

کا آوازہ سن کر بہت شوق و بے قراری بن کر منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے ایک سال میں دہلی پہنچے اور آستانہ پر آ کر ایسے پڑے کہ تکمیل سلوک کی منزلیں طے کر کے اجازت و خلافت تامہ سے مشرف ہوئے، اس عرصہ میں ان کی یکسوئی کا عالم یہ تھا کہ دہلی کے علماء و مشائخ جو ان کے فضل و کمال کی شہرت برسوں سے سنتے تھے ملنے آتے تو فرما دیتے کہ فقیر جس مقصد کے لئے آیا ہے اس کے حصول کے بغیر کسی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، مسند وقت سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب آئے کہ: بتقادم نیز بزرگ باہر سے آنے والے سے خود ملنے جاتے ہیں) اور حضرت شاہ ابو سعید صاحب نے جو ان کے شاگرد رشید تھے عرض کیا کہ استاذ الہند آپ کی ملاقات کے لئے آئے ہیں فرمایا کہ سلام کہو اور کہو کہ مقصد براری کے بعد میں خود حاضر ہوں گا۔

وطن واپس گئے تو طالبین خدا پروانہ وار ٹوٹ پڑے، دنیا زجمع ہو گیا، شاید مولانا شاہ رؤف احمد صاحب مجددی اپنی کتاب ذکر العارفین میں جمعہ ۲۴ رجب ۱۲۳۱ھ کی روداد میں لکھتے ہیں کہ ایک مغربی بزرگ حضرت کا نام مبارک سن کر منزلوں پر منزلیں قطع کر کے بغداد میں مولانا خالد رومی سے ملتے ہوئے حاضر ہوئے انھوں نے مولانا کی مقبولیت و مرجعیت کا حال بیان کیا کہ تقریباً ایک لاکھ آدمی حلقہ بگوش ارادت اور بیعت سے مشرف ہو چکے ہیں، ایک ہزار عالم متبحر داخل طریقہ ہو کر مولانا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں[1] خود مولانا خالد نے حضرت شاہ ابو سعید کے نام جو خط لکھا ہے اس میں تحدیث بالنعمت کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

تمام مملکت روم و عرب اور حجاز و عراق اور بعض ممالک عجم اور پورے کردستان طریقۂ عالیہ نقشبندیہ

---

[1] ذکر العارفین صفحہ ۱

کی تاثیرات وجذبات سے سرشار رہتا اور شب و روز تمام محافل و مجالس، مساجد و مدارس میں حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی کے محاسن و مناقب کا ذکر اس طرح ہر جگہ چھڑ گیا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا گمان نہیں ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور کسی وقت میں گوش زمانہ نے ایسا مژدہ سنا ہو، چشم فلک نے ایسی بخشش اور ایسا اجتماع دیکھا ہو...... اگرچہ ان قسم کی باتوں کا تذکرہ ایک طرح کی گستاخی اور خود بینی ہے لیکن فقیر اس پر مجبور ہے کہ بعض دوستوں کے حق کو مقدم جان کر اس نے بے ادبی کی جرأت کی۔[1]

علامہ ابن عابدین مشہور بہ علامہ شامی مصنف رد المحتار شرح الدر المختار، مولانا خالد رومی کے شاگرد و دست گرفتہ تھے، انھوں نے ان کے مناقب میں پورا رسالہ "سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی" کے نام سے تصنیف کیا ہے[2] جو اصلاً ایک رسالہ کی تردید میں ہے جو بعض حاسدین نے مولانا خالد کی مخالفت و تضلیل میں لکھا تھا، رسالہ کے آخر میں مختصر حالات لکھے گئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلیمانیہ کے قریب قصبہ قرہ داغ کے رہنے والے تھے، سنہ ۱۱۹۰ھ میں ولادت ہوئی، اساتذہ وقت سے علوم مروجہ کی تعلیم حاصل کی، اور معقولات، ریاضیات، ہیئت وغیرہ میں بھی کمال پیدا کیا، پھر سلیمانیہ واپس آکر حکمت، علم کلام و بلاغت کی انتہائی کتابیں پڑھائیں، سنہ ۱۲۲۰ھ میں حج بیت اللہ وزیارت سے مشرف ہوئے، مکہ معظمہ میں دہلی جانے کا اشارہ غیبی پایا، پہلے شام واپس آئے، وہاں ایک ہندوستانی سے حضرت شاہ غلام علی صاحب کا ذکر سنا، اس کی بنا پر سنہ ۱۲۲۴ھ میں ایران اور افغانستان ہوتے ہوئے، اور ہر جگہ اپنے علم کا سکہ منواتے ہوئے لاہور کے

---

[1] ترجمہ ماخوذ از مقدمہ مولانا عبد الشکور صاحب مشمولہ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی۔

[2] شامل مجموعہ رسائل ابن عابدین طبع جدید سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان۔

راستہ سے ہوتے ایک سال کی مدت میں دہلی پہونچے، دہلی پہونچ کر عربی میں قصیدہ شوقیہ کہا جس کا مطلع یہ ہے

کملت مسافة کعبة الآمال
حمدا لمن قد منّ بالاکمال

ایک سال نہیں گذرا تھا کہ طریق خمسہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے اور پھر اپنے مرشد کے حکم سے وطن کی طرف واپس ہوئے، بغداد پہونچ کر تربیت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا، پانچ مہینے وہاں قیام کر کے وطن واپس ہوئے، ۱۲۲۸ھ میں پھر بغداد واپس ہوئے وہاں ان کی مقبولیت اور رجوع عام دیکھ کر لوگوں کو حسد ہوا، اور ان کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کیا گیا، والی بغداد سعید پاشا کی طرف سے بعض علماء کو اس کی تردید کا ایما ہوا، علمائے بغداد نے اپنی مہروں سے مزین کر کے ان کی برأت اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کا فتویٰ دیا، کردوں، اہل کرکوک، اربل، موصل، عمادیہ، عنتاب، حلب، شام، مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بغداد کے ہزاروں آدمیوں نے ان سے نفع اٹھایا۔

مصنف نے اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کا ذکر اور ان کی تصنیفات کی فہرست پیش کی ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور شاعر شیخ عثمان سند کی بھی ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے جو مولانا خالد کے حالات میں لکھی گئی ہے اور اس کا نام ہے "اصفی الموارد فی ترجمة حضرة سیدنا خالد" آخر میں مولانا خالد نے شام کو اپنا مستقر بنا لیا، انھوں نے ۱۲۳۸ھ میں اپنے خلفاء ومریدین کے ایک جم غفیر کے ساتھ شام کا سفر فرمایا اور ملک شام گویا ان پر امنڈ آیا، سلوک وارشاد کے ساتھ علوم شرعیہ کی اشاعت، مساجد کی دوبارہ آبادی ورونق کی طرف بھی متوجہ ہوئے، بالآخر ۱۲۴۲ھ کے طاعون میں ۱۴ ذی القعدہ کو شہادت حاصل کی

نورِ قدسیوں کے دامن میں مدفون ہوئے۔ مولانا انیس عثمانی لکھتے ہیں کہ مؤلف رسالہ نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ سیدنا عثمان بن عفان کا انتقال ہو گیا ہے اور میں ان کی نماز جنازہ پڑھا رہا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ یہ میری رحلت کا اشارہ ہے۔ یہاں ان کی اولادوں میں یہ خواب انھوں نے مغرب کے وقت بیان کیا تھا، اور مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز پڑھ کر وصیت فرمائی اور جانشین بنایا، گھر میں تشریف لے گئے، اسی رات طاعون کا حملہ ہوا اور انتقال فرما گئے۔

حضرت شاہ احمد سعید اور ان کے خلفاء

حضرت شاہ غلام علی صاحب کے اصل جانشین اور ان کے سلسلہ کو چار دانگ عالم میں پھیلانے والے ان کے خاص تربیت یافتہ خاندان مجددی کے چشم و چراغ حضرت شاہ احمد سعید ابن شاہ ابو سعید (۱۲۱۷ھ - ۱۲۷۷ھ) تھے، جنھوں نے اپنے والد حضرت شاہ ابو سعید کی وفات کے بعد ۱۲۵۰ھ میں حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے سجادہ کو رونق بخشی اور کامل ۲۳ برس (۱۲۵۰ھ تا ۱۲۷۳ھ) تک سرگرمی سے سلسلہ مجددیہ کی اشاعت میں سرگرم رہے اور اسی سال (۱۲۷۳ھ) میں مجبوراً ہندوستان اپنے آبا و اجداد کی خانقاہ کو خیرباد کہا، اور محرم ۱۲۷۴ھ میں دہلی سے روانہ ہو کر شوال ۱۲۷۴ھ میں مکہ مکرمہ پہنچے، پھر مدینہ طیبہ میں مستقل طور پر قیام اختیار کیا اور دو سال بقیہ حیات رہ کر وہیں آسودۂ خاک ہوئے، دو سال کے اس قلیل عرصہ میں ترک اور عرب سیکڑوں کی تعداد میں آپ سے بیعت ہوئے۔ ایک شاہد عینی کے بقول "اگر آپ کی حیات وفا کرتی اور یہ سلسلہ جاری رہتا تو آپ

---

[1] ص نعم الامام المہدی [illegible] ترکی کا سلسلہ تمام ترکی اور عرب تک موجود ہے [illegible]

حضرت شیخ [illegible] [2] [illegible] مولانا شاہ ابوالحسن زید [illegible]

مریدوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جاتی تھی[1]۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے۔ مناقب احمدیہ[2] میں اسّی حضرات کے نام مذکور ہیں، ہندوستان میں ان کے سلسلہ کی اشاعت ایک طرف شیخ دوست محمد قندھاری کے ذریعہ ہوئی جن کے خلیفۂ اعظم خواجہ عثمان دامانی (م ۱۳۱۴ھ) نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضا کو عشق کی حرارت اور نسبت نقشبندیہ کی سکینت سے معمور کر دیا، ان کے خلیفۂ اعظم خواجہ سراج الدین (م ۱۳۳۳ھ) نے اس سلسلہ کو دور تک پہونچا دیا، اللہ نے ان کو وجاہت عظیم عطا فرمائی، اور انھوں نے ارشاد و تربیت اور عزم و استقامت و اشتغال بالحدیث کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کے سجادہ کو آباد رکھا، خواجہ سراج الدین کے خلیفہ مفسر قرآن اور داعی الی التوحید واں بھچراں[3] کے مولانا حسین علی شاہ صاحب (متوفی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء) ہوئے، ان سے اس پیمانہ پر اصلاح عقائد کا کام ہوا، اور توحید خالص کی آواز بلند ہوئی جس کی نظیر اس زمانہ میں مشکل ہے۔

اسی زمانہ میں سلسلۂ مجددیہ کے ایک بڑے شیخ شاہ امام علی (متوفی ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء) مکانوی[4] تھے، جن کے رجوع عام و مقبولیت کا حال یہ تھا کہ ان کے باورچی خانہ میں روزانہ مہمانوں کے لئے تین سو بکرے ذبح ہوتے تھے[5]۔ ان کا سلسلہ حضرت عبداللہ شاہ معروف بہ شاہ گل کے ذریعہ سرحد تک پہونچا ہے۔

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک جلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ سید عبدالسلام صاحب واسطی ہسوی (متوفی ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء) تھے جو بڑے عالی نسبت و صاحب استقامت شیخ تھے اور جن سے صوبجات متحدہ میں طریقہ کی اشاعت ہوئی[6]۔

---

[1] مکتوب شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعید بنام مولانا سید عبدالسلام ہسوی۔ [2] تالیف شاہ محمد مظہر [3] ضلع میانوالی مغربی پنجاب

[4] مکان شریف ضلع گورداسپور میں ایک قصبہ ہے جس کا پرانا نام [illegible] ہے۔ [5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۂ جمیل خواجگان از مرزا ظفر الرحمٰن ص ۱۵۰-۱۵۱

[6] تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے ایک فرزند حضرت شاہ عبد الرشید تھے (ولادت ۱۲۲۵ھ وفات ۱۲۸۷ھ) (جن سے نواب کلب علی خاں والی رامپور نے تربیت حاصل کی) اپنے والد ماجد کے بعد مدینہ منورہ میں ان کے جانشین و قائم مقام ہوئے، آخر میں مکہ مکرمہ آگئے تھے اور وہاں طالبین کی تربیت میں مشغول رہ کر راہی ملک بقا ہوئے اور جنت المعلاۃ میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کے صاحبزادہ شاہ محمد معصوم (ولادت ۱۲۶۲ھ وفات ۱۳۴۱ھ) نے رامپور میں خانقاہ معصومی کی بنیاد رکھی، ۴۴ سال رامپور میں قیام رہا اور ۱۳۴۱ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔[1]

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے دوسرے فرزند شاہ محمد مظہر (ولادت ۱۲۴۸ھ وفات ۱۳۰۱ھ) بڑے قوی النسبت اور کثیر الارشاد بزرگ تھے، سمرقند، بخارا، قزان، ارض روم، افغانستان و ایران، جزیرۃ العرب اور شام کے صدہا طالبین راہ خدا فیض یاب ہوئے، ۱۲۹۰ھ میں مدینہ منورہ میں نہایت عمدہ مستقل خانقاہ تعمیر کی جو رباط مظہری کے نام سے مشہور ہے، یہ باب النساء اور جنت البقیع کے درمیان واقع ہے۔

تیسرے صاحبزادہ شاہ محمد عمر تھے (ولادت ۱۲۴۴ھ وفات ۱۲۹۸ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی تھے۔

حضرت شاہ عبد الغنی

حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے برادر خورد لیکن علمی مرتبت بھائی محدث جلیل حضرت شاہ عبد الغنی (ولادت ۱۲۳۵ھ وفات ۱۲۹۶ھ) جنھوں نے درس حدیث اور سلوک و تصوف کو اس طرح جمع کیا جس کی نظیر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کی ذات کو مستثنیٰ کرکے ملنی مشکل ہے۔

---

[1] آپ کے فرزند مولانا ابو سعید بقید حیات ہیں۔

دولت باطنی اور نسبت مجددی کے حامل اور شیخ کامل ہونے کے ساتھ وہ حدیث میں استاذ زمانہ اور شیخ وقت تھے، جن کے حلقۂ تدریس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی ...... جیسے علمائے اعلام تیار ہوئے اور ہندوستان میں حدیث کا سکہ رواں ہوا اور دیوبند و مظاہر علوم کے جیسے عظیم مدارس تدریس حدیث کے مرکز قرار پائے ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ رستخیز میں وہ بھی اپنے برادر معظم کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر گئے، اور مدینہ طیبہ میں مستقل اقامت اختیار کی، اور علامہ شیخ علی متقی صاحب کنز العمال کی سنت کو زندہ کر کے حرمین شریفین میں مدت العمر خدمت حدیث میں مشغول رہے، اور عرب و عجم کو فیض پہونچا کر بقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔[1]

شاہ عبد الغنی صاحب کے تین نامور خلفاء مولانا عبد الحق الہ آبادی مہاجر مکی جو صاحب الدلائل کے نام سے مشہور ہیں (م ۱۳۳۳ھ) شاہ ابو احمد مجددی بھوپالی (م ۱۳۴۲ھ) اور حضرت شاہ رفیع الدین دیوبندی مہتمم اول دار العلوم دیوبند (م ۱۳۰۸ھ) (جن سے حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی (م ۱۳۴۷ھ) کو خلافت حاصل تھی) انھیں کے خلیفہ و مجاز تھے، حضرت شاہ احمد سعید اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے ہندوستان سے ہجرت کر جانے کے بعد یہ خانقاہ جو والا شان جو نسبت مجددیہ کا ایک مرکز تھی، اور معمور تھی، خالی ہو گئی،[2] بالآخر

---

[1] ان کے شاگرد رشید شیخ محمد یحییٰ ترہتی نے ان کے اور ان کے مشائخ کے حالات میں عربی میں مستقل کتاب لکھی ہے، اس کا نام الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبد الغنی ہے، اور وہ ایک ہندوستانی زبان کی عربیت و انشا کا بہترین نمونہ ہے۔

[2] مصنف کی نظر سے مولانا سید عبد السلام ہسوی کا ایک خط گذرا ہے، جو حضرت نے ایک ایسے سوال کے جواب میں لکھا تھا جس میں ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد خانقاہ کے خالی ہو جانے کا شکوہ کیا ہے، حضرت شاہ عبد الغنی نے مدینہ طیبہ سے جواب لکھا کہ مولانا عبد السلام صاحب ہسوی کو سمجھا دو، وہ جا کر بیٹھا کریں، دونوں وقت وہاں بیٹھیں، جگہ بیٹھنے کی برکت [illegible]

اسی خاندان والا شان کے چشم و چراغ اور اس سلسلہ کے ایک جلیل القدر شیخ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی (۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۱ھ) نے جو شاہ احمد سعید صاحب کے صاحب نسبت و ربانی پوتے تھے اس کو آباد کیا اور جلد وہ خانقاہ پھر مرجع خلائق بن گئی۔ لہ

حضرت مجدد کا خاندان والا شان چوتھی پانچویں پشت کے بعد سرہند سے نکل کر اطراف عالم میں منقسم ہو گیا۔ اس میں اسلاف کرام کی قبور کی مجاوری سے حفاظت کے علاوہ (جس کے بہت سے مفاسد تجربہ اور مشاہدہ میں آ چکے ہیں) حضرت مجدد کے طریق کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے بہت سے مصالح مضمر تھے۔ چنانچہ ایک شاخ کابل میں (جس کا آخری مرکز قلعہ جواد تھا ٹہ) عزت و وقار اور رشد و ارشاد کے ساتھ مقیم رہی۔ حضرت نور المشائخ سٹہ فضل عمر مجددی معروف بہ شیر آغا اسی شاخ سے تعلق رکھتے تھے جن کے مریدوں کی تعداد سیکڑوں سے تجاوز تھی اور ہندوستان و پاکستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے برادر اصغر شیخ محمد صادق مجددی مشرق وسطیٰ میں افغانستان کے سابق سفیر اور رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے رکن اپنے علم و صلاح و تقویٰ اور اسلامی مسائل سے دلچسپی کی وجہ سے عرب ممالک میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس عوامی تحریک میں ان دونوں بھائیوں نے مرکزی و قائدانہ کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجہ میں امیر امان اللہ خاں کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا اور نادر شاہ تخت نشین ہوئے۔

لہ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو مقامات خیر از مولانا شاہ ابو الحسن زید فاروقی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ ابو الخیر۔

ٹہ افسوس ہے کہ روسی فوجی جارحیت اور اشتراکیت نواز افغان حکومت کی وجہ سے یہ مرکز [illegible] اور اس کے [illegible] علماء و مشائخ اسیر یا جلا وطن ہوئے، خاکسار مصنف نے [illegible] کے دورۂ افغانستان و ایران میں اس مرکز کو آباد و پُر رونق دیکھا تھا اور مولانا محمد ابراہیم نور المشائخ کی بزرگانہ ملاقاتوں سے مشرف ہوا تھا۔ سٹہ [illegible] محرم الحرام [illegible] میں ان کا انتقال ہوا اور قلعہ جواد [illegible] ان کی زیارت کی [illegible]

سندھ میں بھی اس خاندان کی ایک مؤقر شاخ قصبہ ٹنڈو سائیں داد حیدرآباد سندھ میں مقیم تھی اسی شاخ میں خواجہ محمد حسن مجددی اور ان کے صاحبزادہ حافظ محمد ہاشم جان مجددی معروف و ممتاز تھے¹ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں بھی مجددی خاندان کی شاخیں موجود ہیں اور وہ وضع داری اور اپنی خاندانی روایات کے ساتھ معاش و معاد کے شریفانہ مشاغل میں مشغول اور نیک نام ہیں۔

سلسلۂ احسنیہ اور اس کے شیوخ کبار

حضرت سید آدم بنوری اگرچہ حضرت مجددؒ کے طریقۂ عالیہ کے خوشہ چیں اور ان کے آغوش تربیت کے پروردہ ہیں لیکن اپنی استعداد عالی اور فطرت ارجمند کی بنا پر سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ میں بھی ایک خاص رنگ کے حامل اور ایک ذیلی طریقہ کے بانی ہیں جس کو بہت سی مجتہدانہ خصوصیات کی بنا پر طریقۂ احسنیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ حکمت الٰہی کی یہ جلوہ گری تھی کہ جس خاندان عالی کی بنیاد ایک امی کے ہاتھ سے پڑی اس کے حصہ میں ہندوستان کے ممتاز ترین علماء و محدثین، اساتذۂ وقت، ناشرین کتاب و سنت، داعی و مصلح اعظم، مدارس دینیہ کے بانی اور مصنف و محقق آئے اور وہ اس بات میں بھی اپنے جد امجد کی سنت کے پیرو اور ان کی میراث کے وارث ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز، داعی الی اللہ و مجاہد فی سبیل اللہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید، مسند الہند حضرت شاہ اسحٰق دہلوی، بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی

---

¹ راقم نے ۱۳۵۰ھ میں حضرت شاہ محمد جان مجددی کی ان کے قصبہ اور خانقاہ میں زیارت کی، وہ صاحب علم و تصنیف بزرگ تھے، مولانا حافظ ہاشم جان کی نظام الدین دہلی میں آمد و رفت تھی، اور راقم کے وطن دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں بھی ایک بار تشریف لائے [illegible]

اسی سلسلۂ احسنیہ کے شیوخ کبار کے ذریعہ طریقۂ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل ہیں اور اس میں صاحب اجازت و خلافت ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے طرقِ تصوف کے بصیر اور نسبتوں کے رمز شناس حضرت سید آدم بنوری کے متعلق بڑے بلند الفاظ لکھتے ہیں اور ان کو سلوک و احسان کے فن کے مجتہدین اور مستقل سلسلوں کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت سید آدم بنوری کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان کا استقصاء اس مختصر باب میں مشکل ہے، نزہۃ الخواطر میں حسب ذیل حضرات کے نام آئے ہیں جن کو حضرت سید آدم بنوریؒ سے نسبت و ارادت اور بعض کو خلافت و اجازت حاصل تھی، دیوان خواجہ احمد نصیر آبادی (م [illegible])، شیخ بایزید قصوری (م [illegible])، شاہ فتح اللہ سہارنپوری (م [illegible])، شیخ سعد اللہ بخاری لاہوری (م [illegible])، لیکن ان کے سلسلہ کی اشاعت حسب ذیل چار خلفاء سے ہوئی جو ان کی مجتہدانہ تربیت و تعلیم کا نمونہ اور ان کی یادگار تھے، حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی (۱۰۳۳ھ – ۱۰۹۶ھ) حضرت شیخ سلطان بلیاوی، حضرت حافظ سید عبد اللہ اکبر آبادی، شیخ محمد شریف شاہ آبادی۔[1]

حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کا خاندان

حضرت سید شاہ علم اللہ[2] کے متعلق حضرت سید نے ہجرت کے وقت فرمایا تھا "سید

---

[1] ان کے ایک بڑے خلیفہ [illegible] تھے جو اپنے زمانہ کے بڑے عارف قوی النسبت شیخ تھے اور جن کی ولایت و جلالت شان پر اس زمانہ کے لوگوں کا اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں ان کا ایک لطیف مکتوب نقل کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۵۔

[2] مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا غلام رسول مہر حصہ اول، سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول از مصنف، تذکرہ شاہ علم اللہ از مولوی محمد الحسنی مرحوم، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے ملاحظہ ہو ص [illegible]

خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت مشائخ اور وہ میں ایسی ہوگی جیسی ستاروں میں آفتاب کی۔ خواجہ محمد امین بدخشی کی جو حضرت سید آدم بنوری کے مجاز و مقرب ہیں ان کے متعلق شہادت ہے کہ دنیا کی ہوا بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے ہندوستان و عرب میں بھی ان کے تقویٰ و استقامت کا غلغلہ ہے ...... اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرامؓ ایسے ہی ہوں گے[1]۔ صاحب بحر زخار نے آپ کے تذکرہ میں یہ لفظ لکھے ہیں[2] مجاہداتیکہ ازاں یگانۂ زمانہ در باب نفرت دنیا باتباع طریقہ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام در دیگر اولیاء امت متاخرین کمتر یافتہ می شود ان کا بیان ہے کہ جب آپ نے سفر حج فرمایا تو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے لوگ آپ کی اس قوت عمل، کمال اتباع اور عزیمت کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ ھذا کابی ذر یعنی شاہ علم اللہ صاحبؒ اس زمانے میں ابوذر غفاریؓ کا نمونہ ہیں اور یہ فقرہ حرمین میں زبان زد ہو گیا تھا اس اتباع کامل کا نتیجہ تھا کہ انتقال کی شب کو عالمگیرؒ نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی علماء سے تعبیر دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ اس رات سید شاہ علم اللہ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم تھے، سرکاری وقائع نگار کی اطلاع سے معلوم ہوا کہ اس شب کو جناب ممدوحؒ نے انتقال کیا۔

آپ کے خاندان میں سلسلہ حسنیہ مسلسل طریقہ پر جاری رہا جس میں آپ کے فرزند چہارم حضرت سید محمد (م ۱۱۰۱ھ) ان کے صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب (م ۱۱۳۱ھ) حضرت سید محمد صابر بن سید آیت اللہ بن شاہ علم اللہ (م ۱۱۹۳ھ)

---

[1] تاجی امور میں بحوالہ شیخ عبد الحکیم [2] بحر زخار از شیخ وجیہ الدین اشرف، خرق عادت میں بعض اور بزرگ اصحاب کشف و خوارق حضرت شاہ غلام علی مرشد حضرت شاہ رؤف احمد مجددی صدٰ میں بھی اس رویائے صادقہ کا ذکر ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید بن سید محمد ضیاء ابن سید آیت اللہ بن علم اللہ (م ۱۱۴۳ھ)، حضرت سید محمد واضح[1] ابن سید محمد صابر، مولانا سید محمد ظاہر حسنی (م ۱۱۸۹ھ)، مولانا سید خواجہ احمد بن یٰسین نصیرآبادی (م ۱۲۵۹ھ) اور حضرت شاہ ضیاء النبی (م ۱۲۲۲ھ) بڑے پایہ کے بزرگ اور عالی مرتبت مشائخ گذرے ہیں جن سے ہزارہا انسانوں کو ایمان و احسان کی دولت ملی، شریعت اور اتباع سنت کی توفیق حاصل ہوئی۔[2]

شیخ سلطان بلیاوی

حضرت سید آدم بنوری کے دوسرے خلیفہ اجل حضرت شیخ سلطان بلیاوی تھے۔[3] مشائخ اکرمینؒ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید آدم کے خلفاء کبار میں تھے، اکثر ان کا نام حضرت شاہ علم اللہ صاحب کے ساتھ آتا ہے۔[4]

حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی اور سلسلہ ولی اللہیہ

حضرت سید آدم بنوری کے تیسرے خلیفہ اجل جن سے ان کے سلسلہ کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی (م ۱۱۳۱ھ) انہیں کے خلیفہ و

---

[1] آپ کی وفات تیرہویں صدی کی ابتداء میں ہوئی۔ [2] حالات کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶۔

[3] یہ جگہ صوبہ بہار میں گنگا کے کنارے آباد تھا، یہ جگہ کھنیا گھاٹ کے نام سے معروف ہے جو مونگیر کے مقابل دریا کے دوسرے کنارہ پر ہے۔ [4] افسوس ہے کہ ان کے حالات و ملفوظات محفوظ نہیں رہے اب اس قصبہ میں ان کا خاندان آباد ہے۔

تربیت یافتہ تھے[1] حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز کا سلسلہ جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور پھر ان کے توسط سے حضرت حاجی عبد الرحیم شہید ولایتی، میاں جی نور محمد جھنجھانوی اور ان کے توسط سے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، پھر مولانا رشید احمد گنگوہی کے وساطت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت شاہ عبد الرحیم کے خلفاء میں حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری، اور مولانا خلیل احمد صاحب کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی سلسلۂ تبلیغ نظام الدین اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو سلسلۂ احسنیہ مجددیہ سے انتساب ہے اور اسی طریقہ میں بیعت و صاحب ارشاد ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز صاحب کے متعلق اس باب میں کچھ لکھنا تو ممکن نہیں کہ

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

ان کا تذکرہ تاریخ دعوت و عزیمت کی ایک مکمل جلد کا طالب ہے جو شاید اس سلسلہ کی پانچویں جلد ہو۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کی شہادت گذر چکی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق حضرت شاہ غلام علی صاحب نے "مقامات مظہری" میں مرزا صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نئے طریقہ کی وضاحت فرمائی ہے، حقائق و معارف کے اسرار و

---

[1] حافظ سید عبد اللہ اکبر آبادی کے فضائل و مناقب کے لیے ملاحظہ ہو انفاس العارفین ص [illegible] حضرت شاہ عبد الرحیم کے حالات و کمالات کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس رحیمیہ تصنیف فرمائی اور تفصیل کے ساتھ ان کا اور ان کے خاندان کا تذکرہ فرمایا، یہ کتاب [illegible] مطبع مجتبائی میں طبع ہوئی، ملاحظہ ہو ص [illegible]

علوم کے حقائق و خواص کے بیان کرنے میں ان کا ایک خاص اسلوب ہے علماء میں وہ ربانی کے لقب کے مستحق ہیں...... ان صوفیہ محققین میں بھی .... جو علم وہبی و لدنی کے جامع تھے ایسے لوگ انگلیوں پر شمار کرنے کے قابل ہیں جنہوں نے ان کی طرح علوم و معارف کے بارہ میں زبان کھولی ہو۔[۱]

امام معقولات علامہ فضل حق خیرآبادی نے جب شاہ صاحب کی تصنیف "ازالۃ الخفاء" دیکھی تو اپنے تلامذہ کے سامنے برملا کہا کہ "اس کتاب کا مصنف ایک بحر زخار ہے جس کا ساحل نظر نہیں آتا" عالم جلیل مفتی عنایت احمد کاکوروی کا مقولہ ہے کہ "شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال شجرۂ طوبیٰ کی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخ ہر مسلمان کے گھر میں ہے" جہاں تک حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا تعلق ہے ان کی جامعیت معقولات منقولات فنون ادبیہ میں یکساں مہارت قوت تدریس اشاعت علوم حدیث افاضہ باطنی حسن ترتیب قدرت تصنیف حلاوت کلام وسعت اخلاق ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے دلسوزی و دردمندی اور کثرت فیضان میں ان کی نظیر دور دور مشکل سے ملے گی۔[۲]

حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت

جہاں تک حضرت سید احمد شہیدؒ کا تعلق ہے جن کا خصوصی تعلق سلسلۂ احسنیہ مجددیہ سے تھا تو ان کے حالات پر ضخیم کتابیں تیار ہو چکی ہیں جن میں سید احمد شہیدؒ از مولانا غلام رسول مہر (۱، ۲، ۳، ۴) اور سیرت سید احمد شہیدؒ از مصنف (۱، ۲) کا مطالعہ کافی

---

[۱] مقالات طریقت مطبوعہ ملتان محمدی ص ۱۰۱ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷

[۳] حالات و کمالات کی قدرے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

بلحاظ ان کا اس عہد اور ہندوستان کی تاریخ پر جو گہرا اثر پڑا اور ان سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق، اشاعت اور حفاظت اسلام کا جو عظیم الشان کام لیا اس کے متعلق چند شہادتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے اس عہد کے ایک صاحب نظر عالم مولوی عبد الاحد صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت سید صاحب کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلہ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ سے زمین پر جاری ہے اس سلسلہ میں کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہوئے۔"[1]

مشہور عالم ربانی مجاہد فی سبیل اللہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"ہزارہا انسان کفر چھوڑ کر اسلام سے مشرف ہوئے اور ہزارہا لوگوں نے مذہب باطلہ سے توبہ کی اور پانچ برس کے عرصہ میں ہندوستان کے تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفر حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرف ہوئے۔"[2]

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف و مؤلف نواب سید صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) جنہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا اور ان کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا تقصار جیود الاحرار میں لکھتے ہیں:۔

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے ایک بڑی خلقت اور ایک بڑی دنیا آپ کی ظاہری و باطنی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہنچی آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سنت کی شاہراہ پر ڈال دیا ابھی تک ان کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں:

---

[1] مصنف کے مختصر حالات و تحقیق تصنیفات کی روایت میں ایک نظم [illegible] ۱۸ مطالعہ کیا اس سلسلہ میں [illegible] سوانح احمدی ص ۱۹۰

[2] رسالہ دعوت شہید مجموعہ رسائل تسعہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی ص ۲۲

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحب کمال نہیں گزرا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہنچے ان کا عشر عشیر بھی زمانہ کے علماء و مشائخ سے نصیب نہیں ہوا۔"

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، سید صاحب ہی کے واسطے سے اکابر دیوبند و بزرگان صادق پور[1] سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ میں داخل اور صاحب اجازت و خلافت ہیں، ان حضرات سے اس نیم برعظیم میں علوم دینیہ کی جو اشاعت، مدارس کا جو قیام اور دعوت و اصلاح کا جو عظیم الشان کام عمل میں آیا اور جس سے کوئی صاحب انصاف انکار نہیں کر سکتا، وہ سب بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید و اصلاحات کے نتائج اور اس کے ثمرات و برکات کی فہرست میں شامل ہیں کہ انھوں نے ہی گیارہویں صدی کے پر آشوب دور کے آغاز میں اس کا راستہ ہموار کیا، اس کے لئے سازگار حالات اور فضا پیدا کی، دلوں میں اس کا جذبہ و ولولہ پیدا کیا، اور ایک ایسی جماعت یادگار چھوڑی جس نے اپنے سوز دروں اور نور باطن سے دین کی اس شمع کو روشن و فروزاں رکھا اور پھر شیشے سے دیا جلتا رہا، اور اس ملک میں پھر کفر و جہالت اور شرک و بدعت کی تاریکی اس طرح پھیلنے نہیں پائی، جیسی کہ دسویں صدی کے آخر میں دیکھنے والوں کو نظر آرہی تھی، ان سے بلاواسطہ اور بالواسطہ نسبت رکھنے والی جماعت کو یہ کہنے کا حق ہوا کہ ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

---

[1] صادق پور پٹنہ کا ایک مشہور محلہ ہے جو سید صاحب علیہ الرحمہ کی تحریک جہاد و اصلاح کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور جس نے اس کام کو آخر وقت تک جاری رکھا اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قربانیاں دیں، حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحیی علی، مولانا احمد اللہ، مولانا عنایت علی غازی، مولانا عبد اللہ امیر جماعت مجاہدین، [illegible] اور مولانا عبد الرحیم صادق پوری اسی گھرانہ کے ممتاز فرد تھے، من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا۔

حضرت مجدد کی تصنیفات و رسائل

ہم آخر میں حضرت مجدد کی تصنیفات کی فہرست پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ان کے مفصل تعارف کے لیے ناظرین کو مولانا سید زوار حسین شاہ کی فاضلانہ تصنیف "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے مضمون[1] "حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تصانیف عالیہ" کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے جس میں فاضل مصنف نے ان تصانیف عالیہ میں سے ہر ایک کا مفصل تعارف کرایا ہے اور ان کے متعلق بیش قیمت مواد جمع کر دیا ہے[2]۔

۱۔ **"اثبات النبوۃ"** (عربی) اس کے قلمی نسخے مجددی خاندان کے کتب خانوں اور خانقاہوں میں محفوظ چلے آرہے تھے کتب خانہ ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۸۳ھ میں اصل عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۸۵ھ میں دیگر رسائل کے ساتھ اصل متن بغیر اردو ترجمہ کے شائع کیا۔

۲۔ **"رد روافض"** یہ رسالہ بعض ایرانی شیعہ علماء کے رسالہ کے جواب میں ہے یہ رسالہ غالباً ۱۰۰۰ھ کے قریب لکھا گیا ہے اس رسالہ کے بعض مضامین دفتر اول مکتوب ۸۰ اور ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں اس رسالہ کا فارسی متن مکتوبات شریف فارسی کے آخر میں بہت سے مطابع نے شائع کیا، حشمت علی خاں صاحب نے ۱۳۸۲ھ میں رامپور سے اس کا فارسی متن پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا پھر ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے فارسی متن علیحدہ اور اردو ترجمہ علیحدہ شائع کیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جو طبع نہیں ہوئی۔

---

[1] شائع کردہ ادارۂ مجددیہ ۲/۸ ایچ ناظم آباد کراچی [2] ص ۱۶۸-۱۸۶

۳۔ رسالہ "تہلیلیہ" (عربی) یہ رسالہ ۱۰۱۰ھ میں مرتب ہوا اس کے صرف قلمی نسخے پائے جاتے تھے ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے ۱۳۹۸ھ میں عربی متن مع اردو ترجمہ اور ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے ۱۳۹۸ھ میں صرف عربی متن دیگر رسائل کے ساتھ شائع کیا۔

۴۔ "شرح رباعیات" اس میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی حضرت خواجہ کے قلم سے شرح اور حضرت مجدد صاحب کے قلم سے شرح الشرح ہے، ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی کی طرف سے علی الترتیب ۱۳۸۵ھ اور ۱۳۹۸ھ میں شائع ہوا اس شرح رباعیات کی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی شرح فرمائی ہے، جو کشف الغین فی شرح رباعتین کے نام سے مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے۔

۵۔ "معارف لدنیہ" (فارسی) یہ حضرت مجدد کے معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث پر مشتمل ہے جس کو خود حضرت مجدد نے ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۶ھ میں مرتب فرمایا تھا ہر مضمون کو "معرفت" کا عنوان دیا گیا ہے ان معارف کی مجموعی تعداد اکسٹھ ۶۱ ہے اس رسالہ کا فارسی متن سب سے پہلے حافظ محمد علی خاں شوق نے مطبع احمدی رامپور سے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا، پھر مجلس علمی ڈابھیل، حکیم عبدالمجید سیفی، ادارہ سعدیہ مجددیہ اور ادارہ مجددیہ ناظم آباد کراچی لاہور نے مختلف سنین میں شائع کیا۔

۶۔ "مبدا و معاد" (فارسی) یہ رسالہ حضرت مجدد کے علوم و معارف پر مشتمل ہے اس کے مضامین متفرق مسودات کی شکل میں تھے جن کو حضرت مجدد کے خلیفہ مولانا محمد صدیق کشمی نے ۱۰۱۹ھ میں مدون و مرتب فرمایا اور اس کے مضامین کو "منہا" کا عنوان دے کر الگ الگ کر دیا ان مضامین کی مجموعی تعداد اکسٹھ ۶۱ ہے مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم فارسی نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۲ھ کا مطبوعہ ہے پھر متعدد بار مختلف سنین میں شائع ہوا آخری بار ۱۳۹۸ھ میں

ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن مولانا سید زوار حسین شاہ کے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس رسالہ "مبدا و معاد" کا عربی ترجمہ شیخ مراد مکی کے قلم سے مکتوبات معرب مطبوعہ کے حاشیہ پر موجود ہے۔

۷۔ "مکاشفات عینیہ" یہ مجموعہ حضرت مجدد کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے جو بعض خلفاء نے محفوظ کر لئے تھے حضرت مجدد کی وفات کے بعد مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۵۱ھ میں ان کو مرتب فرمایا۔ یہ رسالہ پہلی مرتبہ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نے فارسی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۳۸۴ھ میں شائع کیا۔

۸۔ "**مکتوبات امام ربانی**" یہ حضرت مجدد کی سب سے بڑی علمی، اصلاحی و تجدیدی یادگار اور ان وہبی کمالات مجتہدانہ و مجددانہ، مقام تحقیق و معرفت، اور ان کے دلی جذبات و احساسات کا آئینہ ہے جن کی بنا پر ان کو مجدد الف ثانی کا لقب دیا گیا۔ اس کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ہندوستان کے فارسی ادب میں (جس کی اہمیت کو "سبک ہندی" کا طنزیہ نام دے کر کم نہیں کیا جا سکتا) اس کا مقام متعین کرنے اور اس کے علوم و معارف کی نقاب کشائی کے لئے ایک مستقل تصنیف درکار ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی ان منفرد تصنیفات میں شامل ہے جن سے بیرون ہند کے بلند پایہ فضلاء اور راسخین فی العلم نے پورا اعتنا کیا۔ اس کے عربی و ترکی زبان میں ترجمے ہوئے، علمی و روحانی مرکزوں کے نصاب درس میں شامل ہوئی، اہل علم اور اہل سلوک نے اس کو حرز جان بنایا اور اس کی تازگی میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا۔

مکتوبات کی مجموعی تعداد ۵۳۶ ہے جو تین دفتروں پر مشتمل ہے۔ دفتر اول ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس دفتر کو حضرت مجدد الف ثانی کے ایما سے آپ کے خلیفہ حضرت مولانا

یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے ۱۰۲۵ھ میں مرتب فرمایا، دفتر دوم ننانوے ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے اور اس کو مولانا عبد الحی حصاری شادمانی نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے ارشاد پر ۱۰۲۸ھ میں میں مرتب کیا، دفتر سوم ایک سو چودہ ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل ہے اس کو آپ کے مشہور خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ میں مرتب کیا، بعد میں ...... دس مکاتیب جو بعد کے زمانہ میں لکھے گئے ہیں اس میں شامل کر دیئے گئے، اور اس دفتر کے جملہ مکتوبات کی تعداد ۱۲۴ ہوگئی۔

مکتوبات کے متعدد ایڈیشن مختلف وقتوں میں شائع ہوئے پہلا ایڈیشن غالباً مطبع نولکشور لکھنؤ کا ہے، اس کے بعد متعدد ایڈیشن اسی پریس سے شائع ہوئے اس کے بعد مطبع احمدی دہلی، مطبع مرتضوی دہلی سے بار بار شائع ہوا، ۱۳۴۲ھ میں مولانا نور احمد امرتسری نے بڑے اہتمام سے اس کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا جو بہت سی خصوصیات کا حامل ہے۔[1]

---

[1] ملخص و مقتبس از کتاب ”حضرت مجدد الف ثانیؒ“ از مولانا سید زوار حسین شاہ۔

INDEX

اشاریہ

(انڈکس: تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم)

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

(الف)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۰۱

(حضرت) ابوذر غفاریؓ ۲۹، ۳۰

(ملا) ابراہیم بن حسن کورانی مدنی ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۲، ۲۵۳

ابراہیم بن ادہم ۱۲۸

(الفلق) ابراہیم سمرقندی ۱۳۲

(شیخ) ابراہیم عفیفی ۱۸۷

(خواجہ) ابراہیم قبہ دیلی ۲۰۲-۲۰۳، ۲۰۸، ۲۱۵، ۲۲۲،
۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۰

(سلطان) ابراہیم اودھی ۲۸

(شیخ) ابراہیم قدست اکبرآبادی ۲۹۳

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہ — ۳۵، ۹۶، ۱۸۹، ۲۸۱-۲۸۶

(علامہ) ابن حجر عسقلانی ۳۹، ۲۹۳

(علامہ) ابن حجر مکی دیکھئے شہاب الدین احمد

ابن خلدون ۱۹۲

ابن سبعین ۲۶۰

(علامہ) ابن عابدین شامی ۲۰۰

(شیخ اکبر محی الدین) ابن عربی — ۱۶، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۱۳۵،
۲۴۳، ۲۵۱، ۲۹۶-۳۰۱، ۳۰۲-۳۳۹، ۳۶۵،
۲۶۹-۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۵ ۲۸۲، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۰
۳۱۶، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۸

ابن فارض ۲۷۱

(امام) ابن ماجہ قزوینی ۹۳

(شاہ میر) ابو احمد مجددی ۱۹۴، ۲۶۸، ۲۷۵

(شیخ) ابوبکر بن عبدالصمد ۴۳

(حضرت) ابوبکر شبلی ۲۵۰

(شیخ) ابوبکر عبیدوی ۲۷۰

ابوتراب ۶۵

(مولانا) ابوالحسن زید فاروقی مجددی ۲۰، ۱۲۱، ۱۲۶،
۷۴، ۲۲۰، ۲۳۹، ۲۷۵، ۲۷۹

ابوالحسن شاذلی بحری ۴۳

ابوالحسن نوری ۲۵۰

(امام) ابوحنیفہ ۱۳۵، ۱۴۶، ۲۵۰
(علامہ) ابوحیان مفسر ۲۶۳
(علامہ) ابوحیان نحوی ۳۹
(شاہ) ابوالخیر مجددی ۳۲۳، ۳۷۴، ۳۷۹
(شیخ) ابوالخیر میدانی ۱۰۳
(امام) ابوداؤد سجستانی ۹۴، ۱۸۵
(حافظ) ابوزرعہ ۲۶۵
(شیخ محمد) ابوزہرہ ۱۹۱
(مفتی) ابوالسعود ۳۱، ۳۰۰
(سلطان) ابوسعید ۴۳
(شاہ) ابوسعید ۲۴۹، ۳۷۴، ۳۷۹، ۳۸۰
(شیخ) ابوطاہر کردی ۳۲ — ۳۳۰
(حافظ) ابوعبدالرحمٰن نسائی ۹۴
(امیر) ابوالعلاء اکبرآبادی ۱۴۷
(امام) ابوعیسیٰ ترمذی ۹۳
(امیر) ابوالفتح ۲۹۳، ۳۲۵
ابوالفتح ابن اسحاق ۱۲۸
(حکیم) ابوالفتح گیلانی ۴۱، ۹۲
(شیخ) ابوالفتح نصرمنجی ۲۹۹
ابوالفضل علامی ۷۹، ۸۰، ۹۲، ۹۳، ۹۵
۹۸ — ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۳۰، ۱۸۴
ابوالفضل گازرونی ۹۳
(امام) ابوالقاسم قشیری ۲۴۲
(مولانا) ابوالکلام آزاد ۵۵
(شیخ) ابوالنصر سراج ۲۴۲
(قاضی) ابویوسف ۱۹۱، ۲۵۰
(سید) احمد بڑہ ۲۳۳، ۲۳۶
(شیخ) احمد بری ۱۵۵
(مولانا) احمد برکی ۱۵۳، ۱۵۵، ۳۵۶
(شیخ) احمد سنبلاوی قلندری ۳۶۸
احمد ابن شیخ الشافعی ۳۴۹
(امام) احمد بن حنبل ۳۰۴
احمد بن محمد حسینی نوشتی ۲۹۵
(علامہ) احمد بن محمد قسطلانی ۴۰
احمد بن یوسف ۲۲۸، ۳۹
احمد حسین خاں ۱۲۸
(سرسید) احمد خاں ۳۶۷
(مولانا) احمد مدنی ۳۵۶

(حضرت مجدد الف ثانی) احمد سرہندی ۔ ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۹، ۲۲ ـ ۲۵، ۴۹، ۸۴، ۸۶، ۹۶، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۲ ـ ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۲ ـ ۱۵۳، ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۹ ـ ۱۷۰، ۱۷۶، ۱۷۶، ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۷ ـ ۱۸۹، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۵، ۲۴۲ ـ ۲۵۰، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۸۷ ـ ۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۲ ـ ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۰ ـ ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۸ ـ ۳۳۹، ۳۴۲ ـ ۳۵۳، ۳۵۵ ـ ۳۶۰، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۳ ـ ۸۸

(مفتی) احمد سرہندی ۱۲۲

(شاہ) احمد سعید ۱۸۳، ۲۶۲ ـ ۲۷۹

(حضرت سید) احمد شہید ۱۲، ۲۸۳، ۲۸۹، ۳۷۷، ۳۸۱ ـ ۸۳

(شیخ) احمد قشاشی ۳۴۱

(میر سید) احمد کاشی ۴۹

(شیخ) احمد کھٹو ۸۹

(مولانا) احمد فاخر ۳۸۴

(مولانا خواجہ) احمد نصیر آبادی ۲۸۰

(شیخ) احمد سیوی ۱۴۳

احمد درویش ۵۰

(حضرت سید) آدم بنوری ۔ ۱۹۱، ۲۴۹، ۲۹۰، ۳۳۳، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۸ ـ ۶۰، ۳۷۷ ـ ۸۰

ارسطو ۲۱۰

(ڈاکٹر) آرنلڈ ۱۹۴

اے ۔ سی ۔ بینرجی ۱۰۷

اسٹینلی لین پول ۳۴۳

اسحاق بن عبد الخیر ۱۲۹

(شاہ) اسحاق دہلوی ۲۷۷

(مولوی) اسحاق جلیس ندوی ۱۹

اسفندیار ۹۳

اسکندر رومی ۲۴، ۹۹

(مولانا شاہ) اسماعیل شہید ۱۲، ۲۵۲ ـ ۲۷۷

(شاہ) اسماعیل صفوی ۳۳، ۳۵

(قاضی) اسماعیل فرید آبادی ۲۹۳

اسماعیل نظام شاہ ۵۶

(حضرت مولانا) اشرف علی تھانوی ۳۸۱

(مخدوم) اعظم دیبیدی ۱۴۳

(شیخ) افتخار ۱۴۳

افلاطون ۳۱۰

(علامہ) افضل خاں ۱۹۳، ۳۳۰

(علامہ) اقبال ۱۱، ۱۶، ۸۹، ۱۸۸، ۲۰۱، ۳۳۳

اقبال بن سابق سیستانی ۲۷۲

(سلطان جلال الدین) اکبر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

(شیخ) اللہ بخش ۳۹

(مولانا) اللہ دین صاحب سرہندی ۳۳، ۱۴۰

(شیخ) الہ داد دہلوی ۱۴۸

(حضرت مولانا محمد) الیاس کاندھلوی ۳۸۱

الیٹ (ELLIOT) [illegible]

(شاہ) امام علی مکانوی ۲۷۳

(مولانا) امان اللہ ۱۴۲

امان اللہ خاں ۳۷۹

(مولانا) امان اللہ لاہوری ۲۵۹

(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۳۸۱

(خواجہ) امکنگی دیکھئے خ

امینول کانٹ ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۸

(سید) آیت اللہ ۲۷۹، ۲۸۰

(ب)

(شیخ) بابا کبیروی ۱۴۳

(سلطان ظہیر الدین محمد) بابر چغتائی [illegible]

[illegible]

(ملا) باقر بادار ۹۱

(حضرت خواجہ) باقی باللہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

(مولانا) بایزید ۷۷

بایزید انصاری (پیر روشان) [illegible]

(حضرت) بایزید بسطامی ۲۹۱

(شیخ) بایزید قصوری ۲۷۸

بدایونی دیکھئے عبدالقادر

(علامہ) بحرق ۲۷۰

(مولانا) بدرالدین ۱۳۲

(شیخ) بدرالدین سمرقندی ۵۰، ۱۴۵، ۸۱، ۳۳۷، ۳۵۹

(شیخ) بدیع الدین سہارنپوری ۵۵، ۱۵۹، ۲۵۰ـ ۳۵۶

(شیخ) بدیع الدین مدار مکن پوری ۳۳، ۱۹۷

(ڈاکٹر) برنیر ۳۰۳

برہان نظام شاہ ۳۵، ۵۹

برہم داس ۹۲

(مولانا) بشارت احمد بیرنجی ۳۶۸

بلیانی ۳۶۶

بہادر شاہ ۷۸

(راجہ) بہاری مل ۱۰۱

بہاء الدین بن ابراہیم انصاری ۳۴

(خواجہ) بہاؤالدین نقشبند ۱۳۳، ۱۳۴

(قاضی) بہلول بدخشانی ۱۳۹

(راجہ) بھگوان داس ۱۰۱

(راجہ) بیربل ۵۲، ۹۲، ۱۰۱

بیرم خاں خاناں ۳۹، ۷۷

(علامہ) بیہقی ۳۶۶

پ

پاپا ۸۴

پارفری (PARPHYRY) ۱۹۴، ۲۱۵

پراکلس (PROCLUS) ۱۹۴، ۲۱۵

پلاٹینس (PLOTINUS) ۲۱۵

پیٹر ہارڈی (PETER HARDY) ۲۸۸

پیر روشان دیکھئے بایزید

ت ٹ ث

(شیخ) تاج الدین سلطان سنبھلی ۱۳۸، ۳۳۳

(مولانا) تجمل حسین بہاری ۳۶۵

(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید ۳۹

تمسانی ۴۸ـ ۳۶۶

(راجہ) ٹوڈرمل ۱۰۵

(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی ۳۳۷، ۳۶۹

ج

جادو ناتھ سرکار ۳۳۳

(مولانا) عبدالرحمن جامی ۲۱، ۳۱، ۲۹۳، ۲۷۰، ۲۷۲

(مرزا) جان ۳۲۹

(قاضی) جلال ۶۲، ۸۳
(سید) جلال الدین بخاری ۱۳۰
(علامہ) جلال الدین محقق دوانی ۱۴۰، ۲۱۹
(مولانا) جلال الدین رومی ۶۳، ۲۹۱، ۳۱۱
(علامہ) جلال الدین سیوطی ۳۹، ۴۳
جلال خاں مہدوی ۵۶
(علامہ) جلال الدین ابو المحلج ترکی ۳۹
(مولانا) جلال الدین تھوری ۱۵۳
(خواجہ) جلال الدین حسین ۲۸۳
(علامہ) جلال الدین محمد بن عبد الرسول برزنجی ۲۴۱
۲۴۲، ۲۹۰، ۳۳۰، ۳۴۷، ۳۵۳
(رانی) جودھا بائی ۶۳، ۱۰۱
(خان) جہاں خاں لودھی ۱۹۱، ۱۹۲
(سلطان نور الدین) جہانگیر ۲۹، ۴۹، ۷۱-۷۳
۷۷، ۷۹، ۱۰۰-۱۰۴، ۱۱۸، ۱۵۷-۱۵۹، ۱۸۷-۱۹۹
۲۰۹، ۲۱۸-۲۲۲، ۲۳۲، ۲۳۷، ۲۴۳، ۲۵۰-۲۵۱
۲۶۰-۲۶۲

چ

(شیخ) چاہیں لعل سیہونی ۳۷

ح

(حضرت) حسنؓ ۲۵۹
(نواب صدر یار جنگ) حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۳۰۴
(شیخ) حبیب اللہ بخاری ۳۵۸
حبیب الخیر بن امام رفیع الدین ۱۲۸
(خواجہ) حسام الدین احمد دہلوی ۱۹۴، ۱۹۸، ۳۶۰
۳۳۹
(شیخ) حسام الدین بدخشی ۱۴۸
(شیخ) حسن برکی ۱۵۶، ۳۵۲
(حضرت) حسن بصری ۵۸، ۱۳۱
حسن بن صباح ۹۳
حسن بن محمود اوزبکی ۳۳۶
(شیخ) حسن طاہر ۱۵۸
(ملا) حسن کشمیری ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۴۳، ۲۸۱
(شیخ) حسن عجمی ثم المکی ۳۳۰
(شیخ) حسین اجمیری ۲۹۲
(حضرت مولانا) حسین احمد مدنی ۳۸۱
حسین بن منصور حلاج ۲۹۱، ۲۹۸
(شیخ) حسین خوارزمی ۱۴۸، ۱۴۹

(مولانا) حسین علی شاہ ۳۴۳
(سید) حسین خنگ سوار ۴۳
(خواجہ) حسین مروی ۹۲
حشمت علی خاں ۲۸۵
حفص بن عاصم ۱۲۸
(شیخ) حمید بنگالی ۱۵۵، ۳۵۱
(مولانا) حیاتی کاشی ۹۴

خ

(حضرت) خضر ۲۴۳
(مولانا) خالد سعدی کردی ۱۴۳، ۴۲-۲۹۴
(مولانا) خالد شہرزوری ۳۵۳
(مولانا) خالد نقشبندی ۱۸۳
خان اعظم مرزا کوکہ ۱۲، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۰۲، ۳۰۴، ۴۰۵
خان جہاں لودھی ۳۰۲
خان خاناں دیکھئے عبدالرحیم
خان زماں ۴۳
(شہزادہ) خرم دیکھئے شاہجہاں
(حاجی) خضر خاں افغانی ۲۵۶
خسرو عثمانی ۳۵۸
(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۳۸۱
(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۲۳، ۵۹، ۳۳۲، ۳۴۲
۳۳۹
خلیفہ عبدالحکیم ۳۱۱
(دیوان) خواجہ ابونصیر آبادی ۳۴۸
خواجہ جہاں ۳۱۵
خوافی خاں دیکھئے شاہ نوازخاں
خیرالدین زرکلی ۳۴۱، ۳۴۳

د ڈ ذ

(مرزا) داراب ۹۱، ۳۱۹
دارا شکوہ ۲۳-۳۲۱
(شہزادہ) دانیال ۹۶
(شیخ) دانیال ۵۲
(امام) داؤد ظاہری ۲۹۹
(شیخ) دوست محمد قندھاری ۳۴۳
دولت خاں لودھی ۳۱۰
(میجر) ڈیوڈ پرائس ۱۰۰
ڈبلیو ایم سورلینڈ ۱۰۴
(شمس العلماء مولوی) ذکاء اللہ دہلوی ۲۲-۲۳، ۱۸۲، ۲۰۲،
۳۴۱، ۳۴۸

ر

(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی ۴۳

(امام) رازی ۹۱

(شیخ) راشد ۲۷۹

راناسانگا ۸۲

رجاء بن حیوہ ۹۱

رچرڈ برن (RICHARD BURN) ۳۲۱

(محدث) رحمت اللہ سندھی ۴۱

رستم ۷۴

(مولانا) رشید احمد گنگوہی ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۱

(امام) رفیع الدین ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱

(شاہ) رفیع الدین دیوبندی ۳۷۵

رکن الدین ۱۳۳، ۱۳۴

(الملک الظاہر) رکن الدین بیبرس ابا تنگیر ۲۹۹، ۳۲۲

(مولانا) روم دیکھئے جلال الدین

(شاہ) رؤف احمد مجددی ۸۳۰، ۲۶۱–۳۱۶، ۳۹۲

ز

الزرکلی دیکھئے خیر الدین

(شیخ الاسلام) زکریا انصاری ۳۰

(شیخ الحدیث مولانا محمد) زکریا کاندھلوی ۳۸۱

زمان شاہ ۳۶۳

(مرزا ناصر) زوار حسین ۲۰۸، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۸۸

زین خاں ۵۲، ۳۰۱

(مولانا) زین الدین محمود کمانگر بہاریؒ ۳۱

زین العابدین بن عبدالمکی ۱۲۸

(شیخ) زین العابدین طبری ۳۳۱، ۳۴۴

س

ستیش چندر ۳۲۳

(علامہ) سخاوی دیکھئے شمس الدین

(خواجہ) سراج الدین ۳۴۳

(شیخ الاسلام) سراج الدین بلقینی ۲۹۵

سرمد ۳۲۳

(شیخ) سعید بن علی السویقی بالمدینۃ السعیدہ ۴۳

(علامہ) سعد الدین تفتازانی ۲۹۵

(حضرت شاہ) سعد اللہ ۳۶۸

(مولوی) سعد اللہ خواجہ خانی ۳۲۳

(شیخ) سعد اللہ قادری لاہوری ۳۶۸

(جملۃ الملک) سعد اللہ خاں علامی ۳۲۰، ۳۵۹

(شیخ) سعدی ۳۱۹

سید پاشا ۳۶۱

(شاہ) سکندر ۱۳۵

سکندر لودھی ۲۹، ۳۲

سلطان اعظم ۹۷

(شیخ) سلطان بلیاوی بہاری ۳۷۸، ۳۸۰

(شیخ) سلطان تھانیسری ۱۴۰، ۲۹۲

سلطان سلیم اول ۲۵، ۳۰

سلیمان اسماعیل ۴۹

سلیمان اعظم قانونی (سلیمان ذی شان) ۲۵، ۳۰

سلیمان بن عبدالملک ۹۱

سلیمان بن مسعود ۱۳۸

سلیمان بن یوسف ۱۳۸

سلیمان بھیتوا ۳۳۱

سلیمان مرزا ۲۸

(مولانا سید) سلیمان ندوی ۱۸۵

(شہزادہ) سلیم دیکھئے جہانگیر

(شیخ) سلیم چشتی ۴۳

سلیم شاہ ۲۹، ۳۳، ۵۳، ۵۸، ۳۰۱

سیتلا (دیوی) ۳۲

(خواجہ) سیف الدین ـ ۱۸۳، ۳۲۳-۲۶، ۳۸۰، ۳۹۰

(ش)

(امام) شاطبی ۲۵۶

(علامہ) شامی ۱۸۴

(مرزا) شاہ بیگ ۵۴

شاہجہاں (شہزادہ خرم) ـ ۲۲، ۴۲، ۵۴، ۶۴، ۱۹۳، ۱۹۷، ۱

۱۹۹، ۳۱۹-۲۱، ۳۲۱

(صمصام الدولہ میر عبدالرزاق) شاہنواز خاں (خوافی اورنگ آبادی)

۴۶، ۱۷۵، ۱۸۰، ۲۹۳

شہباز خاں کمبوہ ۲۹۳

(مولانا) شبلی نعمانی ۹۶، ۹۸

(مخدوم الملک حضرت) شرف الدین یحییٰ منیری ۴۳، ۴۴، ۱۳۷

۲۶۳، ۳۰۲

شرف الدین حسین بخشی ۴۳، ۳۱۶

(میر) شریف آملی ۴۹، ۹۶، ۹۸، ۹۳

شریف مرتضیٰ ۱۹۱

شریف مکہ ۶۱

(شیخ محمد) شریف شاہ آبادی ۳۶۸

شعیب بن احمد ۱۲۸

(مولوی) شمس تبریز خاں ۲۱

(علامہ) شمس الدین ذہبی ۳۹

(علامہ) شمس الدین سخاوی ۳۹، ۳۳۲، ۲۶۳

(میر) شمس الدین عراقی ۴۵

(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر مکی ۴۳

(علامہ) شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی [illegible]

شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی [illegible]

شہاب الدین احمد فرخ شاہ ۳۰ـ۱۲۹

(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی ۳۵۳

شہرزوری ۳۱۶

شہنشاہ روم ۲۱۵

(قاضی) شیخ الاسلام ۹۱

(علامہ) شیرازی دیکھئے شیخ فخر شیرازی

شیر شاہ سوری ۳۹، ۴۵، ۵۱، ۳۰۰

(مولانا) شیر علی تالوری ۱۳۳

شیطان ۔ ابلیس ۲۳۰، ۲۹۹، ۳۴۳

ص

(ڈاکٹر) صادق ۹۶

(شیخ محمد) صادق چیدری ۳۷۶

(مولانا) صالح گوہانی دیکھئے محمد صالح

صاحبقران ۱۳۷، ۲۵۲

(سید) صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۰۰

(سید) صدر جہاں پہانوی ۱۵ـ۱۶، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۱۲، ۲۱۳

(میر) صدر جہاں مفتی ۱۲۰

صدر الدین قونوی ۲۵۱، ۲۶۹

(میر) صغیر احمدی ۲۵۶

(نواب سید) صدیق حسن خاں ۳۴۳

(سلطان) صلاح الدین ایوبی ۳۳

(شیخ) صفی الدین ۴۳

(شیخ) صوفی ۲۷۵، ۲۷۹

ض

(سید محمد) ضیاء ۲۸۰

(حضرت شاہ) ضیاء الحق ۳۹۳

(شیخ) ضیاء اللہ اکبرآبادی ۳۹

(شیخ) ضیاء اللہ گوالیاری ۶۳

(حضرت سید شاہ) ضیاء النبی ۲۸۰

ط

طاہر بدخشی ۱۵۳، ۱۵۵، ۲۵۹

(علامہ محمد) طاہر فتنی ۵۷، ۲۳۳

(محدث) طاہر بن حسین الاہدل ۳۱

(شیخ) طاہر بن رضی اسماعیل قزوینی ۳۵

(مولانا) طاہر لاہوری ۵۳۔ ۵۵، ۵۶، ۲۵۸، ۲۵۶، ۲۵۹

(محقق) طوسی ۲۱

(شاہ) طہماسپ ۲۸، ۲۹، ۳۵

ظ

(الملک) الظاہر دیکھئے برکی الیک

(مرزا) ظفر احسن خاں ۲۴۳

(مولانا سید) ظہور الاسلام فتح پوری ۳۹۵

ظہیر الدین فاروقی ۳۲۳، ۳۲۱

ع

(ڈاکٹر سید) عابد حسین ۴۱۱

عارف علی ۳۶

(حضرت) عاصم بن عبداللہ ۱۲۸

(سلطان اورنگ زیب) عالمگیر ۲۸، ۳۲، ۳۳، ۸۳، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۱۹۵
۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۴۰، ۲۵۸، ۲۴۴، ۳۰۸
۳۴۹، ۳۵۹

(شاہ) عباس اول ۴

(شاہ) عباس صفوی ۳۶، ۳۷، ۴۹

(مولوی) عبدالاحد ۲۸۳

(مخدوم شیخ) عبدالاحد ۱۲۸، ۱۴۸، ۲۳۳، ۲۴۴

(حضرت) عبدالاحد وحدت (شاہ گل) ۲۴۴

(مولانا) عبدالباری ندوی ۱۸۵

(مرزا) عبدالحق ۴۸

(مرزا) عبدالحق الہ آبادی بیجاپوری ۳۵۵

(شیخ) عبدالحق شادمانی ۱۸۵

(شیخ) عبدالحق محدث دہلوی ۱۸۵، ۲۴۷

(شیخ) عبدالحکیم ۲۴۹

(علامہ) عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۳۹

(میر) عبدالحی ۱۲۰

(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۲۲۔ ۹۱، ۱۴۶، ۲۲۱، ۲۳۳، ۲۵۰
۲۶۰، ۲۹۵

(شیخ) عبدالحی حصاری شادمانی ۲۵۴، ۲۷۷، ۲۸۸

عبدالحی بن محمد ۱۲۸

(شیخ) عبدالرحمن بن فہد ۱۳۹

عبدالرحمن جامی دیکھئے جامی

(خواجہ) عبدالرحمن مفتی کابلی ۲۳، ۲۵۹، ۲۹۰

(مفتی) عبدالرحمن ۳۲۰
(قاضی) عبدالرحیم ۱۰۲
عبدالرحیم خانخاناں — ۸۶، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۸۱، ۱۹۲،
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۸۱، ۳۱۸، ۳۴۹
(حضرت شاہ) عبدالرحیم رائے پوری ۳۸۱
(حضرت میاں) عبدالرحیم شہید ولایتی ۲۸۱
(مولانا) عبدالرحیم صادق پوری ۳۰۳
(شاہ) عبدالرحیم فاروقی ۲۸۰
(میر) عبدالرزاق دیکھئے شاہ رزاق
(شاہ) عبدالرزاق جھنجھانوی ۲۷، ۲۱۷
(شیخ) عبدالرزاق کاشی ۲۵۱
(شاہ) عبدالرشید ۳۷۳
(مولانا) عبدالسلام ندوی ۲۱۸
(مولانا) عبدالسلام بن مصطفیٰ بستوی ۲۷۳، ۲۷۵
(مولانا) عبدالشکور فاروقی ۱۹۵، ۲۷۰
(مولانا) عبدالصمد حسینی ۱۳۲
(خواجہ) عبدالعدل ۳۴۳
(امیر جملہ) عبدالعزیز آصف خاں ۹۱
(شیخ) عبدالعزیز شکر بار ۲۷، ۱۲۷
(شاہ) عبدالعزیز محدث دہلوی — ۲۰۹، ۲۳۰، ۲۶۹، ۲۹۸،
۲۶۶، ۲۸۱، ۳۸۴
(علامہ) عبدالعلی بحرالعلوم فرنگی محلی ۳۴۲، ۲۶۳
(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی ۱۰
(مولانا) عبدالغفور لاری ۴۱
(شاہ) عبدالغنی محدث دہلوی — ۲۳۰، ۲۷۳، ۲۸۰
(شیخ) عبدالقادر ایچی ۲۴۳، ۲۴۹
(ملا) عبدالقادر بدایونی ۲۰، ۲۷ — ۳۵، ۳۸
۳۸، ۴۱، ۷۰، ۷۵ — ۷۷، ۷۸، ۸۱ — ۸۷
۹۵، ۱۱۷، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۹۰، ۲۰۳، ۲۳۲
(حضرت شیخ) عبدالقادر جیلانی — ۳۲، ۳۸، ۱۳۲، ۲۳۵، ۲۳۲
۱۴۱، ۲۳۳، ۲۳۸، ۳۶۵
(شاہ) عبدالقادر دہلوی ۲۹۴
(حضرت مولانا) عبدالقادر رائے پوری ۳۸۱
عبدالقادر طبری ۳۳۱
(شیخ) عبدالقادر مندوری ۲۹۳
(شاہ) عبدالقادر مہربان فخری میلاپوری ۲۶۲
(شیخ) عبدالقدوس گنگوہی — ۷۴، ۸۰، ۸۶، ۲۳۸، ۳۳۲
۳۷۰
(شیخ) عبدالکبیر یمنی ۱۲۷، ۲۵۱

عبداللہ و عبدالعزیز روشانی ۲۰۹
(خواجہ) عبداللہ عرف خواجہ احرار ۱۳۹، ۱۵۰، ۲۱۳
۲۲۴–۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۵
۲۵۸، ۲۸۳، ۲۸۴
(مولانا شاہ) عبداللہ ۳۶۹
عبداللہ احراری ۳۱۲
(حافظ سید) عبداللہ اکبر آبادی ۲۷۸–۸۰، ۳۸۰، ۳۸۱
(امیر) عبداللہ بلخی ۴۴
(شیخ) عبداللہ بن محمد بن علی النصری (ابن ابی) ۲۲۳، ۲۲۶
(مخدوم الملک مولانا) عبداللہ سلطانپوری ۹۰–۹۱
۹۴، ۱۰۵، ۳۲۲، ۳۲۳
عبداللہ بن ابی بکر جعفری ۲۴۰
عبداللہ بن شعیب ۱۲۸
(حضرت) عبداللہ بن عباسؓ ۳۳۱
(حضرت) عبداللہ بن عمرؓ ۱۲۸
(حضرت) عبداللہ بن مبارک ۸۶
(مولانا) عبداللہ گرقندی ۳۸۴
(شاہ) عبداللہ سندیلوی ۳۷
(شیخ) عبداللہ شطاری خراسانی ۳۳
(شیخ) عبداللہ ولد الیزنجی ۲۳۲
(میر) عدل ۱۳۰
(مولانا) عبداللہ شیخ زادی میمدی ۱۳۲
عبداللہ خواجہ الاصغر ۱۳۸
عبداللہ خواجہ الاکبر ۱۳۸
(مولانا) عبداللہ بایزیدی ۴۳، ۲۴۳
(حکیم) عبدالمجید سیفی ۳۸۹
(شیخ) عبدالنبی گنگوہی (صدر الصدور) ۸۹–۹۱، ۹۲
۹۴، ۹۶، ۱۰۲، ۱۰۵
عبدالنبی جالندھری ۳۶۰
(مولانا) عبدالواحد لاہوری ۳۵۲
(ابو محمد شیخ الاسلام) عبدالوہاب گیلانی ۳۶۱
(شیخ) عبدالہادی فاروقی بدایونی ۳۵۹
(شیخ خواجہ) عبید ۱۴۳
عبید اللہ بن اسکندر ۴۷
(خواجہ ناصر الدین) عبید اللہ احرار ۹۴، ۹۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۵۰
۲۱۳، ۲۲۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۵
۲۵۵، ۲۸۳
(خواجہ) عبید اللہ بن خواجہ کلاں ۳۰۸، ۳۲۹، ۳۴۸، ۳۵۱

عبید اللہ بن عمر ۲۷

(حضرت سیدنا) عثمانؓ ۳۴۰، ۳۴۲

(خواجہ) عثمان ہارونی ۲۷۳

(شیخ) عثمان سند ۴۲۱

(شیخ الاسلام) عز الدین بن عبد السلام ۲۹۵

(مرزا) عزیز الدین دہلوی ۵۵، ۱۹۱، ۳۴۰، ۳۴۹، ۳۷۵

(مفتی) عزیز الرحمن دیوبندی ۳۷۵

(قاضی) عصام الدین ابراہیم ۷۷

(شیخ) علاء البخاری ۲۲۳

(شیخ) علاء بن حسن الہیانوی (شیخ علائی) ۵۵، ۵۹، ۶۵

(شیخ) علاء الدولہ سمنانی ۲۷۱، ۲۷۲

(علامہ) علاء الدین الباجی ۳۹

(حضرت شاہ) علی اشرف حسنی ۲۸۹، ۲۹۰ — ۲۹۸

(مولانا) امیر علی ۱۳۳

(شیخ) علی بن قوام جونپوری (علی عاشقان) ۳۳۰، ۳۴۰
۱۲۳، ۳۲۵

علی بن یحییٰ ۳۳۱

(سید) علی ترمذی (پیر بابا) ۵۰

(نواب) علی حسن خان ۳۹۵

(مولانا) علی خیر ۱۳۲

(ملا) علی قاری ۱۳۰، ۲۹۵

(شیخ) علی گیلانی ۲۹۳

(علامہ) علی متقی (علی بن حسام الدین المتقی برہانپوری)
۲۰، ۲۳۰، ۲۳۴، ۲۳۵

علی محمد مخلص ۵۰

(حضرت سید) علی ہجویری (داتا گنج بخش) ۱۳۴

(علامہ) عماد بن محمود طالقانی ۳۰، ۳۱

(حضرت) عمر بن حفص ۱۸

(سید) عمیر ۲۲۵

(حضرت) عمر بن عبد العزیزؒ ۳۲۶

عمر شیخ مرزا ۴۳

(مفتی) عنایت احمد کاکوروی ۳۸۲

(مولانا) عنایت علی غازی ۳۸۴

(شیخ) عیسیٰ بن قاسم سندی ۳۷

(شیخ) عیسیٰ محمد بن خیر ابا جعفری ۲۹، ۳۰۱

(غ)

(مرزا) غالب ۳۸۴

(امام) غزالی طوسی ۶۳، ۹۱، ۲۳۱

(مولانا) غلام رسول مہر ۳۸۲،۳۷۸
(مفتی) غلام سرور ۳۲۹
(حضرت شاہ) غلام علی مجددی دہلوی ۳۳۸، ۱۸۴
۳۷۵، ۳۷۰ ـ ۳۶۹ ـ ۳۶۰، ۳۶۳، ۳۶۳
۳۸۱، ۳۷۹
(شیخ) غلام محمد ۱۷۶
(ڈاکٹر) غلام مصطفیٰ خاں ۳۰۵
(مولانا) غلام یحییٰ بہاری ۳۲۹، ۳۸۹
غیاث الدین شاہ جہی ۵۳
(علامہ) غیاث الدین منصور ۳۰ ـ ۳۲

ف

(حضرت) فاروق اعظم (عمرؓ) ۱۳۸، ۲۴
(خواجہ) فتح اشر ۱۳۱
(شاہ) فتح محمد سہارنپوری ۳۷۸
(میر) فتح اللہ شیرازی ۳۲۲، ۳۰۲
(شاہ) فتح محمد فتحپوری ۱۵۸
فدا علی طالب ۱۲۳
(مولانا) فرخ حسین ہروی ۲۵۲، ۱۵۳
فرخ شاہ دیکھئے شہاب الدین

فرعون ۲۹۸، ۲۰۱
(سید) فرید ۳۰۸
(سید شیخ) فرید دیکھئے مرتضیٰ
(شیخ) فرید الدین گنج شکر ۳۸، ۶۷
(علامہ) فضل حق خیرآبادی ۳۸۲
(مولانا) فضل رحمن گنج مرادآبادی ۳۹۳، ۳۹۲
(نور المشائخ) فضل عمر مجددی (شیر آغا) ۴۰۶
فلوطینس (PLOTINUS) ۱۹۲
فنڈر پادری ۳۳۲
فوفر ۴۳
فیروز تغلق ۱۳۱، ۱۳۰، ۳۳
(ابو الفیض) فیضی ۱۸۶، ۱۳۰، ۱۰۷، ۹۸ ـ ۹۵، ۹۳، ۹۲

ق

(مولانا) قاسم علی ۳۵۹
قاضی قتال ۴۹، ۳۲
قاضی منصور ۳۳۷
قاضی محمود غزنوی ۲۵
(صوفی) قربان ۳۰۸

(شیخ) قطب بیناول ٣٨
قطب جمال ٤٣
(مولانا) قطب الدین ١٣٢
(حضرت خواجہ) قطب الدین بختیار کاکی ٩٣
(علامہ) قطب الدین شیرازی ٢١٦
(علامہ) قطب الدین نہروال ٣٠
قلیچ خان ١٩١، ٢١٥

ک

کاوارڈی داما ٩٥
کبیر ٣٢٢
(شیخ) کریم الدین بابا حسن ابدالی ١٥٦، ٢٨٣
(خواجہ) کلاں دیکھئے عبیداللہ
(نواب) کلب علی خاں رامپوری ٣٤٣
(شاہ) کلیم اللہ جہان آبادی ٣٢٦
(شیخ) کمال الدین ٣٨
(مولانا) کمال کشمیری ١٣١
(شاہ) کمال کیتھلی ١٣٣، ١٣٨، ٣٥٩

گ

گل محمد ٣٦٨

ل

(بابا) لعل داس بیراگی ٣٢٢
لادبیگ جہانگیری ٣٠٢، ٣١١
(شیخ) لشکر محمد برہانپوری ٣٩، ٤٧
(مولانا) لطف اللہ ١٣٢

م

آنحضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام [illegible]
(امام) مالک ٢٥٣
(خلیفہ) مامون الرشید ٥٨
(راجہ) مان سنگھ ١٥٣، ٣٠١
مانی ٩٣
ماہم آنکہ ٤٣
(خواجہ) مبارک ناگوری [illegible]
(مولانا) مجد الدین ١٣٢
(میر) محب اللہ ٢٥٨

(شیخ) محب اللہ الہ آبادی ۱۹۰، ۲۶۱
(سید) محب اللہ گیسوری ۱۰، ۱۵۹، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۶۵
(میر) محبوب علی خان نظام دکن ۲۹۵، ۳۱۸
(ملا) محسن فانی ۵۱
(امام) محمد ۲۵۰
(حضرت سید) محمد (ابن حضرت شاہ علم اللہ) ۳۴۹
(شاہ) محمد ۱۳۷
(ملا) محمد (باقی فرزند زکریا) ۱۴۷
(سید) محمد بدخشی دیکھیے جمال الدین محمد
(سید) محمد جونپوری ۵۰، ۵۵، ۵۱
(شیخ) محمد چتری ۲۳۸
(شیخ) محمد شطاری ۳۷
(سلطان) محمد غوری ۳۱
(ملا ناماجی) محمد لاہوری ۱۵۳، ۱۴۶
(مولانا) محمد ابراہیم (پھوپھا الشاہ جی) ۳۶۲
(پیغمبر) محمد اسلم ۹۹، ۳۲۳، ۴۲۵
(قاضی) محمد اسلم ہروی ۴۳
(شیخ) محمد اشرف ۱۸۳
(شاہ) محمد آفاق ۳۶۳
محمد اقبال مجددی ۳۳۹
(شیخ) محمد اکرام ۳۶
(شیخ) محمد اکملی ۱۳۳، ۳۱۹
(خواجہ) محمد امین بدخشی ۲۷۵
(ڈاکٹر) محمد باقر ۹۹
(شیخ) محمد باقر لاہوری ۳۳۹

محمد بدر الدین شامی (ابن الغزی) ۹۷
(شیخ) محمد بن ابی الحسن بکری ۳۱
محمد بن حبیب اللہ ۱۲۸
(شیخ) محمد بن العلاء بابلی ۲۳۱
(علامہ) محمد بن علی شوکانی ۱۳، ۹۷
(مولانا) محمد بن فخر ۱۳۵
(شیخ) محمد بن فضل اللہ برہانپوری ۱۴۷، ۱۶۴، [illegible]
محمد بن فضل اللہ المحبی ۱۴۷
محمد بن محمد الغزی ۹۷
محمد بیگ ازبکی ۳۳۵، ۳۴۹، ۳۵۲
(سید) محمد پارسا بخاری ۳۹۸
(سلطان) محمد تغلق ۴۲

(مولوی) محمد احسن ۳۷۸
(خواجہ) محمد حسن لیمدی ۱۲۸، ۳۷۷
(مولوی) محمد حسین آزاد ۹۴، ۹۵، ۹۸
(شیخ) محمد حسین جان کاشف الشعراء ۱۸۱
محمد حسین مرزا ۳۰۸
(مولانا) محمد زاہد (میر زاہد) ۳۲، ۹۸
(خواجہ) محمد زبیر ۲۹۱، ۲۹۳
محمد ساقی مستعد خاں ۳۱۳
(خواجہ) محمد سعید ۱۳۵-۱۳۹، ۱۴۷، ۱۶۲، ۱۶۴، ۱۸۲
۱۸۳، ۲۰۸، ۳۳۵
(خواجہ) محمد شرف الدین حسین ۲۵۱
(پیر فقیر) محمد شفیع ۵۰
(حضرت سید) محمد صابر ۳۷۹، ۳۸۰
(مولانا) محمد صادق حلوائی ۱۴۳، ۱۴۴
(مولانا) محمد صادق کابلی ۱۸۳، ۲۹۱
(مولانا) محمد صادق کشمیری ۳۲۰
(خواجہ) محمد صادق ۱۴۶-۱۴۷، ۱۴۹، ۲۵۰، ۳۲۹، ۳۸۸
۳۵۷
(مولانا) محمد صالح کولابی ۱۵۵، ۳۵۹
(مولانا) محمد صدیق کشمی ۳۶۱، ۳۶۹
(مولانا سید) محمد ظاہر حسن ۳۸۰
(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل) ۳۷۹
(مولانا) محمد علی مونگیری ۳۲۵
(حافظ) محمد علی خاں شوق ۳۸۹
(شاہ) محمد عمر ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۶
(شیخ) محمد عیسیٰ ۱۸۲
(شیخ) محمد غوث گوالیاری ۱۳۹-۱۴۰، ۲۳۳، ۲۴۷، ۱۹۰، ۱۹۱
۳۳۴
(مولانا) محمد فاضل بدخشانی ۴۲
(شیخ) محمد فرخ ۱۸۲، ۳۲۷
(مولانا) محمد قاسم ۱۵۴
محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ۳۶
(مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۳۴۵، ۳۷۷، ۳۸۱
محمد کاظم ۳۲۵
(شیخ) محمد مراد مکی قزانی ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۹۱، ۳۹۲
(شیخ) محمد مسعود ۱۳۷
(پیر فقیر) محمد مسعود ۱۹۰
(شاہ) محمد مظہر ۲۸۹، ۳۱۱، ۳۴۳
(شاہ) محمد معصوم (معصوم ثانی) ۳۴۳، ۳۴۷
(حضرت خواجہ) محمد معصوم ۱۳۹-۱۴۱، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۸، ۱۸۸، ۳۴۸

۲۲۳–۲۴، ۲۳۳، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۵، ۲۸۵
۲۵۸، ۲۶۰–۲۶۳، ۲۶۵، ۲۸۸
(مولانا) محمد منظور نعمانی ۱۱۳، ۱۸۹، ۳۵۹
(خواجہ) محمد ناصر عندلیب ۳۹۳
(شیخ) محمد نبہان ۱۸۳
(میر) محمد نعمان ۲۰۸، ۲۲۸
(خواجہ میر) محمد نعمان کشمی ۵۵، ۱۳۵، ۲۲۸، ۲۳۹، ۲۵۳
(شاہ) محمد نعیم (مسکین شاہ) ۲۶۹
(خواجہ) محمد نقشبند (حجۃ اللہ) ۳۹۳
(سید) محمد نوربخش ۳۵
(مولانا سید) محمد واضح ۲۸۰
(خواجہ) محمد ہاشم کشمی ۳۳، ۳۴، ۱۳۹، ۱۴۹، ۱۵۵
۱۶۰، ۱۶۴، ۱۶۶، ۲۸۷، ۲۸۸
(ملا) محمد یزدی ۳۲، ۹۲
(شاہ) محمد یعقوب ۱۸۳، ۳۶۸
محمود احمد عباسی ۱۲۸
محمود بن سلیمان ۱۲۸
محمود بیگڑا ۹۸–۹۹، ۹۲، ۱۹۰
(شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی ۲۸۱
محمود شاہ گجراتی ۵۳
(سلطان) محمود غزنوی ۳۰
(حافظ) محمود لاہوری ۳۵۹
(شیخ) محمود گجراتی ۳۳۱
(شیخ) محی الدین عبدالقادر بغدادی ۳۳، ۲۶۰
مخدوم الملک دیکھیے عبداللہ
(حضرت) مخدوم جہانیاں ۱۳۱، ۱۷۴–۱۷۵
(سلطان) مراد ۳۱، ۳۱۱
مراد ثالث ۲۵
(شہزادہ) مراد ۴۳
(شیخ) مراد یمنی ۲۸۴
(نواب شیخ) مرتضیٰ (سید فرید) ۱۵۳، ۱۵۶، ۲۸۰
۲۸۹، ۳۰۲–۳، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۳۳، ۳۶۹
مرزوک ۹۳
(شیخ) مزمل ۳۵۶
مستعصم باللہ ۲۵
(سالار) مسعود ۳۲
مسعود بن عبداللہ ۱۲۸
(امام) مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ۶۳

(مولوی) مسیح الزماں خاں شاہجہاں پوری ۳۶۵
مشتاق ۴۲
(سید) مظفر ۸۰
(شہزادہ) مظفر حسین ۲۸
(مرزا) مظہر جان جاناں ۱۵۲، ۲۵۸، ۲۷۰، ۲۹۱
۳۶۳، ۳۶۷، ۳۷۵، ۳۸۱
(حضرت خواجہ) معین الدین چشتی ۹۳
(مرزا) مقیم اصفہانی ۶۲
(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ۱۵۸، ۱۸۸
(راجہ) منوہر ۸۲
(شیخ) منور عبدالحمید لاہوری ۲۸۳
(شیخ) مودود ۱۴۷
مہابت خاں ۱۹۶، ۲۵۲
(خواجہ) میر درد دہلوی ۳۹۳
(محدث) میرکلاں ہروی ۶۳

ن

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ۳۴۹، ۳۶۰
نادر شاہ افشار ۲۸، ۲۹۱
ناصر الاسلام ندوی ۲۱
ناصر محمد عندلیب ۳۸
(خواجہ) ناصر الدین دیکھئے عبیداللہ احرار
نجم الدین الکبریٰ ۹۷
(ڈاکٹر) نذیر احمد ۳۴، ۶۶، ۹۹
نرسنگھ دیو ۹۹، ۱۰۰
(مولانا) نسیم احمد فریدی ۳۵۱
(مرزا) نصراللہ خاں ۵۰
(میر) نصیر خاں اعظم ۲۸
نصیر محمد جیون سلطان ۱۲۸، ۱۲۹
(بادشاہ) نصیر الدین ہمایوں دیکھئے ہمایوں
(شیخ) نظام تھانیسری ۲۳، ۲۵۲
(خواجہ) نظام الدین ۴۳
(شیخ) نظام الدین امیٹھوی (ابتنگی میاں) ۲۸
(شیخ) نظام الدین اورنگ آبادی ۳۳۲
(مولانا) نظام الدین جہانپوری ۳۲۱
نظام نادرزی ۶۳
(شاہ) نعمت لاہوری ۳۹۸
(شاہ) نعمت اللہ قادری ۳۴۱
(شاہ) نعیم اللہ بہرائچی ۳۴۰، ۳۹۱

نمرود ۲۰۱
(مولانا) نور احمد امرتسری ۲۸۸
نور بخش ۳۵
(شیخ) نور الحق ۱۸۸
(قاضی) نور الدین ۳۳۷
(شیخ) نور الدین بن عبد الرحمن بن اسکندر آقا خوافی ۴۲۳
نور الدین بن نصیر الدین ۱۲۸، ۱۲۹
نور الدین قراری ۴۳، ۹۲
نور محمد چشتی ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۵۹
(سید) نور محمد بدایونی ۳۶۳، ۳۶۶
(میاں جی) نور محمد جھنجھانوی ۲۸۱

و

(علامہ) وجیہ الدین ۲۳۹، ۴۱۱
(شیخ) وجیہ الدین اشرف ۳۷۵
(مولانا) وکیل احمد سکندرپوری ۳۲۶، ۳۵۱
(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۳۸۳، ۳۸۹
(حضرت شاہ) ولی اللہ محدث دہلوی ۱۷، ۱۸، ۲۲۲، ۱۸۳، ۱۸۹، [illegible]
[illegible]
[illegible]

(سر) ولیم ڈی بیگ ۹۳

ہ

سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام ۲۹۵
(خلیفہ) ہارون رشید ۹۱
(حافظ محمد) ہاشم جان مجددی ۳۷۷
(قاضی) ہدایت اللہ ۳۲۹، ۳۵۰
(بادشاہ) ہمایوں [illegible]، ۳۰۰
(حکیم) ہمایوں (حکیم ہمام) ۱۳۱، ۹۲
ہیرالڈ ہونٹنگ ۲۱۱
ہیون سانگ (HIUN SANG) ۱۳۱

ی

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ۱۹۳، ۲۹۶
(مولانا) یار محمد جدید بدخشی الطالقانی ۲۸۱، ۲۸۲
۲۸۸، ۲۸۴
(مولانا) یار محمد قدیم ۱۵۵، ۲۵۹
(خواجہ محمد) یحییٰ ۶۳، ۱۸۲، ۱۸۴، ۲۲۷
یحییٰ بن ساعد ۱۲۳
(شیخ محمد) یحییٰ ترہتی ۲۷۸
(شیخ) یحییٰ کتابی ۳۴۲

(مولانا) یحییٰ علی ۳۸۳
(ملا) یزدی دیکھئے محمد
(میر) یعقوب کشمیری ۲۰، ۲۳، ۳۳، ۱۳۹
یوحنان فریدمن (یہودی فاضل) ۳۵۱
یوزی صاحب ۳۲۲
یوسف بن اسحاق ۱۲۸
(شیخ) یوسف بن شہاب بن یدنیا برکی ـ ۱۲۸، ۱۲۹، ۳۵۶
(مولانا) یوسف محمد تبریزی ۱۵۵، ۲۵۶
(مولانا) یوسف کوکنی ۱۰۸

اقوام و قبائل ، طبقات اور ملتیں

اثنا عشری ، اثنا عشری جعفری ـ ۳۰، ۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۰، ۴۸، ۴۹، ۵۰
اخوت ۱۲۹
آرمینیا ۲۷۱
ازبک ۲۷
اصحاب صفہ ۱۲۵
اصحاب کہف ۳۰۹
اعراقی ، اہل عراق ـ ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۲۰۱، ۲۱۹، ۲۷۰، ۳۲۱
افغان ، افغانی ۲۸، ۳۳، ۳۴، ۳۳۳، ۵۰ ـ ۲۷، ۲۸، ۱۳۹
آلِ بویہ ۷۸
آلِ باعلوی ، باعلوی سید سادات ۴۳
آلِ کاشف الغطاء ۱۴۱
(حضرات) انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ـ ۱۶، ۱۲۵، ۲۰
۳۰، ۶۰، ۱۲۹، ۲۰، ۲۱ ـ ۲۳، ۲۴، ۲۵ ـ ۳۹، ۳۲۳ ـ ۲۷۱، ۳۷۲، ۳۹۰، ۳۷۲
اہل بیت کرام ۱، ۳، ۴، ۲۶، ۲۷، ۳۰
اہل سنت والجماعت ، سنی ـ ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۵۵، ۵۹
۵۳، ۵۴، ۱۲۷، ۱۵۹، ۱۹۰، ۲۳۱، ۲۵۰، ۳۱۲، ۳۵۰
اہل حرم ۷۵
اہل کتاب ۲۷۱
اہل مصر ، مصری ۹۸، ۱۱۱، ۲۰۳، ۲۲۳
اہل یونان ، یونانی ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۱۲
ایرانی ـ ۲۷، ۲۸، ۳۳، ۳۴، ۴۶، ۴۷، ۹۳، ۱۵۹، ۲۱۷
برمکی ۱۰۲
بلوچ ، بلوچی ۲۷، ۴۹
پارسی ۱۱۵
پٹھان ۲۸، ۱۵۸
(حضرات) تابعین ۹۰

تاتاری ۳۵
ترک، ترکی ۳۳، ۲۹۶، ۳۴۷
تورانی ۱۵۹
تیموری ۲۹، ۴۳، ۸۵، ۸۶
جرمن ۲۱۱
حکومت اخرق ۱۹۹، ۲۰۰
خاندان مجددی ـ ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۳۸، [illegible]
۲۷۹، ۲۷۷، ۲۸۵
خاندان نقشبندیہ ۴۳
خلفائے راشدین ۱۷۶، ۲۰۲، ۲۵۹، ۲۹۷، [illegible]
راجپوت ۱۰۱
راجگان راجور ۳۴۳
رومی ۲۷۹
روشنائی، فرقہ روشنائیہ ـ ۱۴۸، ۲۱۵، ۳۱۰
سلاطین سلام ۳۰
سلاطین آل عثمان ۳۱
سلاطین ترکی ۳۰
سلاطین صفوی ۳۱
سلاطین مغل ۱۹۲
سلاطین مملوک ۲۵
سنیاسی ۳۶
سندھی ۳۹
سوری خاندان ۵۸
شافعیہ، شوافع ۱۴۹، ۱۶۹، ۳۳۱
شاہانِ مغلیہ ۳۳۲
شطاری ۳۵
شیبانی ۲۷، ۲۸
شیعہ ۴۵، ۹۳، ۹۰، ۱۳۲، [illegible]
(حضرات) صحابہ کرام ـ ۹۰، ۹۳، ۱۶۰، ۱۹۲، [illegible]
۲۵۵، ۲۷۰، ۲۷۹
صفوی خاندان ۳۶، ۴۶
صوفیا [illegible]
عباسی ۲۵
عثمانی، آل عثمان ۲۹، ۳۱، ۲۴۲
عثمانی ترک ۲۹، ۸۵، ۸۹
عجمی ۹۷، ۲۳۱
عرب ۲۹، ۹۷، ۲۵۳، ۲۷۲
عیسائی ۸۰، ۸۲
غزنوی ۱۳۱
فرقۂ ملامتیہ [illegible]
فرقۂ امامیہ ۴۵، ۱۹۸
فرقۂ ذکریہ ۳۶

زنگ ۸۰، ۸۱، ۸۳
فقہائے اسلام ۲۵۵
فقہائے حنفیہ ۱۴۶
فلاسفہ ۔ ۹۲، ۹۹، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۲۰
فلاسفۂ یونان ۲۰۲ ۔ ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۲۳
قریش ۱۲۳
قزلباش ۲۴۶
کاشت ۳۲
کرد۔ کردی ۲۵۳، ۲۴۱
لودھی خاندان ۲۸
مالکیہ ۱۴۶
مجوسی ۲۱۸، ۲۲۹
مثالی ۲۱۶
مغل۔ خاندان مغلیہ ۔ ۲۸، ۴۸ ـ ۵۰، ۱۲۹
۱۰۱، ۱۰۸، ۱۲۹، ۲۰۰، ۲۰۴، ۲۲۴، ۲۳۲
ملاحدۂ تناسخیہ ۔ اہل زندقہ ۹۶
مہدوی ۵۶، ۵۸، ۹۲
ہندوانی ۲۹
نقطوی ۹۲، ۹۶
ہندو ۳۵، ۴۲، ۵۷، ۶۰، ۷۴، ۸۵، ۱۰۹،
۲۱، ۲۵، ۲۳، ۲۳۰ ـ ۲۳۱
ہندوستانی ۔ اہل ہند ۵۰
ہندو یوگی ۲۶
یوسف زئی ۹۶

کتابیات

قرآن مجید

(الف)

آثار الصنادید ۳۶۷
اثبات النبوۃ ۲۸۵
احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری ۳۳۹
احیاء اسلام ۳۸
آداب عالمگیری ۳۲۵
ازالۃ الخفاء ۱۲، ۲۸۲
اسرار التشہد ۱۳۶

أسنى المطالب في ترجمة حضرة سيدنا خالد ۲۶۱
أصل الشيعة وأصولها ۱۹۱
أصل الأصول في بيان مسائل الكشف بأصول العقول ۲۲۲
اصول بزدوی ۱۸۰،۱۳۵
الاعتصام بالسنة ۲۵۹
اعتقاد نامہ ۴۷
الاعلام فی اخبار بیت الله الحرام ۴۰
الاعلام للزرکلی ۳۴۳
افحام الملبسین ۹۱
اکبر نامہ ۹۹،۹۸،۹۳
امرت کنڈ ۳۹
الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۲۷۰،۱۳۲
انجیل ۸۰ـ۸۲
انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ۲۱۵،۱۲۴
انشاء ابو الفضل ۱۰۱،۹۹،۸۱
انفاس العارفین ۲۸۱،۲۷۸،۲۷۵،۲۲۰ـ۲۳۳
اورنگ زیب ۳۳۱ـ۳۳
آئین اکبری ۱۱۹ـ۲۲،۸۱،۷۰،۸۰،۹۹
ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ۲۸۲

ب پ

بحر الحیاۃ ۳۶
بحر زخار ۲۷۹
بخاری دیکھئے صحیح بخاری
البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع ۹۷،۴۱
بزدوی دیکھئے اصول بزدوی
بزم تیموریہ ۱۰۰
بشارات مظہریہ ۲۴۰
بلوچستان ڈسٹرکٹ گزیٹیر ۴۷
پریچنگ آف اسلام ۱۶۴

ت

تاریخ الفی ۱۰۶
تاریخ خوانین بلوچ ۲۸،۲۷
تاریخ داؤدی ۳۲
تاریخ دعوت وعزیمت ـ ۱۴،۷۴،۷۵،۸۹،۲۲۱،۸۱،۲۱۶
۳۰۲،۲۶۴،۲۳۳
تاریخ عالم آرائے عباسی ۹۵
تاریخ فرشتہ ۸۹،۳۵،۳۲
تاریخ فلسفہ جدید ۲۱۱

تاریخ مبارک شاہی ۱۳۴
تاریخ مشائخ چشت ۲۲۹
تاریخی مقالات ۳۲۳، ۳۲۵
تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۱۹۱
تاریخی و ادبی مطالعے ۹۶، ۹۹
تاریخ ہند (سید ہاشمی) ۵۸
تاریخ ہندوستان (ذکاء اللہ) ۳۴، ۹۱، ۹۴، ۳۲۱، ۳۱۸
تحقیق الفرقان کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ ۲۸۳
تذکرہ (مولانا ابوالکلام آزاد) ۵۸
تذکرہ قادریہ ۲۵۹
تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی ۹۰، ۹۱، ۲۸۸، ۲۹۰
تذکرہ عجیب فضل راجگان راجپور ۲۶۳
تذکرہ حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی ۲۹۸
تذکرہ شاہ علم اللہ ۲۶۰
تزک جہانگیری ۳۰، ۳۴، ۶۲، ۸۰، ۸۵، ۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۶۸
۱۹۹، ۲۹۴
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۱۲۰
التصوف ۱۹۱
تصوف اسلام ۲۳۳
تعرف ۱۳۵
تفہیمات (اجمالی) ۱۹
تفسیر ابو السعود ۳۱، ۴۰
تفسیر بیضاوی ۱۸۰، ۳۵۵
تفسیر جلالین ۴۰
تفسیر ذکر اثر ۴۷
التفسیر المظہری ۳۶۶
تقصار جیود الاحرار ۲۰۳
تلویح ۲۵۷
تلخیص الشافی ۱۹۱
تنقید بے محل ۲۱۱
تواریخ عہد اکبری ۶۶
توریت ۸۰، ۸۱
توضیح الحواشی ۱۲۵
تہافت الفلاسفہ ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸

ث

ثقافت و سیاست قدیم ہندو اسلامی علوم و فنون
(ہندوستان میں) ۱۴۲، ۱۴۶، ۳۲۳
ثلاثیات بخاری ۱۲۹

تجلیاتِ مجددیہ ۲۷

ج چ

جامع المجددین ۱۸۵

جلاء العینین ۲۹۶

جواہر خمسہ ۲۴۳، ۳۹

جواہر معصومی ۱۲۸

جام دوم ۲۳۰

چہل حدیث (مولانا جامی) ۳۱۲، ۶۳

ح

حاشیہ ناربانیہ ۵۱

حالنامہ پیر دستگیر ۵۱، ۵۰

حدیث مسلسل ۱۳۹، ۲۰

الحسبۃ فی الاسلام ۳۲۰

حضرات القدس ۱۲۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۵۲، ۱۴۳

۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۱-۱۶۹

حضرت مجدد الف ثانی ۹۸، ۲۵۷، ۲۸۵، ۲۰۸

حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۳

حق (رسالہ) ۴۰

حکمائے اسلام ۲۱۰

حکمۃ الاشراق ۲۱۹

حل مشکلات ابن العربی ۳۳۳

حیات شیخ عبد الحق ۳۳۶

خ

خزینۃ الاصفیاء (مفتی غلام سرور) ۳۲۹

خلاصۃ الاثر ۱۴۷

خلاصۃ المعارف ۳۵۹

خیر البیان ۵۱، ۵۰

د

داستان ترک تازان ہند ۵۲

دائرہ معارف اسلامیہ ۵۰، ۱۱۰، ۲۰۷، ۲۷۹، ۲۷۲

۲۴۲، ۳۲۲، ۳۲۳

دبستان مذاہب ۵۱، ۶۵، ۹۶، ۱۲۹

دربار اکبری ۹۲، ۹۵، ۹۸

الدرر المکنونات النفیسۃ ۳۵۲

الدر المختار ۳۷

در المعارف ۳۳۳، ۳۶۰-۳۶۵، ۳۶۹

الدرۃ الفاخرۃ ۳۳۶، ۳۴۱

الدعوۃ الاسلامیۃ فی الہند و تطوراتہا (رسالہ) ۱۵

الدلائل ۳۷۵

دیوبند کا پل صراط سے بریلی تک ۳۷۹

دی ریکانسٹرکشن آف ریلیجیس تھاٹ ان اسلام ۲۰۱

دین الٰہی اور اس کا پس منظر ۶۶

ذ

ذکر الٰہی ۳۷

ذکر توحید ۳۷

ذکری کون ہیں! ۳۷

ذہنی شکست ۲۸۷، ۲۹۲–۳۲۱

ر

الرد الاقوم علی فصوص الحکم ۲۱۸، ۲۷۰

رد روافض ۲۸۵

الرد علی المنطقیین ۱۸۹

رد المحتار ۳۷۰

رسالہ تہلیلیہ ۱۳۰، ۲۸۹

رسالہ رد مذہب شیعہ ۱۳۰

رسالہ العبودیہ ۲۴۳

رسالہ قشیریہ ۲۴۴

رموز بیخودی از کلیات فارسی ۳۴۴

روح القدس (رسالہ) ۲۴۹

روح المعانی ۳۵۳

رود کوثر ۳۶

روضۃ القیومیہ ۵۵–۶۴،

ز

زبدۃ المقامات ــ ۳۰، ۳۱، ۱۲۸، ۱۳۳، ۱۳۴،
۳۸–۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱–۱۴۹، ۱۵۵، ۱۵۶
۱۵۹، ۱۷۰، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۸۴

زجاجۃ المصابیح ۲۹۸

زبور ۸۰، ۸۱

س

سفرنامۂ مہدی ۲۷

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۵۹

سلسلۃ الاحرار ۱۴۸

سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی
۱۸۳، ۲۷۰، ۲۷۲

سنن ابی داؤد ۱۸۵

سواطع الالہام ۹۶، ۱۴۰

سوانح احمدی ۳۸۳
سید احمد شہید (غلام رسول) ۳۶۸، ۳۹۲
سیرت سید احمد شہید ۱۳۹، ۳۶۸، ۳۸۲
سعد سیرات الدنیا مع الفتن ۲۸۸

ش

الشافی ۱۹۱
شامی ۱۶۸
شاہ محمد غوث گوالیری ۱۲۰
شاہنامہ فردوسی ۲۴، ۱۳۳
شرح رباعیات ۲۸۹
شرح در مختار ۱۸۳
شرح وقایہ ۲۶، ۳۵۶
شطاریہ (رسالہ) ۳۴
شعر العجم ۹۲، ۹۸
شمائل ترمذی ۱۳۹
شیخ احمد سرہندی کا ایک آوٹ لائن ۳۲۱

ص ض

الصارم الہندی فی جواب سوالات بعض کلمات
السرہندیہ ۳۲۱، ۳۷۵
صحاح ستہ ۲۹، ۱، ۲۴۲
صحیح بخاری ۲۴، ۳۰، ۱۳۴، ۱۸۰
صحیحین ۲۹
صراط التوحید ۲۹، ۵۰
صراط مستقیم ۱۱۳، ۲۹
الصواعق المحرقہ ۲۰
الضوء اللامع لأہل القرن التاسع ۲۹، ۳۲

ط

طبقات الکبری ۲۰۳، ۱۹۹
طلسم ہوشربا ۱۹۶

ع غ

عاشقیہ ۲۹
عالمگیر نامہ ۳۲۵
العرف الندی فی تصوف الشیخ احمد السرہندی ۳۴۹
عشقیہ (رسالہ) ۳۵، ۲۸۴، ۲۸۵
العصبیہ الہندی ۳۲۱
عنصری ۳۹، ۳۵۶
عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب ۳۰۵،
۳۶۳
عوارف المعارف ۳۹، [illegible]
عوارف المنان ۵، ۲۴۳

غنیۃ الطالبین ۲۲۳

ف ق

فتاویٰ تاتارخانی ۳۱
فتاویٰ عالمگیری (فتاویٰ ہندیہ) ۳۳۲،۳۳
فتاویٰ قاضی خان ۳۲
فتح الباری ۳۹
فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث ۳۹
فتوحات عالمگیری ۳۲۵
فتوحات مکیہ ۱۸۰۔۲۹۶،۲۹۱،۲۸۳
الفرقان (رسالہ) ۱۴۳،۱۵۰،۱۸۳
الفرقان بین الحق والباطل ۲۶۰،۲۹۰
فصوص الحکم ۲۹۶،۲۹۳،۲۸۱،۲۷۵،۲۷۰،۲۶۸۔
۲۶۰،۲۵۸
فضائح الباطنیہ ۱۹۶
قصص الہند ۲۴۶،۲۴۲،۲۴۱

ک گ ل

کاسر المخالفین ۲۵۱،۲۵۰
کتاب اللمع ۲۴۲
کشف الظنین فی شرح الاربعین ۳۰۹
کشف المحجوب ۳۰۴
کلید مخازن ۲۵،۳۴
کنز العمال ۲۶۵،۲۳۳،۲۳۰
کنز الدقائق ۳۹
کنوز الحقائق ۱۳۹
کشف الحکم الاربعہ ۲۳۶
الکوکب الساری ۹۶
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۳۲۲،۹۴
گلزار ابرار ۱۳۲
لطائف قدوسی ۱۲۳

م

مآثر الامراء ۱۰۰،۹۸،۹۷،۹۰،۸۶،۸۴،۸۰،۷۹
۳۵۰،۲۴۹،۲۱۵
مآثر عالمگیری ۳۳۳،۳۲۸
مالابد منہ ۳۴۴
مبدا و معاد ۲۸۰،۲۸۹
مبلغ الرجال ۹۴،۹۶،۹۸،۹۹
مجمع بحار الانوار ۵۶
مجموعہ رسائل تسعہ ۲۸۳
مجموعہ رسائل ابن عابدین ۳۱۰

محضر نامہ ۱۰۲، ۱۰۳
مخبر دکن۔ مدراس ۳۹۰
مختصر تاریخ ہند ۱۰۷
المختصر من کتاب نشر النور والزہر ۳۴۳
مختصر الاسلام ۵۰
مذہب و تمدن ۱۹۸
مرآۃ العالم ۲۲۵
مسند احمد ۳۰۷
مشکوٰۃ المصابیح [illegible]
معالم التنزیل ۲۹۶
معارف لدنیہ ۳۸۹
معارج الولایۃ ۲۲۴، ۲۵۰
معراجیہ ۳۶
معراج نامہ ۳۷
معمولات مظہریہ ۳۹۹
مقامات خیر [illegible]
مقامات مظہری [illegible]
مقدمہ ابن خلدون ۱۹۲
مقصود المؤمنین ۱۳۴، ۵۰
المکاتیب والرسائل ۳۲۷
مکاشفات غیبیہ ۳۸۷
مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
مکتوبات معصومی ۳۰۳
مکتوبات خواجہ محمد معصوم ۳۵۸
[illegible] ۳۸
ملفوظات شیخ علاء الدولہ سمنانی (چہل مجلس) ۴۳۲
مناقب احمدیہ ۳۷۳
مناقب العارفین ۱۵۸
منتخب التواریخ [illegible]
[illegible]
منصب امامت ۱۲
منبع افضل السعادات والسلام ۱۸
مواقف ۱۹۰

موتی کا سہرا ۳۷
مولود برزنجی ۳۳۲
مہابھارت ۱۰۰
میں ذکری کیوں ہوا ۳۷

ن

النخبۃ الناجیۃ الفرقۃ الصحابۃ ملا علی قاری ۳۴۲، ۳۴۹
الملفوظات ۱۸۹
[illegible] ۳۷۹، ۳۸۰
نزہۃ الخواطر ۳۳۲، ۳۲۳ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
نفحات الانس ۳۴۱
نقد الفصوص ۳۶
نقض المنطق ۱۸۸
نظریات یا تخیلات ۹۹
نکات الاسرار ۳۶۰
النور السافر فی رجال القرن العاشر ۔ ۳۳، ۲۳۱، ۳۷۷
نیل الاوطار ۹۷

و

واقعات مشتاقی ۳۰۳
وحدۃ الوجود (رسالہ) ۲۹۲، ۲۹۳

ہ ی

ہدایہ ۲۷، ۱۸
ہدیۂ مجددیہ ۳۳۷
ہسٹری آف اورنگ زیب ۳۳۳
ہمعات ۱۳۳
ہندوستان کا نصاب درس (رسالہ) ۴۲
الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی ۳۷۵
یادِ ایام (تاریخ گجرات) ۹۱، ۳۸۰

مقامات

الف

اتر پردیش ۱۲۹
آگرہ ۱۳۹
اٹک ۱۳۷

اجمیر — [illegible]
ایلومن ۶۲
اجین ۵۶
اُچ ۲۹۳
احمد آباد ۳۰۰، ۵۲، ۴۳
احمد نگر ۹۶، ۵۹، ۵۲، ۴۳، ۲۹
اربل ۳۶۱
اسپین ۱۲۵
استرآباد ۹۲، ۴۲
آسٹریا ۲۵
اسکندریہ ۲۱۳، ۳۳
اصفہان ۱۵۹، ۳۱
افغانستان [illegible]
[illegible]
افریقہ ۲۵
اکبرآباد ۱۳۰
اکسفورڈ ۳۲۲
اکوڑہ خٹک ۳۸
آگرہ — [illegible]
اٹاوہ ۱۵۹
امروہہ ۳۹۶
انبالہ ۳۹۶، ۳۸
اندلس ۱۲۵
انہلواڑہ ۳۰
اودھ ۳۶۱، ۳۸
اورنگ آباد ۳۵۰، ۳۴۶
ایران — [illegible]
[illegible]
ایشیا ۶۹، ۲۵

ب

بخارا [illegible]
بدخشاں ۱۵۹، ۱۵۳، ۳۳، ۲۸
برک ۱۵۵
بلوچہ ۱۵۵
بمبئی ۳۹۶
بغداد [illegible]
بلخ ۹۸، ۹۳
بھکر ۳۹۲

بلوچستان ۳۴۲، ۳۴۷، ۳۸۸

بلیا ۳۸۰

بنارس ۱۹۹

بنگال (بنگالہ) ۱۸، ۲۹۰، ۲۹۰، ۱۴۵، ۱۵۵، ۲۹۴، ۲
۳۰۸، ۳۹۲

بجنور ۳۵۸

بہار ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۸۰

بہرائچ ۳۹۶، ۳۹۸

بھوپال ۱۸۳، ۲۹۸، ۳۸۳

بیجاپور ۲۹، ۳۳

بیدر ۵۳

بیروت ۱۱

بیگوسرائے ۳۸۰

پ

پاکستان ۳۷۰، ۳۷۹

پٹن ۳۰

پٹنہ ۱۵۵، ۱۵۷، ۳۳۷، ۳۳۸، ۲۳۸، ۲۸۰

پشاور ۳۲۹، ۳۹۰

پنجاب ـ ۱۸، ۲۷، ۲۳۸، ۲۵۸، ۳۸۲، ۳۳۱، ۳۳۷
۳۶۳

پونا ۳۹۶

ت

تاشقند ۳۶۶

ترکستان ـ ۳۰، ۳۲، ۳۳، ۳۳، ۳۳، ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۳۹
۱۷، ۱۵، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۳۹

ترکی ـ ۳۰، ۳۱، ۳۸، ۳۵، ۳۸، ۳۷، ۳۸، ۳۸، ۳۳، ۳۳، ۳۳
۳۵، ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۳۷، ۳۸، ۲۹۰، ۳۳

تریم ۳۰

تعز ۳۳

توران ۱۵۳

تونس ۲۵

تھانیسر ۳۰، ۲۹۲

ج

جھانسی ۳۹۶

جانپانیر ۵۳

جالندھر ۳۷۸، ۳۸۸، ۳۸۸

جرجان ۳۲

جزیرۃ العرب ۲۸، ۳۷

جمنا ۱۱۲

جزیرۃ العرب ۲۹۱، ۳۰۳، ۳۰۲، ۳۰۸

جنت المعلیٰ ۳۶۳

جودھپور ۱۰۱

جے پور ۱۴۵، ۱۵۸

چ

چترال ۳۸۴

چناب ۱۱۱

چین ۳۹۶

ح

حبشہ ۳۹۶

حجاز ۔ ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۴۵، ۹۰، ۱۱۱، ۱۱۱،

۲۴۹، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۹۳، ۲۹۷، ۳۵۲، ۳۵۹،

۳۹۹

حرم شریف ۷۵

حرم مکی ۲۵

حرمین شریفین ۔ ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۱۴، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۳، ۲۳۵،

۲۳۳، ۲۹۵، ۳۴۴، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۵۰، ۳۸۵، ۳۶۹

حصار ۳۹۶

حما شاذوان ۱۵۶

حضرموت ۳۲

حلب ۳۷۶، ۳۸۲

حیدرآباد (دکن) ۱۲۳، ۲۹۵، ۳۶۸، ۳۷۸

حیدرآباد (سندھ) ۳۷۷

خ

خیبر ۹۶

خراسان ۳۹، ۹۲، ۱۵۳، ۲۴۶، ۲۵۸

د

دانا پور ۱۷۴

دارالعلوم منظر اسلام (بریلی) ۱۲۳، ۳۷۷

دھولیان ۳۳

درۂ خیبر ۴۳، ۵۱، ۳۰۱

درۂ فتح جنگ ۱۳۹

دکن ۔ ۹۵، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۰۰، ۱۵۵، ۲۲۷، ۳۶۷، ۳۹۵، ۳۷۸

دمشق ۲۰، ۲۵۱، ۲۶۵، ۲۷۷، ۳۳۳، ۳۸۲

دہلی ۔ ۲۹، ۱۳۳، ۲۴۲، ۲۴۹، ۲۷۵، ۲۸۲، ۳۰۰، ۱۳۲، ۱۴۷،

۲۵، ۱۲۸، ۱۵۰، ۱۹۵، ۲۸۹، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۳۲،

۲۸۰، ۲۹۷، ۳۳۶، ۳۶۹، ۳۹۷

۳۶۱، ۳۷۷، ۳۸۹، ۳۸۸

دیوبند ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۸۷

ڈ

ڈابھیل ۲۸۹

ڈھاکہ ۲۹۶

ڈیرہ اسماعیل خان ۳۴۲

ر ز

رامپور ۲۹۷، ۳۲۳، ۳۷۳، ۳۸۵، ۳۸۹

رائے بریلی ۳۴، ۳۶۶

زرنجر ۳۶۳

روس ۳۷، ۲۹۰، ۳۱۲

روم ۱۵۸، ۱۷۰، ۲۷۰، ۲۸۵، ۳۰۴، ۳۲۹، ۳۴۲، ۳۴۶

س

سامانہ (قصبہ) ۱۲۷

سائیں داد (سندھ) ۱۲۸

سنج (ضلع) ۱۳۱

سرائیں (قریہ) ۱۳۰

سرہند شریف ۱۲۷، ۱۳۰ــ ۲۳۰، ۲۷۳، ۲۷۸، ۲۹۵،

۳۰۰، ۳۱۰، ۳۲۸، ۳۴۰، ۳۵۰، ۳۶۰، ۳۷۶، ۳۸۰،

۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۷، ۴۰۰، ۴۰۵، ۴۱۲، ۴۱۶

سکندرہ ۱۳۹

سلطانپور ۸۸

سلیمانیہ (ترکی) ۴۱، ۳۷۰

سمرقند ۲۷، ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۱۳۵، ۱۳۷، ۲۷۲، ۳۳۹، ۳۶۵

سمنان ۲۷۲

سنام ۴۱

سنبھل ۱۳۱

سندھ ۹۳، ۱۲۸، ۳۷۷

سوروں ۱۱۰

سہارنپور ۱۵۵

سہند ۳۷

سیالکوٹ ۱۲۹

سیستان ۲۸

سیحون ۲۳

ش

شام ۔ ۲۰، ۲۵، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۸، ۴۱، ۴۲، ۴۶،

۹۷ ــ ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۸۹، ۲۳۳،

۲۴۷ ــ ۲۷۷، ۲۸۳، ۲۸۶

شاہجہانپور ۲۶۸

شمر ۳۳

شہرند ۳۴۳، ۲۵۲

شیراز ۷۶

(ص)

صادق پورہ (پٹنہ) ۳۸۳

صوبجات متحدہ ۲۶۳

صقلیہ ۴۴

(ط)

طالقان ۱۵۴

طائف ۳۳۱

طنطا ۳۴

(ع)

عالم اسلام — ۱۱۴،۱۵۰،۲۳۲،۲۴۰،۲۷۳،۲۸۳،۲۸۴،۲۹۵

۳۲۲،۳۳۳،۳۴۹،۳۹۸،۳۹۹،۴۲۴

عجم — ۳۲۲،۳۴۰،۳۴۸،۳۵۹،۳۶۰،۳۸۰،۳۹۵،۴۵۰،۴۵۸

عراق — ۳۰،۳۸،۵۴،۶۶،۷۲،۸۳،۹۵،۱۱۲،۱۳۳،۱۴۵

۲۷۱،۲۸۲،۲۹۴،۳۹۱،۳۴۹،۳۹۳

عرب — ۲۵،۲۶،۳۲،۳۴،۸۵،۹۳،۱۴۸،۱۵۴،۲۵۰،۳۶۳،۳۶۴

۳۰،۳۳،۳۸،۴۰،۴۳،۸۳،۹۴،۱۱۴،۱۲۲،۱۴۵،۱۵۳،۱۹۴،۲۶۵

۴۸۱

عظیم آباد ۳۷۶

علی گڑھ ۲۳،۳۵،۹۱

عموریہ ۴۵۱

عینتاب ۴۵۱

(غ)

غزنی ۳۰۱،۳۰۸،۳۱۳،۳۹۶

(ف)

فتح پور سیکری ۶۳،۹۹،۱۱۰،۲۴۴

فرید آباد ۳۰۴

فیروزپور ۱۳۱

(ق)

قاسیون ۴۶۲

قاہرہ ۱۵

قبرص ۴۵

قدم رسول (دہلی) ۱۴۸

قرہ داغ (قصبہ) ۳۱۰

قزان ۴۶۴

قسطنطنیہ ۴۶

قصبہ لنڈہ ساہی براہ ۳۸۸

قصبہ بھکن منڈی ۴۶۴

قندھار ۴۶،۴۸،۴۳،۵۴،۳۹۶

ک

کابل — ۲۷، ۲۸، ۳۹، ۴۹، ۶۳، ۹۴، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۴۳، ۱۵۲
۲۳۴، ۲۳۷، ۲۵۶، ۲۵۵

کوستر ۱۵۴

کالاپانی ۵۰

کالپی ۹۲، ۹۶، ۱۴۷

کالنجر ۹۲

کانگڑہ ۱۲۹

کراچی ۱۹۰، ۲۵۹، ۲۸۵–۸۸

کربلا ۳۶

کردستان ۱۸۳، ۱۸۴، ۲۵۴

کشمیر ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۳، ۲۳۲، ۲۶۷

کرکوک ۲۷۱

کوکن ۱۰۸

کیتھل ۳۸

گ

گجرات — ۱۹، ۲۱، ۳۱، ۴۰، ۴۳، ۵۹، ۶۷، ۷۵، ۸۵، ۲۴۳
۲۹۳، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۴۰، ۲۵۰

گورداسپور ۲۶۳

گوگانوہ ۳۶

گلبرگہ ۵۴

گنگوہ ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۵۹

گوالیار — ۷۴، ۷۵، ۸۵، ۱۲۰، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۹۳، ۱۵۵، ۲۹۵
۳۰۲، ۳۱۶، ۳۱۸

گورکھپور ۳۹۷

گولکنڈہ ۲۹

گیلان ۳۲

ل

لاہور — ۲۳، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۴، ۱۷۵، ۱۸۴، ۱۵۵۸
۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۰۰، ۲۰۹، ۲۱۹، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۶
۲۵۹، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۶۷، ۲۸۵، ۲۸۷

لکھنیا ۲۸۰

لکھنؤ ۲۸۸، ۲۹۷

لندن ۲۳۵، ۲۴۲، ۲۵۱

م

مارہرہ ۱۴۷

مالٹا ۶۲

مالابار ۳۲

مانڈو ۲۳، ۵۳
ماچھیوڑہ ۱۵۹
ماوراء النہر ۲۷، ۱۴۳، ۱۵۹، ۲۵۸
مانڈل ۳۵۱
متھرا ۱۰۲
مدراس ۲۹۲، ۳۹۸
مدینہ منورہ — ۱۵، ۲۱، ۲۵، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۳۳۰، ۳۳۳، ۳۶۵
۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۶
مراکش ۲۵
مشرق وسطی ۲۵، ۲۹۳
مشہد (طوس) ۳۱
مصر — ۱۱، ۱۵، ۲۵، ۳۹، ۳۳، ۳۴، ۴۰، ۳۰، ۳۹، ۳۸، ۳۹
۱۰، ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۳۳، ۳۵، ۳۹، ۳۷۲، ۳۸۲
۳۳۲، ۳۹۷
مغرب ۲۱۱، ۲۷۵
مکھڈ شریف ۳۴۳
مکہ مکرمہ — ۱۳، ۲۰، ۴۳، ۴۵، ۷۵، ۱۰، ۳۳۱
۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۷۵، ۳۷۸، ۳۷۹
ملتان ۲۵۸، ۲۹۶
ممالک عربیہ ۳۵۳
موصل ۳۷۱
مونگیر ۳۸۰
مہران ۳۹
میانوالی ۳۷۳

ن و

ناظم آباد کراچی ۳۸۴—۳۸۵
نجف ۲۳۹، ۳۱
نصرآباد کاشان ۶۹
نظام الدین (دہلی) ۳۹۱
نیشاپور ۳۲
نہر بالا (انجوائرہ چنیوٹ) ۳۰
واں بھچراں ۳۷۳

ہ

ہانسی ۷۳
ہردوار ۱۱۰
ہردوئی ۳۱۲
ہرات — ۲۶، ۲۹، ۲۸، ۳۰، ۳۳، ۳۳، ۳۳، ۳۳، ۳۲، ۳۰
۳۲۲، ۳۰

ہندوستان — [illegible]
[illegible]

[illegible]

جنگی ۲۵

ی

یرموک ۲۷۹
یمن [illegible]
[illegible] [illegible]
یونان — [illegible]

متفرقات

قلعے، پہاڑ اور دریا:
جمنا ۳۴
چناب ۳۱
فتح پور سیکری ۹۹/۶۳
قلعہ بکھر ۲۹۲
قلعہ چنار ۲۷۶
قلعہ فیروزی ۱۳۲
قلعہ کانگڑہ ۱۹۹
قلعہ گوالیار [illegible]
قلعہ اٹور ۳۱
کوہ مراد ۳۴
کوہ سلیمان ۳۰/۵۲
گنگا [illegible]

سلطنتیں، عہد، حکومت اور دربار:

زنگی حکومت ۳۴۷
تیموری سلطنت ۲۸، ۸۵، ۹۹
دربار اکبری ۳۴، ۶۹، ۸۷-۹۱، ۹۲
دربار جہانگیری ۳۱۰
سلطنت اموی ۵۸
سلطنت ایران ۲۵، ۳۵
سلطنت عباسی ۔ عباسی خلافت ۵۸، ۳۱۲
سلطنت عثمانیہ ۔ خلافت عثمانیہ ۱۹، ۲۵، ۳۲، ۸۵
سلطنت مغلیہ ۔ ۲۸، ۳۸، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۷۵، ۷۸، ۱۲۰، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۵۲
شیعی سلطنت ۳۱
صفوی حکومت ۲۹، ۴۴، ۶۳
عہد اکبری ۔ ۴۰، ۳۲، ۴۷، ۷۲، ۷۳، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۱۵۹، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۲-۳۰۵
عہد جہانگیر ۲۹۱، ۳۰۰، ۳۱۲
عہد رسالت ۔ عہد نبوت ۔ ۴۰، ۲۵، ۷۵، ۲۵۹
عہد سلطنت عالمگیر ۔ عہد عالمگیری ۔ ۲۱۰، ۲۲۳، ۳۴۹، ۳۵۱

سوسائٹیاں، تعلیمی ادارے اور درسگاہیں:

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۳۹۴
جامع ازہر، قاہرہ ۱۵، ۲۱۴
جامعہ اسلامیہ ۔ مدینہ منورہ ۱۵
جامعہ پنجاب ۳۴
دار العلوم تربت ۔ بلوچستان ۳۸
دار العلوم دیوبند ۳۷۵، ۳۷۷
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۱۰
رابطہ عالم اسلامی ۔ مکہ مکرمہ ۳۷۶
محکمۂ اوقاف پنجاب ۱۸۱
مدراس یونیورسٹی ۲۶۴
مدرسہ خیر المنازل، دہلی ۴۳
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲۳، ۶۵، ۶۶
مظاہر علوم، سہارنپور ۳۷۴
میکگل یونیورسٹی ۔ مانٹریال ۳۵۱

علوم و نظریات:

اصول فقہ ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۸۰
تفسیر ۱۳۹

حدیث شریف ۱۴۴، ۲۴۳، ۲۸۰
علم الاصنام ۲۰۳
علم صرف ۲۶۱
علم کیمیا ۳۴
علم کلام ۱۳۹
علم نحو ۲۶۱
علوم عقلیہ ۱۳۰
علوم نبوت ۲۱۲
علوم نقلیہ ۱۳۰
فقہ ۱۳۵، ۱۸۰
فقہ حنفی ۳۳۱
فلسفہ ـــ ۱۳۴، ۱۴۳، ۱۷۸، ۱۸۱، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۵
۲۱۲، ۲۲۲، ۲۴۳، ۲۵۸، ۲۹۲، ۳۲۱
فلسفۂ جدیدہ ۲۱۱
فلسفۂ ذوقیہ (اشراقیہ) ۲۱۹
فلسفۂ مشائیہ ۲۱۲
مسئلہ دیدار الٰہی ۸۳
مسئلۂ کلام ۴۳
منقولات ۳۸۲
منطق ۶۳، ۱۳۹، ۲۱۱، ۲۲۲
نظریۂ ارتقاء ۶۵
نظریۂ تطبیق ۲۱۴
نظریۂ نور ۲۱۶

علمی و نشریاتی ادارے اکیڈیمیاں و مطابع:

ادارۂ سعدیہ مجددیہ۔ لاہور ۳۸۵، ۳۸۶
ادارۂ مجددیہ۔ کراچی ۳۵۹
انجمن ترقی اردو۔ دہلی ۲۱۱
دارالمؤلفین۔ لاہور ۳۳۶
دمشق اکیڈمی ۳۳۲
جمیل اکیڈمی۔ لاہور ۲۲۰
مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۲۱
مجلس علمی۔ ڈابھیل ۳۸۳
مطبع احمدی۔ رامپور ۳۸۲، ۳۸۹، ۳۸۸
مطبع انصاری۔ دہلی ۳۸۹
مطبع مجتبائی۔ دہلی ۳۸۱، ۳۸۹
مطبع مرتضوی، دہلی ۳۸۸
مطبعۃ السیرۃ بمکۃ المحمیۃ ۳۹۱
مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۰۰، ۳۸۸

المکتب الاسلامی۔ دمشق ۲۷۳
مکتبہ سلفیہ۔ لاہور ۲۹۰
ندوۃ المصنفین۔ دہلی ۲۶۳

کتب خانے اور لائبریریاں:

انڈیا آفس لائبریری۔ لندن ۳۳۵
برٹش میوزیم۔ لندن (کتب خانہ) ۳۲۵
خدا بخش خان لائبریری۔ پٹنہ ۳۳۱
کتب خانہ ادارۂ مجددیہ۔ کراچی ۸۷-۳۸۵
کتب خانہ آصفیہ ۳۳۱، ۳۴۲
کتب خانہ جامعہ پنجاب ۳۹
کتب خانہ ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ ۳۳۴، ۳۴۰
مولانا آزاد لائبریری۔ علی گڑھ ۶۵

مذاہب و ادیان، عقائد و فلسفے اور تحریکات:

اشتراکیت ۳۷۶
اشراق، اشراقیت ۴۹-۱۸۶، ۱۹۳، ۲۱۲، ۲۱۶
اشراقی تصوف ۱۹۳
اشراقیت جدیدہ و قدیم ۲۱۵
افلاطونیت جدیدہ ۱۹۲
الٰہیات ۱۹۷، ۲۰۳، ۲۰۵
ایلی فلسفہ ۱۹۲
بابیت ۱۹
برہمنیت ۱۸۷
جوگ ۱۸۸، ۲۳۳
جماعت مجاہدین۔ ثمرقند ۳۴۳
جمعیۃ الشبان المسلمین۔ قاہرہ ۱۵
چشتیت ۱۳۷
(حلقۂ) پیام انسانیت (لکھنؤ) ۱۹
دین الٰہی، دین اکبر ۷۱، ۷۷-۱۰۰، ۷۶-۱۰۵، ۱۹۰
ذکری عقیدہ ۳۹
روشنائیہ ۳۰۱
سنیاس ۱۸۸، ۲۳۴
سوفسطائیت ۷۹
شیعیت۔ مذہب شیعہ ۲۴۹، ۲۵۸، ۲۷۲، ۳۷۱، ۳۹۶، ۳۸۰
عقیدۂ تثلیث ۸۱
عقیدۂ تناسخ ۱۰۷
عیسائیت، مسیحیت ۸۱، ۲۱۵
عیسوی پاپائیت ۲۵
عینیت ۴۹، ۱۹۱
لاادریت ۷۹

محفل میلاد ۲۶۰
مذہب حنفی [illegible]
مذہب ظاہری ۲۶۹
مساوات ۱۹۱
مصری خرافیت ۱۹۳
مہدویت ۔ مذہب مہدویہ ۔ [illegible]
ندوۃ العلماء ۔ لکھنؤ [illegible]
نصرانیت ۸۲
نیچری تحریک [illegible]
وحدت ادیان [illegible]
وحدۃ الشہود ۔ توحید شہودی ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
وحدۃ الوجود ۔ توحید وجودی ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
ہندوستانی خرافیت ۱۹۲
ہندو فلسفہ ۳۲۲
ہندو مذہب ۱۰۸
ہندو یوگا ۳۹
یونانی فلسفہ [illegible]

طرق و سلاسل سلوک و تصوف:

سلسلۂ ابو العلائیہ ۱۴۶
سلسلۂ احسنیہ مجددیہ ۔ [illegible]
[illegible]
سلسلۂ آدمیہ ۲۸۹
سلسلۂ چشتیہ ۔ [illegible]
[illegible]
سلسلۂ چشتیہ صابریہ ۲۶
سلسلۂ صابریہ [illegible]
سلسلۂ چشتیہ نظامیہ [illegible]
سلسلۂ قادریہ [illegible]
سلسلۂ مجددیہ ۔ [illegible]
[illegible]
سلسلۂ مجددیہ معصومیہ ۲۱۰
سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ ۔ [illegible]
[illegible]
[illegible]

سلسلۂ مداریہ ۳۴
سلسلۂ نقالیہ ۳۳
سلسلۂ ولی اللہیہ ۳۸۰
طریقۂ چشتیہ شطاریہ ۳۶
طریقۂ قلندریہ ۳۸
طریقۂ کبرویہ ۳۹، ۴۲، ۴۷

مذہبی، اسلامی اور اصطلاحی الفاظ و رسوم:

احرام ۴۵
استغراق ۱۳۴
اشراق ۱۹، ۲۹
بدعت ۲۴۳، ۲۵۸ — ۲۶۰
بدعت حسنہ ۱۸۹
بدعت سیئہ ۱۸۶
بہشت ۲۰۱
بھدرا کروانا (رسم اکبری) ۱۰۱
تصوف — ۹، ۴۹، ۵۸، ۱۸۰، ۱۸۵، ۲۰۲، ۲۳۴، ۲۴۳، ۳۶۲
تعزیہ ۳۲
جشن نوروز ۱۱۴، ۳۲۹
جھروکا درشن (رسم اکبری) ۱۰۱
حکمت ۲۱۲
دعاء بیخ ۲۳۵
سکر و خروش ۱۳۴
سنت ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۵۹
شریعت — ۱۸۸، ۲۲۵، ۲۳۵، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۹۱
۳۰۰، ۳۰۲، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۹، ۳۲۲ — ۳۳۰، ۳۳۷
۳۴۱، ۳۵۲، ۳۵۹
صلوٰۃ العاشقین ۲۴۳
صلوٰۃ معکوس ۳۷
طریقت ۱۸۸
قشقہ (رسم اکبری) ۱۰۱
نبوت ۲۰۹، ۳۲۰
نقشبندیت ۱۳۷
نماز اواب ۲۴۳
نماز تنویر القبر ۲۴۳
وجد و سماع ۸۹، ۱۳۴

زبان:

پشتو ۵۱
ترکی ۳۸۷

جرمن زبان ۲۱۱
سریانی ۲۲۵
سنسکرت ۹۶
عبرانی ۲۲۵
عربی ـ ۳۳، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۸۱، ۹۸، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۳۳،
۱۲۱، ۲۳۰، ۲۵۸، ۲۹۰، ۳۲۲، ۳۴۳، ۳۵۱، ۳۶۱،
۳۷۵، ۳۸۰ـ ۳۸۵
فارسی ـ ۵۰، ۵۱، ۸۱، ۹۳، ۹۶، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۵۸،
۱۲۱، ۲۳۰، ۲۴۳، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۸۰ـ ۳۸۵
ہندی ۵۱

سکے:
سکۂ نقرئی ۳۵
درہم ۱۰۱
دینار ۱۰۱

مقبرے و مزارات:
جنت البقیع، مدینہ منورہ ۳۶۰، ۳۷۴
جنت المعلاۃ، مکہ مکرمہ ۳۷۴
روضۂ مرتضوی، نجف ۳۰
قبۂ سیدنا عثمانؓ، مدینہ منورہ ۳۶۰
مزار داتا گنج بخش، لاہور ۳۳۲
مزار سید حسین خنگ سوار، اجمیر ۷۳
مزار قطب جمال، ہانسی ۷۳
مزار مجدد الف ثانی، سرہند ۱۴

خانقاہیں و رباط:
خانقاہ شاہ ابوالخیر، دہلی ۳۷۶
خانقاہ شیخ حسین خوارزمی، بلخ ۶۸
خانقاہ مجددیہ، سرہند ۱۵
خانقاہ مجددیہ، بھوپال ۳۶۸
خانقاہ معصومی، رامپور ۳۷۴
رباط مظہری، مدینہ منورہ ۳۷۴

اہم واقعات و حادثات:
اسراء ۱۲۳
شق القمر ۱۲۳
طوفان نوح ۱۴۰
معراج ۱۲۳

دیگر متفرقات:

کعبہ، بیت اللہ شریف — ۳۱، ۲۴۷، ۲۰۲، ۲۱۲، ۱۴۴، ۳۳۳، ۳۷۴

غلافِ کعبہ ۳۰

افیون ۲۹۳

چراغ سلیمان ۵۹

درس نظامی ۴۳

سنت یوسفی ۱۶۳

طاعون ۵۴، ۱۴۷، ۲۰۲، ۲۴۷